ت خ
342

پاکستان کیوں ٹوٹا

ڈاکٹر صفدر محمود

Marfat.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

پیش لفظ ۷
باب اوّل : احساس محرومی کے عمل کا آغاز (۵۸-۱۹۴۷ء) ۱۱
باب دوم : خلیج پھیلتی گئی (۶۹-۱۹۵۸ء) ۴۱
باب سوم : دوسرا مارشل لاء، چھ نکات اور مجیب الرحمٰن کے عزائم (۷۰-۱۹۶۹ء) ۷۵
باب چہارم : پہلے عام انتخابات اور ان کے مضمرات ۹۷
باب پنجم : علیحدگی کی راہ پر (۷۱-۱۹۷۰) ۱۱۹
باب ششم : بھارتی مداخلت ۱۷۵
باب ھفتم : عالمی طاقتوں کا کردار ۲۰۱
باب ھشتم : اور پاکستان ٹوٹ گیا ۲۳۵
کتابیات ۲۶۵
ضمیمہ جات : ضمیمہ ۱ : چھ نکات اصل کیا تھے؟ بعد میں کیا تبدیلی آئی؟ ۲۷۵
ضمیمہ ۲ : راؤ فرمان علی سقوط مشرقی پاکستان کے اہم گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں ۲۷۸
ضمیمہ ۳ : پاکستان کی مرکزی وزارتوں کی تفصیل ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تک ۳۰۶

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کا قیام ہماری تاریخ کا اہم ترین سانحہ ہے۔ اس سے نہ صرف ہمارے علاقے میں طاقت کا توازن بگڑا ہے بلکہ پاکستانی قوم کی نفسیات بھی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ اس لیے اس حادثہ کے دُوررس اثرات سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ گمان غالب یہی ہے کہ یہ واقعہ سیاسی طور پر غیر ترقی یافتہ ممالک میں علیحدگی پسند رجحانات کے لیے مہمیز کا کام دے گا اور خود پاکستان کے اندر بھی علیحدگی پسندوں کے لیے ماڈل ثابت ہوگا۔ اس پس منظر میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہ اور اس بات پر گہرا غور کرنا اور انہیں سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

بنگال میں علیحدگی پسندی کی تحریک چند مہینوں یا برسوں کی پیداوار نہیں تھی بلکہ اس کی جڑیں پاکستان کی سیاسی تاریخ کے مختلف ادوار میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس عرصے میں مختلف حکومتوں نے قومی یکجہتی کے لیے متعدد کوششیں کیں مگر ان کی یہ مساعی مختلف عوامل کے باعث بارآور نہ ہوسکیں۔ زیرِ نظر تصنیف میں ان عوامل کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

پاکستان کے دولخت ہونے کے عمل کی صحیح تفہیم کے لیے پاکستان کی تاریخ اور سیاست کا اس کے حقیقی تناظر میں مطالعہ ناگزیر ہے۔ چنانچہ میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اس تصنیف میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات اور ان کے نتائج و

Marfat.com

عواقب کا تفصیلی مطالعہ پیش کر دیا جائے تاکہ قومی سطح پر ہمارا تاریخی شعور بیدار رہو اور ہم ماضی کی روشنی میں مستقبل کی راہ متعین کر سکیں۔ اس کتاب میں قومی راہنماؤں بالخصوص بھٹو، یحییٰ خاں اور مجیب الرحمن، سیاسی جماعتوں، پریشر گروپوں اور فوج کے کردار کے علاوہ بھارتی مداخلت اور عالمی طاقتوں کا اس سانحے میں کردار کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔

بالالفاظ دیگر اس تصنیف کو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک پاکستان کی تاریخ اور سیاسی زندگی کا اجمالی مطالعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاکستانی دانشور ابھی تک اس سوال کے جواب کے متلاشی ہیں کہ سقوط مشرقی پاکستان کا المیہ سیاسی راہنماؤں کی ناکامی کا نتیجہ تھا یا فوجی حکمرانوں کی ہوس اقتدار کا شاخسانہ؟ بعض مصنفین اسے بین الاقوامی سازش قرار دیتے ہیں جبکہ دوسروں کے نزدیک یہ فوجی شکست تھی۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام عوامل نے مختلف انداز میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی راہ ہموار کی۔ میں نے اس کتاب میں دستیاب مواد کی بنیاد پر ان سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

اگرچہ سقوط مشرقی پاکستان ہماری قومی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے تاہم اس کے معروضی تجزیے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے اور اس موضوع پر پاکستانی، بھارتی اور بنگلہ دیشی مصنفین کی بیشتر کتب ان کے مخصوص تعصب کی آئینہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں منظر عام پر آنے والی عینی شاہدوں کے مشاہدات پر مبنی تحریروں میں سارا زورِ بیان واقعہ کے المیاتی پہلو کو اجاگر کرنے پر صرف کر دیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں ذاتی پسند و ناپسند کی جھلک واضح ہے اور انہیں مستند تاریخی ماخذات کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے میں نے ان مختلف النوع سیاسی عوامل کے غیر جانبدارانہ مطالعے کی کوشش کی ہے جو بالآخر بنگلہ دیش کے قیام پر منتج ہوئے۔

مخصوص ذرائع سے قطع نظر کتاب میں استعمال کیے جانے والے مواد کا دستاویزی ثبوت مہیا کیا گیا ہے اور اس کے ماخذات کا حوالہ پیش کیا گیا ہے تاکہ سند رہے۔ موضوع زیر بحث

Marfat.com

سے متعلق بعض اہم معلومات اس کتاب کے ذریعے پہلی دفعہ منظر عام پر آ رہی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اس سلسلہ میں لکھی جانے والی دوسری کتابوں میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ توقع ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد جہاں قارئین کو سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب و عوامل سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں وہ اپنی قومی کمزوریوں اور ناکامیوں کا بھی تجزیہ کر سکیں گے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ہمیں یہ بھی سمجھنے میں مدد ملے گی کہ ترقی پذیر ممالک میں علاقائی تحریکیں کیسے چلتی ہیں اور کیونکر کامیاب ہوتی ہیں، تاکہ ہم موجودہ علاقائی رجحانات کو سمجھ سکیں۔ اپنی تاریخ سے اس پس منظر کو سمجھے بغیر قومی اتحاد اور ملکی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور یہی اس کتاب کے لکھنے کا مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ قوم و ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

آخر میں مجھے شعیب بن عزیز کا شکریہ ادا کرنا ہے جس نے اس کتاب کے انگریزی مسودے کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔

صفدر محمود

لاھور

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱

احساسِ محرومی کے عمل کا آغاز (۱۹۴۷ - ۵۸ء)

قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلم لیگ کی انتھک جدوجہد بالآخر رنگ لائی اور اسلامیانِ ہند جنوب ایشیا میں اپنے لیے ایک علیحدہ ارضِ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آزادی کے بعد قومی قیادت کے ساتھ ساتھ نوزائدہ مملکت کی انتظامی ذمہ داریاں بھی مسلم لیگ کے کندھوں پر آ پڑیں اور مرکز اور صوبوں میں مسلم لیگی حکومتیں قائم ہوئیں۔ پاکستان کو روزِ اول سے ہی لاتعداد نازک مسائل کا سامنا تھا۔ ملک کے دونوں حصوں کو متحد رکھنے اور ایک متفقہ آئین کی تیاری کے مسئلہ کے علاوہ اہلِ پاکستان کو ناساعد سماجی، اقتصادی اور انتظامی صورتِ حال سے بھی عہدہ برا ہونا تھا۔ ملک و قوم کو درپیش یہ آزمائشی دور ایک بے لوث اور مخلص قیادت کا متقاضی تھا مگر بدقسمتی سے قائدِ اعظم اور لیاقت علی خان کے جانشین اس زرِ خالص سے محروم تھے۔ مسلم لیگ جو پاکستان کے اتحاد اور یک جہتی کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی تھی، رفتہ رفتہ اپنا مقام کھو بیٹھی اور حقیقت یہ ہے کہ حکمران پارٹی کی حیثیت میں اس کی کارکردگی کو کسی طور بھی اطمینان بخش قرار نہیں دیا جا سکتا[۱]۔ چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران عوام کے دلوں میں موجزن اخوت و یگانگت کے جذبات کو ملکی یکجہتی اور اتحاد کے مقصد کے لیے بروئے کار نہ لایا جا سکا۔

تخلیق پاکستان کا واقعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ معنویت کا حامل ثابت

۱۔ "مسلم لیگ کے تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مسلم لیگ کا دورِ حکومت" (۱۹۴۷ - ۵۴ء) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۸۶ء

Marfat.com

ہوا۔ مسلمانوں کے نزدیک پاکستان کا قیام ایک عظیم کامیابی کی حیثیت رکھتا تھا۔ جبکہ اس موقع پر ہندوؤں کا ردّ عمل شکست اور ہزیمت کے احساسات سے مملو تھا۔ مسلمانوں کے دل طمانیت سے سرشار تھے کہ ان کی جدوجہد بار آور ثابت ہوئی مگر ہندو تاریخ کے اس فیصلہ کو بہ طیب خاطر قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ ہندوستان کی تقسیم نے انہیں احساس زیاں میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اس فکر میں غلطاں تھے کہ اس نقصان کا ازالہ کیسے کیا جائے؟

پاکستان جغرافیائی طور پر ایک وحدت نہیں تھا۔ اس کے دونوں حصّے ایک دوسرے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع تھے اور ان دونوں حصوں کے درمیان اس کا دشمن ملک۔ موجود تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کا بحری رابطہ طویل اور دشوار گزار تھا اور بھارت کے لیے کسی وقت بھی اس کی ناکہ بندی ناممکن نہ تھی۔ اسی خطرہ کے پیش نظر قائد اعظم نے دونوں صوبوں کو ملانے کے لیے بھارت کے درمیان میں سے گزرنے والے خشکی کے راستے کا مطالبہ کیا تھا جسے حکومت برطانیہ نے مسترد کر دیا تھا۔[۲]

بنگالی سیاستدان دونوں صوبوں کے درمیان موجود جغرافیائی اور ثقافتی بُعد سے پوری طرح باخبر تھے اور انہوں نے اس کی تشہیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ انہوں نے دستور ساز اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں اپنی تقاریر کے دوران علیحدگی کے نکات کو خاص طور پر اجاگر کیا۔ دستور ساز اسمبلی کے ایک ممتاز بنگالی رکن ابوالمنصور احمد نے اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"پاکستان بھی ایک عجیب ملک ہے۔ اس کے دو بازوؤں کے دوران ایک ہزار میل سے زائد کا فاصلہ ہے۔ مذہب اور مشترکہ جدوجہد آزادی کے سوا ان کے درمیان کوئی

---

2. Lord Birdwood, A Continent Decides, p. 33.

Marfat.com

قدر مثلاً زبان ثقافت غرض کچھ بھی مشترک نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دونوں صوبوں میں وہ مشترکہ اقدار عنقا ہیں جنکی موجودگی کسی قوم کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہوتی ہیں۔"[3]

جنوب ایشیا کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا مقصد ایک ایسے خطہ ارضی کا حصول تھا جہاں وہ نظریہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ چنانچہ پاکستانی قومیت کی حقیقی بنیاد روحانی اور نظریاتی اقدار تھیں۔ اگرچہ ثقافتی اعتبار سے پاکستان متنوع نسلی اور لسانی وحدتوں کا مرقع تھا لیکن اس کے باوجود یہاں وطنیت اور قومیت کی بنیاد مشترکہ نظریے پر تھی البتہ موجودہ دور کے تقاضوں نے مشترکہ نظریاتی بنیاد کے باوجود قومی یکجہتی کے مسئلے کو قدرے پیچیدہ بنا دیا تھا۔ کیونکہ آئیڈیالوجی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشی محرکات بھی قومی یکجہتی کے عمل میں اہم کردار سرانجام دینے لگے تھے۔

ان پُرخطر امکانات کے پیش نظر ضرورت اس امر کی تھی کہ بین الاقوامی سطح پر تعلقات عامہ کے جدید ترین ہتھیاروں سے کام لینے کے ساتھ ساتھ نظریاتی اور سماجی و اقتصادی عوامل کو بروئے کار لا کر قومی یکجہتی کے مقاصد کے حصول کے لیے غیر معمولی مساعی کی جائیں مگر بدقسمتی سے یہ دونوں کام ممکن نہ ہو سکے۔ اِدھر ثقافتی اور لسانی اختلافات بھی ملکی یکجہتی کے لیے مضر ثابت ہوئے اور سب سے بڑھ کر مختلف ادوار میں سیاسی حماقتوں نے بھی پاکستان دشمنوں کو ملک کے دونوں حصوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو گہرا کرنے کے مواقع فراہم کئے۔

قیام پاکستان کے بعد رفتہ رفتہ وہ جوش وجذبہ سرد پڑ گیا جس کا مظاہرہ تحریک آزادی کے دوران دیکھنے میں آیا تھا ان حالات میں دونوں صوبوں کو متحد رکھنے کے لئے گہری فراست، تحمل اور سیاسی رواداری کی ضرورت تھی اس موڑ پر آئینی نظام کے مقام کے بغیر نوزائیدہ مملکت کا استحکام ممکن نہیں تھا مگر ہوا یہ کہ ملک کے حکمرانوں کے سیاسی

---

3. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. I, 16 January 1956, p. 1816.

Marfat.com

اور جمہوری اداروں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا اور انہیں پھلنے پھولنے کا موقع نہ دیا گیا۔ چنانچہ آزادی کے فوراً بعد فوراً ہی مرکزی حکومت کی بعض عاقبت نااندیشانہ پالیسیوں کی وجہ سے بنگالیوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ انہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ قیام پاکستان کے صرف سات ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۴۸ء میں دستور ساز اسمبلی کے ایک مسلم لیگی رکن نے کہا کہ "محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ نظام میں مشرقی بنگال کو واقعتاً نظر انداز کیا جا رہا ہے"[۴] دستور اسمبلی میں دیا گیا یہ بیان اہل بنگال کے احساس محرومی کی عمومی صورت کا ترجمان تھا اور اس احساس محرومی میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بعد ازاں ملک میں جمہوریت کی ناکامی نے قومی یکجہتی کے قیام کے لیے کی جانے والی تمام مساعی کو ناکام بنا دیا۔

ملک کے دونوں حصوں کے عوام کئی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ان کے سماجی طرز عمل میں واضح تفاوت موجود تھا۔ مغربی پاکستان کی سیاست پر اکثر و بیشتر جاگیرداروں کا تسلط تھا جبکہ مشرقی کے سیاستدانوں کی بڑی تعداد وکلاء، اساتذہ اور ریٹائرڈ سرکاری ملازمین پر مشتمل تھی۔ پاکستان کی دوسری دستور ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان کے ۴۰ اراکین میں سے ۲۸ جاگیردار تھے جبکہ مشرقی پاکستان کی نمائندگی ۲۰ وکلاء اور نو (۹) ریٹائرڈ ملازم کر رہے تھے۔ بنگالی اراکین اسمبلی میں ایک بھی جاگیردار نہیں تھا[۵] مختلف طبقوں کے نمائندوں کی حیثیت میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے رہنما متضاد نظریات اور عزائم کے حامل تھے اور ان کے لیے ایک دوسرے کے مسائل کی صحیح تفہیم ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ان کے باہمی سیاسی مراسم مشترکہ مقاصد کی بجائے وقتی مصالح پر مبنی تھے۔ دوسری طرف دونوں صوبوں کی انتظامیہ کے طرز عمل میں بھی واضح عدم مماثلت موجود تھی۔ ایک ماہر

۴۔ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی، روئداد، جلد ۱، ۱۱ مارچ ۱۹۴۸ء، ص ۸۲۔ عزیز احمد کی تقریر

5. Mushtaq Ahmad, Government and Politics in Pakistan, p. 115.

Marfat.com

انتظامات کے مطابق بنگالی افسر مغربی پاکستانی افسروں کی نسبت" زیادہ مساوات پسند، جمہوریت نواز، عوام دوست اور منکسر المزاج تھے۔" [6]

جغرافیائی عوامل سے قطع نظر ملک کے دونوں صوبوں کی سماجی و ثقافتی صورت حال بھی ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف تھی [7] مغربی پاکستان ثقافتی ہم آہنگی سے محروم تھا جبکہ ملک کا مشرقی حصہ تہذیبی اور لسانی طور پر ایک وحدت تھا اور یہاں کے عوام کو اپنی انفرادیت کا بھرپور احساس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ثقافتی طور پر مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کے عوام پاکستان کے دونوں صوبوں کے عوام کی نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب تھے۔ اس سلسلے میں بنگال کی صورتحال کا موازنہ پنجاب سے کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ اگرچہ بنگال کی طرح پنجاب کو بھی تقسیم کے عمل سے گزرنا پڑا۔ تاہم آزادی کے بعد پنجاب کے دونوں حصوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں رہا تھا، لیکن اس کے برعکس مشرقی پاکستان میں ایسے کئی محب وطن بنگالیوں کی مثالیں پیش کی جاسکتی تھیں جن کے دوستانہ مراسم سرحد پار مغربی بنگال میں آزادی کے بعد بھی قائم تھے [8] مشرقی پاکستان کے ایک محقق نے اس صورتحال کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "سیکولر ادب و فن اور عوام کا مخصوص طرز زندگی جو ہماری ثقافت کے عناصر ترکیبی ہیں، بنگال کے دونوں حصوں میں یکساں بنیادوں اور مظاہر کے حامل ہیں" [9]

پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان یک جہتی کے ضامن مشترکہ عوامل صرف مذہب اور بھارت کا خوف تھے۔ یہ عوامل خاصے نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے تھے مگر مختلف وجوہ کی بنا پر

---

6. Ralph Braibanti, Research on the Bureaucracy of Pakistan, p. 47.

7. For detailed study, See Donald Lokhart Atwell, East Pakistan: A study in Political Geography, unpublished Ph.D. Dissertation, Clark University, Worester, Massachusetts.

8. Keith Callard, Pakistan: A Political Study, p. 157.

9. Safar A. Khanda, "East Pakistan and Politics of Regionalism". Unpublished Ph.D. Thesis, University of Denver, 1970, p. 47.

Marfat.com

ان عوامل سے مطلوبہ فوائد حاصل نہ کیئے جا سکے۔ اولاً اس مقصد کے لیے سیاسی استحکام اور اعلیٰ قومی قیادت کا وجود ناگزیر تھا جس کا حصول ممکن نہ ہو سکا۔ سیاسی جماعتیں کمزور اور انتشار کا شکار تھیں جبکہ سیاستدانوں کی اکثریت صوبائیت سے بالاتر ہو کر سوچنے کے لیے تیار نہیں تھی اور وہ مذہب کو اقتدار کی جنگ میں ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ ثانیاً اقتصادی اور ثقافتی حقیقتوں نے رفتہ رفتہ اتحاد کی ضامن قوتوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے دانشوروں کے نزدیک اسلام کی وہ اہمیت نہ رہی جو اسے مغربی پاکستان میں حاصل تھی۔ اس حقیقت کی تائید کئی مستند مبصرین کی آراء اور ایک معروف ماہر سیاسیات کی طرف سے کیئے جانے والے سروے سے بھی بخوبی ہوتی ہے [۱۰] آزادی سے قبل ہندوؤں کی بالادستی کے خوف نے ایک علیحدہ ملک کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آزادی کے بعد بھی جنوبی ایشیا میں بھارت کے غلبے کے خلاف پاکستان کی جدوجہد کے پسِ پشت یہی احساس کارفرما تھا۔ چنانچہ اس احساس نے پاکستانی قوم میں یک جہتی کو استحکام بخشا [۱۱]۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے تنازعہ کو ایک عرصہ تک پاکستانی قوم کے اجتماعی مسئلے کی حیثیت رہی، مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بنگالیوں کے جذبات میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ کشمیر کے جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر بنگالی یہ سوچنے لگے کہ یہ مسئلہ صرف مغربی پاکستان کے لئے اہم ہے۔ مشرقی پاکستان میں مضبوط بھارتی لابی نے اس سوچ کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ نے بھارتی خطرے کے مفروضے کی قلعی کھول کے رکھدی [۱۲]

---

۱۰ :۔ خالد بن سعید "دی پولیٹیکل سسٹم آف پاکستان" ص ۱۸۳-۸۴ بحوالہ لارڈ برڈوڈ، صفحہ - ۱۴۴

۱۱ :۔ بحوالہ لارڈز برڈوڈ - ص ۱۲۵

۱۲ :۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے نتائج و عواقب کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم

Marfat.com

بھارتی خطرے کے مفروضے

اس موقع پر شیخ مجیب الرحمن نے بھارت کیخلاف ایک لفظ تک کہنے سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں عوامی لیگ کی قیادت نے اپنے اس مؤقف کو بھارت کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لئے استعمال کیا۔ لارڈ برڈووڈ نے ۱۹۵۳ء ہی میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ "یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ پاکستان آنے والے برسوں میں ایک متحدہ قوت کے طور پر بھارت کے مقابل رہ سکتا ہے یا نہیں"[۱۳] ان کا خیال یہ تھا کہ "اگر کبھی پاکستان کا مشرقی بازو کراچی کے کنڑول سے علیحدگی کا فیصلہ کرے تو یہ کوئی غیر فطری واقعہ نہ ہوگا"[۱۴]

تحریک پاکستان کے دوران بنگالی مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ آزادی ان کے لیے خوشحالی کا پیغام لے کر آئے گی اور پاکستان کے قیام کے بعد ان کے دن پھر جائیں گے مگر ظاہر ہے کہ ایسا فوری طور پر ممکن نہیں تھا۔ صوبے کی معیشت اور تعلیم پر ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ اگرچہ مسلمان اکثریت میں تھے۔ تاہم دیہی علاقوں میں ہندو ان سے اچھوتوں کا سا سلوک کرتے تھے[۱۵] تقسیم کے وقت مشرقی بنگال کی اسی (۸۰٪) فیصد قومی دولت پر ہندو قابض تھے۔ شہری املاک اور عمارتوں کی اکثریت جس کی شرح بعض مقامات پر ۸۵٪ سے بھی زیادہ تھی، ان ہی کے قبضہ میں تھیں۔ مشرقی بنگال میں موجود ۱۲۹۰ ہائی سکول اور ۴۷ کالجوں کے ۹۵٪ پر بھی ہندوؤں ہی کا کنڑول تھا۔[۱۶]

۱۳:۔ بحوالہ لارڈ برڈووڈ ۔ ص ۔ ۱۲۵

۱۴:۔ بحوالہ لارڈ برڈووڈ ۔ ص ۔ ۱۲۵

۱۵:۔ انور رضا، یادوں کے جھروکے ۔ص ۷۷ ۔ یہ کتاب مصنف کے طویل عرصہ تک مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں ذاتی تاثرات پر مشتمل ہے ۔ مزید ملاحظہ ہوں ایل ایف رش بروک ولیمز، دی سٹیٹ آف پاکستان ص ۳۸:

۱۶:۔ براج مھوک نے ان حقائق کا ذکر اپنے محترم شیاما پرشاد مکرجی کی سوانح حیات میں کیا ہے تفصیل کے لیے خواجہ سرور کا مقالہ "پاکستان ہو ائزن" کراچی کے مشرقی پاکستان بحران نمبر میں ملاحظہ فرمائیے (کراچی ۱۹۷۱ء) ص: ۵

Marfat.com

ہندو اساتذہ نے بنگالی نوجوان کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ اساتذہ طلبا کے لیے جو کتب تجویز کرتے، ان میں سے بیشتر نظریۂ پاکستان کے خلاف مواد پر مشتمل ہوتیں۔ متعدد تعلیمی اداروں میں بابائے قوم کے بجائے گاندھی اور جواہر لال نہرو کی تصاویر آویزاں کرنے کو ترجیح دی گئی۔[۱۷]

مغربی پاکستان کے برعکس مشرقی پاکستان سے نقل مکانی کر کے بھارت جانے والے ہندوؤں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہاں تک کہ جن ہندو خاندانوں نے مشرقی پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا، اُن کے مرد مشرقی پاکستان ہی میں مقیم رہے اور صرف بچے اور عورتیں نقل مکانی کر کے کلکتہ یا مغربی بنگال کے دیگر شہروں میں آباد ہوئے۔[18] یہ ہندو جو کچھ کماتے بھارت بھیج دیتے۔ ان کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان سے اشیائے صرف سمگل ہو کر بھارت جانا شروع ہو گئیں اور بھارت سے پاکستان دشمن لٹریچر آنے لگا۔ بدقسمتی سے مشرقی پاکستان کے دانشوروں میں ایک ایسا طبقہ موجود تھا جس کی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ تھیں۔ اس طبقہ نے کلکتہ سے آنے والی ہر چیز کو خوش آمدید کہا۔[19]

اس صورتحال کا اندازہ پاکستان مسلم لیگ کے خازن ایچ۔ ایم۔ حبیب اللہ کی اس رپورٹ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے وزیر اعظم چوہدری محمد علی کو پیش کی تھی۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ "چین، برما اور بھارت سے درآمد کیا جانے والا سستا کمیونسٹ لٹریچر صوبے میں چائے خانوں، عام مقامات، ریستورانوں، سکولوں، ریلوے بک اسٹالوں غرض ہر جگہ پایا جاتا ہے۔"[۲۰]

---

۱۷ :۔ بحوالہ انور رضا، ص۔ ۱۴۵

18 M. D. Dhillon, Respite of Revolution, p. 3. Also see Altaf Gauhar, "Damaan-i-Khayal" (Urdu), Urdu Digest Monthly, Lahore, October 1975, pp. 17-18.

19 S. M. Zafar, Through the Crisis, p. 33.

۲۰ :۔ ملاحظہ ہو متن رپورٹ شائع شدہ نیو ٹائمز (راولپنڈی) ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

ہندو مارواڑیوں نے صوبے میں سرگرم عمل کمیونسٹوں کی کارروائیوں میں تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ مصنوعی قلت اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے بے پناہ منافع بھی کمایا۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک کے مختلف حصوں میں صوبائیت کے رجحانات منظر عام پر آنے لگے اور ڈھاکہ میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان ایک گہری دشمنی پروان چڑھنے لگی۔[21] بائیں بازو کے سیاستدانوں نے صوبائی خود مختاری کے مسئلہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہوں نے عوامی مقبولیت کے میدان میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اس مسئلہ کو استعمال کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ طرز عمل بالآخر "بنگال بنگالیوں کا ہے" کے نعرہ پر منتج ہوا۔ ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں عوامی حمایت حاصل کرنے کیلئے عوامی لیگ نے ایسے اشتعال انگیز نعرے لگائے جسکے نتیجے میں جذبات کو ہوا ملی اور صوبائیت کے شعلے بھڑک اٹھے۔[22] حقیقت یہ ہے کہ عوامی لیگ بنیادی طور پر ایک علاقائی سیاسی جماعت تھی خود حسین شہید سہروردی آزادی سے قبل متحدہ بنگال کے نظریے کے بہت بڑے داعی تھے اور انہوں نے مئی ۱۹۴۷ء میں بنگال کی تقسیم کو "سب کے لیے تباہی" قرار دیا تھا۔[23] اگرچہ بعد ازاں سہروردی نے اپنا موقف تبدیل کر لیا تاہم ملکی سیاست کے میدان میں عوامی لیگ علاقائی مقاصد کے حامل ایک مضبوط پریشر گروپ ہی کا رہا اور اس نے ایک قومی سیاسی جماعت کا کردار ادا کرنے کی کبھی کوئی قابل ذکر کوشش نہ کی۔ دونوں صوبوں کے درمیان بدگمانی اور شکر رنجی کی مستقل فضا پیدا کرنے میں لسانی مسئلہ نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان سے ایک ہندو رکن ڈاکٹر دھرندر ناتھ دت نے دستور ساز اسمبلی کے ضوابط میں

---

[21]:۔ ملاحظہ ہو متن رپورٹ شائع شدہ نیو ٹائمز (راولپنڈی) ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء

[22]: بحوالہ مشتاق احمد۔ ص: ۱۵۱

[23]: حسین شہید سہروردی (وزیر اعظم پاکستان ۱۹۵۶ء-۵۷) نے گاندھی سے ملاقات کی اور ان کے عظیم تر بنگال کے منصوبے پر تبادلہ خیال کیا۔ ملاقات کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میں نے اپنے ذہن میں موجودہ متحدہ بنگال کا خاکہ گاندھی کے سامنے پیش کیا ہے۔"
"میں سمجھتا ہوں کہ بنگال کو تقسیم کرنے کا منصوبہ ہم سب کیلئے تباہی اور بربادی کا باعث ہوگا۔" دی پاکستان ٹائمز ۱۳ مئی ۱۹۴۷ء

Marfat.com

ترمیم پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بنگالی کو بھی سرکاری زبان قرار دیا جائے[24]۔ اس وقت تک اراکین اسمبلی انگریزی یا اُردو میں اظہار خیال کر سکتے تھے۔ لیاقت علی خان نے تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ ترمیم کا مقصد پاکستانیوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ صرف اردو ہی پاکستان کی قومی زبان ہوگی[25]۔ اس اعلان سے قومی سطح پر بحث ومباحثہ کا آغاز ہو گیا۔ بنگالیوں نے جنھیں اپنی زبان سے بہت محبت تھی اُردو کی برتری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا[26]۔ یہ لسانی تنازعہ بالآخر تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ طالب علموں اور دیگر تعلیم یافتہ طبقوں کا تاثر یہ تھا کہ مرکزی حکومت جس پر اہل پنجاب کا غلبہ ہے۔ بنگالیوں سے ان کی مادری زبان چھین لینا چاہتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے گورنر جنرل اور وزیر اعظم دونوں میں سے کوئی بھی پنجابی نہیں تھا۔ بعض شکست خوردہ سیاستدانوں نے جنھیں مسلم لیگ میں شامل کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا، عوام میں اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے مسلم لیگی حکومت کے خلاف اس تحریک کی حمایت کی۔ مرکز مخالف ان اجتماعی مظاہروں کو کمیونسٹوں کا فعال تعاون بھی حاصل تھا[27]۔

صوبے کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صورت حال پر قابو پانے کے لیے مطلوبہ اہلیت سے عاری تھے۔ چنانچہ حالات بتدریج خراب ہوتے گئے اور مارچ ۱۹۴۸ء میں جب قائداعظم صوبے کا دورہ کرنے والے تھے۔ خواجہ ناظم الدین نے صورت حال کی نزاکت سے گھبرا کر طلبا کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے تمام مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان مطالبات کا سرسری مطالعہ ہی ان کے حقیقی مصنفین کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔ مطالبات یہ تھے:۔

---

24. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. II (25 February 1959), p. 15.

25. ایضاً ۔ ص ۱۷

26. بحوالہ انور رضا ۔ ص ٦٦ ۔ ٦٧

27. Lord Birdwood, op. cit., p. 145; and Rounaq Jahan, Pakistan: Failure in National Integration, p. 41.

Marfat.com

۱۔ مشرقی پاکستان کا رواں اجلاس بنگالی کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان اور صوبے میں تمام سطحوں پر ذریعہ تعلیم بنانے کی قرارداد منظور کرے گا۔

۲۔ اسمبلی مرکزی حکومت کو سفارش کرے گی کہ بنگالی کو ملک کی سرکاری زبانوں میں شامل کیا جائے۔

۳۔ تحریک کے دوران گرفتار ہونے والے تمام سیاسی قیدی رہا کیے جائیں۔

۴۔ تحریک کی حمایت اور خبریں شائع کرنے پر کلکتہ اور مشرقی بنگال کے اخباروں پر پابندی واپس لی جائے۔

۵۔ وزیر اعلیٰ، ریڈیو پر اعلان کریں کہ یہ تحریک حب وطن کے مقاصد اور جذبات کی ترجمان تھی۔

۶۔ وزیر اعلیٰ اپنا وہ بیان واپس لیں جس میں انہوں نے مظاہرین کو کمیونسٹ اور ملک دشمنوں کے ایجنٹ قرار دیا تھا۔[۲۸]

اگرچہ وزیر اعلیٰ سے ملاقات کرنے والی ایکشن کمیٹی طلبا پر مشتمل تھی مگر اس کے تمام تر مطالبات سیاسی تھے۔ صوبائی حکومت کی طرف سے ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان طلبا کی پہلی فتح تھی۔

قائد اعظم ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ پہنچے جہاں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا کہ "پاکستان کے قیام کے خلاف اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد پاکستان کے دشمن اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہمارے ملک کی سالمیت کے درپے ہیں۔ وہ اس مقصد کے لیے صوبائیت کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جب تک اپنی قومی سیاست میں سے اس زہر کو نکال باہر نہیں پھینکتے قومی استحکام کا حصول ممکن نہیں۔"[۲۹] قائد اعظم کی نصیحت نے لسانی تحریک کا زور تو توڑ دیا مگر یہ مسئلہ مکمل طور پر حل نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۲ء میں

---

28. Kamruddin Ahmad, The Social History of East Pakistan, p. 110.

29. Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah, Speeches as Governor-General, pp. 87-88.

Marfat.com

جب مرکزی حکومت نے بنگلہ زبان کے لیے عربی رسم الخط اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس مسئلہ نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔ فروری ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین نے جو اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم تھے ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوتے کہا کہ اُردو پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہوگی۔ اس انتہائی غیر دانشمندانہ اور بے موقع اعلان کے نتیجے میں مظاہروں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہوگیا۔ اب یہ تحریک اس مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی کہ مرکز اور صوبے میں تصادم سے احتراز ممکن نہیں رہا تھا۔ صوبائی اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں بنگلہ قومی زبان کے طور پر تسلیم کرنے کی بجائے مرکزی حکومت نے معاملے کو بلاوجہ طول دینے کی غیر دانشمندانہ پالیسی اختیار کی۔ ان حالات میں جبکہ بنگلہ زبان کے مطالبے کو حزب اختلاف کے علاوہ حکومتی پارٹی کے اراکین کی بھی حمایت حاصل تھی۔ مرکزی حکومت کو حقیقت تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

بنگالیوں نے لسانی مسئلہ پر فیصلے میں تاخیر کو مغربی پاکستان کی ایک اقلیت کی طرف سے اکثریت پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش قرار دیا۔[30] انہوں نے اپنے مطالبات کی حمایت میں وسیع پیمانے پر ہڑتالیں اور احتجاجی مظاہرے کیے اور ۲۱ فروری کو پولیس کے ہاتھوں دو طالب علم ہلاک ہوگئے۔ امن وامان کی نازک صورت حال کے باعث فوج طلب کرنا پڑی۔ امن عامہ تو بحال ہوگیا۔ مگر یہ واقعات قومی یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا گئے۔ مرکزی حکومت بنگالیوں کا اعتماد کھو بیٹھی اور مسلم لیگ کے خلاف عوام میں نفرت کے جذبات جنم لینے لگے۔ ڈھاکہ میں ہلاک شدگان کی یاد میں شہید مینار تعمیر کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی نے بنگالی کو ایک قومی زبان کے طور پر تسلیم کر لیا اور یوں یہ تحریک اپنے انجام کو پہنچی۔ اہل مشرقی پاکستان کی اس لسانی تحریک نے کئی "داستانوں، علامتوں اور نعروں" کو جنم دیا۔ اور اس کے نتیجہ میں انہیں اپنی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لیے ایک مشترکہ عوامی مقصد کے ساتھ ساتھ 'اولین شہید'

---

30. Stanley Maron, "The Problem of East Pakistan", Pacific Affairs, June 1955, p. 133.

58936

Marfat.com

بھی میسر آگئے۔ ۲۱ فروری کے واقعات نے اہل بنگال کے لیے ایک نئی ادبی اور ثقافتی روایت کی بنا ڈالی۔ [۳۱]

آئین سازی اور علاقائی خود مختاری کے مطالبے سے متعلق اختلافات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال نے بھی مشرقی پاکستان میں سیاسی انتشار اور صوبہ پرستی کے رجحانات کو ہوا دی۔ ان اختلافات نے صوبوں کے درمیان سیاسی مناقشت اور بدگمانیوں کو ہوا دی۔ ملک کے اس غیر صحت مندانہ سیاسی ماحول نے آئین سازی کے نازک اور مشکل مرحلے کو مزید دشوار بنا دیا۔ آئین سازی کے حوالے سے صوبوں کے اختلافات کا محور یہ چار نکات تھے۔ وفاقی مقننہ میں علاقائی نمائندگی کی شرح، مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم، قومی زبان اور طرز انتخاب۔ ان مسائل نے پاکستان کی سیاست میں صوبائیت کے رجحانات کو غیر معمولی طور پر فروغ دیا۔ یہاں تک کہ لیاقت علی خان کو پاکستان بننے کے صرف تین سال بعد دستور ساز اسمبلی کے اراکین سے اپیل کرنا پڑی کہ وہ صوبائیت کے رجحان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ [۳۲]

دستور سازی کا کام BASIC PRINCIPLES COMMITTEE کے سپرد کیا گیا جس نے ۱۹۵۰ء میں اپنی عبوری رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں ایک دو ایوانی مقننہ کی تجویز پیش کی گئی تھی جس کے ایوان بالا میں صوبوں کو مساویانہ اور ایوان زیریں میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی گئی تھی۔ مشرقی پاکستان میں اس رپورٹ پر شدید احتجاج کا اظہار کیا گیا۔ بنگالیوں کا خیال تھا کہ ان کی عددی اکثریت مقننہ کے مشترکہ اجلاس میں اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی اور یوں "مشرقی بنگال مغربی پاکستان کی نوآبادی بن کر رہ جائے گا۔" [۳۳] ڈھاکہ میں سیاسی کارکنوں کا ایک

۳۱۔ رونق جہاں۔ ص۔ ۳۸

32. Constituent Assembly of Pakistan, Debates, Vol. 1 (2 March 1948). p. 140.

۳۳۔ ایضاً۔ ۸ اور ۲۱، نومبر ۱۹۵۰ء۔ ملاحظہ ہو تقریر نور احمد۔

Marfat.com

کنونشن طلب کر کے رپورٹ کی مخالفت کے لیے عوام کو متحد کرنے کے لیے ایک ایکشن کمیٹی تشکیل دی - اس کمیٹی نے پورے مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے احتجاجی مظاہروں کی رپورٹ کے خلاف رائے عامہ ہموار کی اور متبادل آئینی تجاویز ترکیب دیں - جن کی منظوری فروری ۱۹۵۰ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے گرینڈ نیشنل کنونشن میں دی گئی - ان تجاویز کے تحت مرکز کو صرف دفاع اور امور خارجہ کے شعبے تفویض کیے گئے تھے اور ان شعبوں میں بھی اس کے اختیارات بعض شرائط کے تابع تھے - وفاقی حکومت کو صرف بعض مخصوص اشیاء پر ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا تھا۔[۳۴] ان تجاویز نے مستقبل میں صوبائی خودمختاری کے تمام مطالبات کی اساسی دستاویز کا کام کیا۔ اہل مشرقی پاکستان کے احتجاج کے نتیجے میں بی پی سی عبوری رپورٹ واپس لے لی گئی۔

دسمبر ۱۹۵۲ء میں وزیر اعظم ناظم الدین نے بی پی سی کی ایک اور رپورٹ تیار کی - اس رپورٹ میں دونوں حصوں کو پیریٹی کی بنیاد پر نمائندگی دی گئی تھی - اب اس رپورٹ کو پنجاب نے اس بناء پر مسترد کر دیا کہ اس طرح مرکز پر بنگالیوں کی بالادستی قائم ہو جائے گی - اس کے بعد محمد علی بوگرہ نے اپنا فارمولا پیش کیا - یہ فارمولا بھی پیریٹی کے اصول پر مبنی تھا - اس میں صوبوں کو ایوان بالا میں برابری اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیادوں پر نمائندگی دی گئی تھی اس فارمولے کا مقصد مقننہ کے مشترکہ اجلاس میں دونوں حصوں کے درمیان پیریٹی قائم کرنا تھا - اس فارمولے کے مضمرات کے پیش نظر پنجاب کے نمائندوں نے مطالبہ کیا کہ مغربی پاکستان کے صوبوں کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ کوئی خطہ کسی چھوٹے صوبے کے ساتھ مل کر دوسرے پر مستقل بالادستی قائم نہ کر سکے - یہ تجویز بنگالیوں کے لیے قابل قبول نہیں تھی کیونکہ ان کے خیال میں اس کا مقصد "ملک کے باقی حصہ کو ان کے خلاف متحد کرنا تھا"۔[۳۵] ۱۹۵۳ء میں محمد علی نے وزارت عظمیٰ کا منصب

---

۳۴ :- بحوالہ رونق جہاں ، ص - ۴۳

35. Donald Lokhart Atwell, op. cit., p. 269.

Marfat.com

سنبھا لنے کے بعد بنگالی رہنماؤں کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا یہ سمجھوتہ مغربی پاکستان کے درمیان پیریٹی اور علاقائی خود مختاری پر مبنی تھا۔ یہی وہ سمجھوتہ تھا جس نے ۱۹۵۶ع کے آئین کی منظوری کی راہ ہموار کی مگر اس وقت تک علاقائیت پاکستانی سیاست میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔

ادھر معاشی میدان میں مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کہیں پیچھے تھا۔ یہ معاشی پسماندگی ماضی کا ورثہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی حد تک غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ بھی تھی۔ قیام پاکستان سے پہلے مشرقی پاکستان کی معیشت کلکتہ سے وابستہ تھی۔ یہاں کی بنیادی فصل پٹ سن تھی جس کی تیاری کے لیے کارخانے اور برآمدی بندرگاہ کلکتہ میں واقع تھی۔ آزادی کے بعد مشرقی پاکستان میں پٹ سن کا کوئی کارخانہ موجود نہیں تھا۔ دوسری طرف اسے اپنی برآمدات کے لیے چٹا گانگ کی غیر معیاری بندرگاہ پر انحصار کرنا پڑا[۳۶]۔ بنگالیوں کو یہ رنج بھی تھا کہ اگرچہ ملک کے زرمبادلہ آمدن کا ۶۰ سے ۸۰ فیصد تک کا حصہ پٹ سن کی برآمد سے حاصل ہوتا ہے تاہم اس کی بڑی مقدار مغربی پاکستان پر صرف کی جاتی ہے[۳۷]۔ بعض اندازوں کے مطابق ۱۹۴۷ع - ۴۸ع اور ۱۹۵۹ - ۶۰ع کے دوران سرکاری شعبے میں مشرقی پاکستان میں ۲۷۵۰ ملین روپے خرچ کئے گئے جبکہ اس عرصہ میں مغربی پاکستان میں ان اخراجات کا اندازہ ۸۰۱۷ ملین روپے تھا۔ نجی شعبے میں کل ترقیاتی اخراجات کا بمشکل ۲۰ فیصد حصہ مشرقی پاکستان میں صرف کیا گیا۔

معروف ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق کے مطابق پنج سالہ منصوبوں کے دوران اور ان سے پہلے کے عرصے میں وسائل کی بڑی مقدار مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان میں منتقل ہوتی رہی۔ اوّل الذکر عرصے میں انتقال پذیر ہونے والے ان وسائل کی مالیت ۱۰۰ ملین اور موخر الذکر عرصہ میں ۲۱۰ ملین روپے تھی دوسرے لفظوں میں مشرقی پاکستان کی حقیقی دولت پنج سالہ منصوبوں

36 · Hugh Tinker, India and Pakistan: A Political Analysis, p. 71.

۳۷:۔ بحوالہ قمرالدین احمد - ص - ۱۵۳

Marfat.com

کے دوران ۱٪ اور منصوبوں کے پہلے کے عرصے میں ۲٪ کی شرح سے مغربی پاکستان اڑا لے جاتا رہا۔ علاوہ ازیں دونوں صوبوں کے درمیان تجارت کا توازن بھی ہمیشہ مشرقی پاکستان کے حق میں غیر موافق رہا۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان مشرقی پاکستان کے لیے مغربی پاکستان کی برآمدات کی مالیت مشرقی پاکستان سے ہونے والی برآمدات سے ۹۰۹ ملین روپے زیادہ تھیں۔[38] ان اعداد و شمار کے بالکل درست ہونے پر شک کیا جا سکتا ہے۔ تاہم انہیں سرے سے مسترد کرنا ممکن نہیں۔

یہ امر بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ مرکزی حکومت نے مشرقی پاکستان کی معاشی ترقی کی بجائے مغربی پاکستان میں صنعتوں کے قیام میں زیادہ دلچسپی لی۔ تاہم مرکزی حکومت کے فیصلے کے کئی اسباب تھے۔ اولاً مغربی پاکستان میں مختلف النوع صنعتوں کے لیے خام مال پیدا ہوتا تھا۔ خاص طور پر کپڑے کی اہم صنعت کے لیے کپاس کی پیداوار ملک کے اسی حصے سے مخصوص تھی۔ ثانیاً ۱۹۴۷ء میں بھارت سے ہجرت کرنے والے تقریباً تمام مسلمان سرمایہ دار مغربی پاکستان میں آباد ہوئے اور انہوں نے ملک کے مشرقی حصے میں سرمایہ کاری سے گریز کیا۔ مغربی پاکستان میں سرمایہ کاروں کی کل تعداد کا ۸۳ فیصد حصہ ایسے ہی مہاجرین پر مشتمل تھا۔[39] اس کے برعکس ہندو سرمایہ کاروں کی ایک بڑی تعداد تقسیم کے وقت نقل مکانی کر کے بھارت چلی گئی۔ جس سے معیشت میں خلا پیدا ہو گیا۔ ثالثاً بھارت سے لاکھوں مہاجرین ہجرت کر کے مغربی پاکستان میں آباد ہوئے۔ جنہیں روزگار فراہم کرنا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں کراچی میں دارالحکومت کے قیام کا فیصلہ بھی مغربی پاکستان کی صنعتی ترقی کے فروغ کا باعث بنا۔ ادھر آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان میں بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ امریکی امداد اپنے ساتھ افراط زر لے کر آئی۔ جس کے نتیجہ میں معاشی صورت مزید بگڑ گئی۔ افلاس، بیماری اور

---

38. Statistical Bulletin, February 1959.

39. Economic Survey of East Pakistan, 1964-65 (Government of East Pakistan, Finance Department, Dacca), p. 8.

Marfat.com

بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی آفات نے مشرقی پاکستان کے دانشوروں کے اس پروپگنڈہ کے لیے سازگار فضا مہیا کردی کہ "مشرقی پاکستان کی جدوجہد نوآبادی بن کر زندہ رہنے سے انکار کا دوسرا نام ہے۔ بے شک ہم اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سیاسی طور پر آزاد ہو چکے ہیں۔ تاہم ہمیں اقتصادی آزادی ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔[40] ۱۹۵۶ء تک مغربی پاکستان کے عوام خصوصاً دانشور اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ صوبے کی اقتصادی پسماندگی علاقائی خودمختاری کے بغیر دور نہیں کی جاسکتی تعلیمی حلقوں اخبارات اور سیاسی جماعتوں کے پلیٹ فارموں سے ان خیالات کا عام اظہار کیا جاتا اور آخرکار علاقائی خودمختاری کی بحث ایک "عظیم قومی مناظرے" کی شکل اختیار کر گئی۔[41]

پاکستان خصوصاً ملک کے مشرقی حصّے میں مسلم لیگ کا کردار مایوس کن تھا۔ آزادی سے قبل اس جماعت نے ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی تھی اور اسے ان کی امنگوں کا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۴۵-۴۶ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے صوبائی اسمبلی کی ۹۶٫۷ فیصد مسلم نشستیں جیت کر بنگال میں شاندار فتح حاصل کی تھی۔[42]

مسلم لیگ اپنے شاندار ماضی اور نظریہ پاکستان کی علمبردار جماعت ہونے کی حیثیت میں قومی یکجہتی کا عظیم سرچشمہ ثابت ہو سکتی تھی مگر ہوا یہ کہ آزادی کے بعد اس کی قیادت خودغرض اور کوتاہ بین سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے اسے سازشوں کی آماجگاہ بنا دیا۔ مسلم لیگ کے اندرونی جوڑ توڑ اور اقتدار کی سیاست سے مایوس ہو کر پرانے کارکن اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور انہوں نے علیحدہ جماعتیں قائم کرلیں۔ مشرقی پاکستان میں اس کی

---

40. Muzaffar Ahmad, Why Regional Autonomy? (Pamphlet), pp. 1-19. Also see Hugh Tinker, op. cit., p. 71; and H. M. Habibullah's Report, The New Times, Rawalpindi, 19 March, 1971.

۴۱:- بحوالہ سفار اے کھنڈہ ص - ۱۶۴

۴۲ بحوالہ قمر الدین احمد۔ ص - ۷۰

Marfat.com

مقبولیت میں کمی کی بڑی وجہ عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے میں ناکامی تھی۔[۴۳] بنگالیوں میں یہ تاثر بھی جنم لے چکا تھا کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کا رویّہ مشرقی بنگال کی نسبت ہتک آمیز ہے اور یہ کہ ہم" بنگالی "کوئی مفتوح قوم ہیں اور ان کا تعلق فاتحین سے ہے"۔[۴۴] آزادی کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں مسلم لیگ اپنی گرفت کھو بیٹھی اور ۱۹۵۴ء کے عام انتخابات میں اسے افسوسناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرقی پاکستان میں سیاسی میدان سے مسلم لیگ کی رخصتی کے ساتھ قومی یکجہتی کا ایک اور نشان سرنگوں ہوگیا۔[۴۵]

مشرقی پاکستان کے بارے میں مرکزی حکومت نے ہمیشہ عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ جس کے نتیجے میں یہاں کے عوام کی بدگمانیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حکومت نے اس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی۔ حکمران پارٹی دستور ساز اسمبلی کے بنگالی اراکین کی شکایات اور مطالبات سے صرف نظر کرتی رہی۔[۴۶] اکثر پالیسیاں نوکر شاہی کے ہاتھوں تشکیل پاتیں جسے مشرقی پاکستان کے مسائل کا بہت کم ادراک حاصل تھا۔ صوبے کے لیے، گورنروں اور وزرا کا انتخاب کرتے ہوئے حکمران طبقہ عوامی نمائندوں کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھتا۔ مشرقی پاکستان کے عوام کا خیال یہ تھا کہ بعض بنگالی وزراء اعظم اور گورنر جنرل ان کے حقیقی ترجمان نہیں تھے۔ مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ اور پاکستان کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے بنگالی عوام کی حالت بہتر بنانے میں شاید ہی کوئی کردار ادا کیا ہو ان کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں "قومی وقار زبوں حالی کا شکار

۴۳:۔ بحوالہ ایچ ایم حبیب اللہ۔

44. Constituent Assembly of Pakistan, debates, Vol. I, 7 September 1955, p. 530. Speech by Ataur Rehamn Khan.

۴۵:۔ تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب "مسلم لیگ کا دور حکومت" لاہور۔ ۱۹۸۶ء

۴۶:۔ مصنف کا نورالامین مرحوم (وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان ۱۹۴۸ء۔ ۵۴ء) کے ساتھ انٹرویو۔ مزید ملاحظہ ہوں تقاریر شمس الدین کھندکھر، روداد قانون ساز اسمبلی مشرقی بنگال، جلد III ۱۶ مارچ ۱۹۴۹ء۔ ص ۶۴۔۶۵۔

Marfat.com

ہوگیا۔ صوبائیت کو فروغ ملا۔ علاقائی مفادات نے قومی نقطۂ نظر پر غلبہ حاصل کرلیا۔ سیاسی طور پر انہوں نے جمود کی فضا کو جنم دیا[47] اور بقول زیڈ اے سلہری ان کی پالیسیوں نے "ملک کو افسوسناک طور پر تقسیم کردیا"[48] ان کے جانشین محمد علی بوگرہ تو مشرقی پاکستان کے عوام کے منتخب نمائندے بھی نہیں تھے اسی طرح دستور ساز اسمبلی کے مختلف بنگالی رکن یا تو مشرقی پاکستان کے باشندے نہیں تھے یا پھر عوام سے اپنا رابطہ منقطع کرچکے تھے۔ بنگالیوں کے ذہنوں میں یہ یقین واضح ہوچکا تھا کہ وہ ملکی معاملات میں کبھی بھی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کرسکتے۔ ناظم الدین گورنر جنرل کے ہاتھوں برطرف ہوئے۔ محمد علی بوگرہ اپنے اقتدار کے دوران تمام عرصہ اس مغربی پاکستانی ٹولے کے اسیر رہے جس نے انہیں حکومت کے ایوان تک پہنچایا تھا۔ بنگالی اراکین اسمبلی نے اپنی عددی قوت کے بل بوتے پر گورنر جنرل کے اختیارات کو محدود کرنا چاہا مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنر جنرل نے اسمبلی ہی کو برطرف کرنے کا اعلان کردیا۔ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی شکست کے بعد تقریباً ایک سال تک مغربی پاکستانی افسر شاہی کی حکمرانی رہی، یہ تھا وہ انداز نظر جس سے اکثر بنگالیوں کی اکثریت پاکستان کے پہلے دس برسوں کی تاریخ کو دیکھتی تھی[49]۔ ۷۹ اراکین پر مشتمل ملک کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستانیوں کی ۴۴ نشستیں تھیں اور یوں انہیں اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی۔ خواجہ ناظم الدین اور دوسرے بنگالی راہنما ایک سیاسی سمجھوتے کے نتیجے میں مزید نصف درجن نشستیں مغربی پاکستان کے حوالے کرنے پر رضامند ہوگئے اس طرح اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہوگئی۔ سر ناظم الدین نے یہ ایثار کرتے ہوئے اپنے صوبے کے عوام کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھا۔[50] ان تمام عوامل نے بنگالیوں کے احساس محرومی کو فروغ

47. Z. A. Suleri, Politicians and Ayub, pp. 45-46.

48. ایضاً - ص ۶۸

49. Keith Callard, op. cit., p. 173.

50. بحوالہ قمر الدین احمد ص ۱۰۶

Marfat.com

دیا اور یوں مشرقی پاکستان میں علاقائی رجحانات مستحکم ہوتے چلے گئے۔

مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی جگہ سنبھالنے والی بیشتر سیاسی جماعتیں علاقائی حیثیت کی حامل تھیں ان جماعتوں میں سہروردی اور مولانا بھاشانی کی عوامی لیگ اور فضل حق کی کرشک سرامک پارٹی کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ عوامی لیگ نے بہت جلد ایک عوامی تحریک کا مقام حاصل کر لیا۔ عوامی لیگ کی قیادت نے تحریک پاکستان کے دوران فعال کردار ادا کیا۔ ثانیاً بنگالی کو ملک کی سرکاری زبان بنانے کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کا سہرا اسی جماعت کے سر تھا۔ ثالثاً عوامی لیگ ایک ترقی پسند جماعت کے طور پر متعارف تھی جبکہ مسلم لیگ کو مغربی پاکستان کے مفادات کا پاسدار سمجھا جانے لگا تھا۔ رابعاً عوامی لیگ علاقائی مفادات کی پرجوش علمبردار تھی اور اس کے پروگرام میں عوام کے لئے غیر معمولی کشش موجود تھی۔ عوامی لیگ کا وعدہ تھا کہ وہ بنگالیوں کو مغربی پاکستانیوں کے شکنجے سے آزاد کرا کے دم لے گی۔ خالصاً ایک سیکولر پارٹی کی حیثیت میں اسے غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کی، جو سیاسی اور معاشی میدان میں غیر معمولی اثر و رسوخ کے حامل تھے، بھرپور امداد میسّر آ گئی۔ ان عوامل کی بنا پر عوامی لیگ طالب علموں اور بائیں بازو کے عناصر کی ہر دلعزیز سیاسی جماعت بن گئی اور یہی دو طبقے مشرقی پاکستان کی سیاست کی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ عوامی لیگ، کرشک سرامک پارٹی، نظام اسلام پارٹی اور گانا تانتری عادل پر مشتمل یونائیٹڈ فرنٹ نے ۲۱ نکات پر مبنی "منشور آزادی" کے انتخاب میں حصّہ لیا۔ انتخابی مہم کے دوران یونائیٹڈ فرنٹ نے عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لیے علاقائیت کا پرچار کیا اور مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کو ہوا دی۔[۱۵] مشرقی پاکستان مسلم لیگ اس پروپیگنڈہ کا مقابلہ نہ کر سکی، چنانچہ اسے ہزیمت آمیز شکست ہوئی اور وہ

۱۵:۔ سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک۔ ص ۴۱۴

۳۰۹ میں سے صرف ۹ نشستیں حاصل کر سکی - وزیر اعلیٰ سمیت تمام صوبائی وزیروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا - نئی قیادت کا نقطۂ نظر غیر معمولی طور پر متعصبانہ اور علاقائی رجحانات کا حامل تھا - مغربی پاکستان میں یونائیٹڈ فرنٹ کی کوئی سیاسی بنیاد موجود نہیں تھی اور اس کے لئے قومی قیادت کا منصب حاصل کرنا ممکن نہیں تھا - قومی نقطۂ نظر کی حامل قیادت کا فقدان ملکی یکجہتی کے عمل کے حق میں غیر معمولی طور پر مضر ثابت ہوا اور یوں پاکستان کی سیاست صوبہ پرستی کا شکار ہو کر رہ گئی -

انتخابات کے بعد صوبے میں صنعتی بدامنی بلوؤں، مظاہروں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا - اس سے بیشتر یونائیٹڈ فرنٹ انتخابات کے دوران طبقاتی تضادات اور بنگالی اور غیر بنگالی کے مسئلے کو ہوا دینے کی شعوری کوششیں کر چکا تھا[۵۲] چنانچہ صوبے میں کئی مقامات پر انتظامیہ اور مزدوروں یعنی بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے درمیان خوفناک تصادم ہوئے جن میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے - ان فسادات سے چند روز بیشتر مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ فضل حق نے کلکتہ کا دورہ کیا - انہوں نے وہاں رائٹر اور نیوٹائمز کے نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی بنگال کے مسائل کا حقیقی حل آزادی ہے[۵۳] بعض اخباری اطلاعات کے مطابق اپنے اعزاز میں منعقد ہونے والے ایک استقبالیہ میں انہوں نے کہا کہ "ہمیں یقین ہے کہ ہم مشترکہ زبان اور ثقافت کے رشتوں میں بندھے ہوئے دونوں بنگالوں کے درمیان قائم کی جانے والی مصنوعی حد بندیوں کو دور کر دیں گے"[۵۴] یہ بیانات یونائیٹڈ فرنٹ کے علاقائی خود مختاری کے نظریے کے بارے میں خدشات کا باعث بنے - بعد میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے نتیجہ میں فضل حق کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان میں گورنر راج نافذ ہو گیا -

---

۵۲:- اردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۷۱ء - ص - ۴۰

۵۳:- دی نیویارک ٹائمز ۲۳ مئی ۱۹۵۴ء، مزید ملاحظہ ہو - ایم رفیق افضل "پولیٹیکل پارٹیز ان پاکستان" ص ۱۳۳

54. "Pakistan: Problems of Partition", Round Table, Vol. XLIX, No. 176 (September 1954), p. 401.

Marfat.com

نامزد گورنر سکندر مرزا نے کمیونسٹ پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا، اخباروں پر سنسر لگا دیا گیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ اس موقع پر شر پسندوں کی بہت بڑی تعداد بھارت فرار ہو گئی۔ مرکزی حکومت کی طرف سے یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کی برطرفی اس بنا پر عمل میں لائی گئی تھی کہ وہ "ملک کی یکجہتی کے خلاف سرگرم عمل تھی"[۵۵]۔ بنگالی وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے فضل حق کو غدار قرار دیتے ہوئے الزام عائد کیا کہ وہ "مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے سازشوں میں مصروف تھے"[۵۶]۔ اگرچہ گورنر راج کا نفاذ صوبے کی سیاسی صورت حال کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ مگر بنگالی قوم پرستوں نے اسے مرکز اور مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کیا۔ ان کے پروپیگنڈہ کا نچوڑ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی جمہوری حکومت کی برطرفی دراصل مرکز جس پر مغربی پاکستان افسر شاہی اور سیاستدانوں کا غلبہ ہے، کی گہری سازش کا شاخسانہ ہے۔

اگست ۱۹۵۵ء میں چوہدری محمد علی نے وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالا۔ اس وقت تک گورنر جنرل کا عہدہ غلام محمد کے پاس تھا۔ چوہدری محمد علی اپنی ذاتی خوبیوں کی بنا پر قومی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تاہم ان کی تعیناتی ایک مسلمہ روایت کو پس پشت ڈالتے ہوئے عمل میں لائی گئی تھی۔ اب تک ہوتا یہ آیا تھا کہ وزیر اعظم اور گورنر جنرل میں سے ایک مشرقی پاکستان اور دوسرا مغربی پاکستان سے لیا جاتا تھا۔ محمد علی کی تعیناتی نے مشرقی پاکستان میں شدید ردِ عمل کو جنم دیا اور عوامی لیگ سے متعلق تمام اراکین دستور ساز اسمبلی نے جن کی تعداد ۱۲ تھی نے ایک بیان میں کہا کہ اس تعیناتی نے مشرقی پاکستان کے عوام کا اعتماد ہلا کر رکھ دیا ہے[۵۷]۔ ادھر مشرقی پاکستان میں یونائیٹڈ فرنٹ کے ابو حسین سرکار کو جنہیں

---

[۵۵] بحوالہ رونق جہاں، ص ۔ ۴۷ ۔ مزید ملاحظہ ہو "دی ڈان" ۳۱۔ مئی ۱۹۵۴ء

[۵۶] "دی ڈان" ۔ ۳۱ مئی ۱۹۵۴ء

57. Syed Shabbir Hussain, The Lengthening Shadows, p. 136.

اسمبلی میں اکثریت حاصل نہیں تھی۔ وزارت بنانے کی اجازت دے کر ایک اور بے انصافی کی بنا ڈالی گئی۔ ابوحسین کی وزارت تقریباً چھ ماہ تک قائم رہی اور اس عرصے میں وہ اسمبلی میں بجٹ تک پیش نہ کر سکے[58] دریں اثنا ایوان کی سب سے بڑی پارٹی عوامی لیگ سرکار وزارت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کر چکی تھی۔ ان متحارب گروپوں کے درمیان طاقت کا توازن غیر مسلم اراکین کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے صورت حال سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اسی باعث وہ آئینی بل میں اپنی مرضی کے مطابق ترمیم کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں چوہدری محمد علی نے فضل حق کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا اور بجٹ کی مدت میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا اس طرح سرکار وزارت کو ایوان کا سامنا کئے بغیر اقتدار میں رہنے کا موقع مل گیا۔ دوسری طرف عوامی لیگ کے راہنما ہر ممکن شرائط پر اقلیتی نمائندوں کی حمایت حاصل کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء کو بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر نے کانگرس کے اراکین کو عشائیہ پر مدعو کیا جہاں سرکار وزارت کی حمایت چھوڑ کر عوامی لیگ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ بھارتی سفارت کار کے ایماء پر کیا گیا تھا۔[59] یہ واقعہ اس حقیقت کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ اس وقت جب پاکستانی راہنما سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ بھارتی حکومت ایک اقلیت کے ذریعے پاکستان کی سیاست میں عملی طور پر دلچسپی لے رہی تھی۔ پاکستانی قیادت بھارت کے عزائم سے مکمل طور پر بے خبر تھی۔

ستمبر ۱۹۵۶ء میں سہروردی کو مرکز میں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ مشرقی پاکستان میں سرکار کی جگہ عوامی لیگ کے پارلیمانی راہنما عطاء الرحمٰن نے وزارت اعلیٰ کا منصب سنبھالا۔

---

[58]:۔ بحوالہ قمر الدین احمد ص ۔ ۱۴۲

[59]:۔ اس امر کا انکشاف ابوحسن سرکار نے ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا۔ بحوالہ سید نور احمد ص ۴۵۴

جس نے مرکز اور مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں وقتی طور پر احساس شمولیت کو جنم دیا۔ کابینہ میں مغربی پاکستان کی نمائندہ جماعت ری پبلکن کے پاس صرف چار محکمے تھے جبکہ اس کے مقابلے میں تنہا سہروردی کے پاس سات محکموں کا انتظام تھا۔ سہروردی ایک تجربہ کار سیاستدان تھے اور انہوں نے ایک مختصر دور حکومت میں کمال سیاسی فراست کا ثبوت دیتے ہوئے بعض متنازعہ مسئلوں کا تصفیہ کیا۔ ان میں سے ایک اہم مسئلہ طرز انتخاب کا تھا۔[60] اسی طرح سہروردی نے دونوں صوبوں کے لیے زرمبادلہ کی یکساں مقدار مخصوص کر دی۔ اس فیصلہ پر مغربی پاکستان میں تنقید کی گئی تاہم بنگالی اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی پسماندگی دور کرنے کے لیے انقلابی اقدامات کئے جائیں۔ سہروردی کے اس اعلان کے باوجود ۱۹۵۶ء کے آئین میں ۹۸ فیصد خود مختاری فراہم کر دی گئی ہے۔ مولانا بھاشانی نے اس مسئلہ کو پورے زور شور سے اٹھایا۔[61] ان کا موقف تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام صوبائی خود مختاری کے مسئلہ پر مکمل طور پر متحد ہیں۔[62] ان کی مہم کے نتیجے میں مشرقی پاکستان اسمبلی میں ہونے والی ہر بحث کی تان صوبائی خود مختاری کے مسئلہ پر آکر ٹوٹتی۔ اپریل ۱۹۵۷ء میں مشرقی پاکستان کی اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں کرنسی، دفاع اور امور خارجہ کے سوا تمام محکمے صوبوں کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[63] قرارداد کے محرک منظفر احمد کی تقریر بنگال کے سیاسی دانشوروں کی سوچ کی صحیح عکاس تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مشرقی پاکستان کو استحصال مسلسل کا نشانہ قرار دیا۔[64]

---

[60]:۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی کے فارمولے کے مطابق مشرقی پاکستان میں مخلوط اور مغربی پاکستان میں جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا (ڈان) ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۴ء) لیکن اپریل ۱۹۵۷ء میں ملک کے دونوں حصوں کے لیے مخلوط انتخابات کا قانون بنا دیا گیا۔ قومی اسمبلی رو داد جلد III ۲۹ر اگست ۱۹۵۷ء ص ۴۳۳

[61]:۔ پارٹی کی کونسل کے اجلاس میں سہروردی کی تقریر (فروری ۱۹۵۷ء)

[62]:۔ "ڈان" ۶ر مارچ ۱۹۵۷ء [63]:۔ دی نیویارک ٹائمز ۴ر اپریل ۱۹۵۷ء

[64]:۔ دی مارننگ نیوز۔ ۴ر اپریل ۱۹۵۷ء

Marfat.com

مغربی پاکستانیوں کی دلجوئی کے لیے سہروردی نے اس قرارداد کو "سیاسی سٹنٹ" قرار دیا۔ تاہم مجیب الرحمٰن سمیت ان کے ساتھیوں نے ان کی تائید سے انکار کر دیا۔ آخر کار مرکزی حکومت نے سہروردی کو اختیار دیا کہ وہ مشرقی پاکستان کے لیے خود مختاری کے تعین کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دیں۔ یہ کمیٹی کبھی معرض وجود میں نہ آسکی اور خود مختاری کا مسئلہ دقت کے ساتھ مزید گھمبیر ہوتا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں برطرفی سے بچنے کے لیے سہروردی کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس موقع پر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ سہروردی کا استعفیٰ مغربی پاکستانیوں کے مخصوص مفادات کا شاخسانہ ہے کیونکہ وہ مشرقی پاکستان میں صنعتوں کے قیام اور بڑی تعداد میں زرمبادلہ کی تخصیص پر ان سے ناراض تھے۔[۶۵]

۱۹۴۷ء کے بعد ہندو بھارت کو غذائی اجناس، سونے اور دیگر اشیاء کی وسیع پیمانے پر سمگلنگ کرتے رہے جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان کی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ سہروردی کے بعد چندریگر نے وزارتِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد سمگلنگ کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کا فیصلہ کیا اور انہوں نے بھارت کے ساتھ مشرقی پاکستان کی سرحدوں کو سیل کر دیا۔ اسمگلنگ کی مہم کے نگران جنرل امراؤ خان نے ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہر سال ۶۰ کروڑ روپے کا سرمایہ بھارت کو سمگل کر دیا جاتا ہے اور اس دھندے میں مشرقی پاکستان کانگرس کے اراکین اور بڑے بڑے سیٹھ ملوث ہیں اس خطاب کے بعد مذکورہ افراد کی ایک بڑی تعداد فرار ہو کر بھارت چلی گی۔[۶۶] سمگلنگ کے مسئلے کی سنگینی کے باوجود حکومت ہندوؤں کے دباؤ کے سامنے جھک گئی۔ دراصل مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے لیے کانگرس پارٹی کے بغیر حکومت چلانا ممکن ہی نہیں تھا اور کانگرس نے واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا تھا کہ اگر سمگلنگ کے خلاف فوجی کارروائی بند نہ کی گئی تو وہ عوامی لیگ کی حمایت سے دستبردار

۶۵: "ڈان" - ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء

۶۶: بحوالہ سید نور احمد - ص - ۴۹ - ۹۳

Marfat.com

ہو جائے گی۔[67] چنانچہ عوامی لیگ نے سہروردی کے توسط سے مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالا جس کے نتیجہ میں وزیراعظم چندریگر نے اپنے احکامات واپس لے لئے۔ یہ ایک واقعہ مشرقی پاکستان کے معاملات میں ہندوؤں کا اثرورسوخ اور عمومی طرزِ عمل بخوبی سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے۔

عوام جمہوریت کے نام پر حکومت میں آئے دن کی تبدیلیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں یہ جمہوری تماشا اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ ۳۱ مارچ کو فضل حق نے عطاء الرحمٰن کی وزارت کو برطرف کر دیا۔ فضل حق کا مؤقف یہ تھا کہ برسرِاقتدار وزارت کو ایوان کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں۔ سہروردی نے مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالا جس نے فضل حق کو بھی برطرف کر دیا۔ اس سے پیشتر کہ نیا گورنر حلف اٹھاتا۔ فضل حق نے ابوحسین سرکار کو وزیراعلیٰ کے طور پر نامزد کر دیا۔ اگلے بارہ گھنٹوں کے دوران ابوحسین سرکار کو بھی ان کے منصب سے ہٹایا جا چکا تھا اور عطاء الرحمٰن کی کابینہ دوبارہ اقتدار سنبھال چکی تھی۔ اقتدار کی اس تمام کشمکش میں نیشنل عوامی پارٹی نے ایک کے بعد دوسری وزارت کی حمایت اور پھر مخالفت کر کے انتہائی منفی کردار ادا کیا۔[68] ۱۸ جون ۱۹۵۸ء کو عوامی لیگ کی حکومت کو ایوان میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ نیپ نے حکومت کی حمایت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا۔ نیپ نے کرشک سرامک پارٹی کو مندرجہ ذیل شرائط پر اپنی حمایت کی پیشکش کی۔

۱۔ مخلوط طرزِ انتخاب

۲۔ "صوبائی خود مختاری" کے اصول پر غیر مشروط حمایت۔

۳۔ آزادانہ خارجہ پالیسی

۴۔ وحدت مغربی پاکستان کا خاتمہ

---

[67] ۔ بحوالہ سید نور احمد۔ ص۔ ۴۹۔ ۹۳

68. M. Ayub Khan, Friends Not Masters, p. 65.

Marfat.com

۵- یونائیٹڈ فرنٹ کے ۲۱ نکات پر عمل درآمد۔[۶۹]

۲۰ رجون کو ابو حسین سرکار نے حکومت تشکیل کی مگر اس کا اقتدار چند روزہ ثابت ہوا۔ نیپ ایک بار پھر سرکار حکومت سے دستبردار ہوگی اور اس نے عوامی لیگ کے ساتھ پانچ نکات کی بنیاد پر معاہدہ کر لیا۔ ۲۳ رجون کو سرکار وزارت کو شکست ہوئی۔ مشرقی پاکستان کی سیاسی صورت حال اتنی غیر مستحکم اور بے معنی ہو چکی تھی کہ ۲۴ رجون کو صوبے میں صدارتی راج نافذ کر دیا گیا اور وزارت اور اسمبلی دونوں کو برطرف کر دیا گیا۔

عوامی لیگ کی حکومت نے ۱۹۵۸ء میں دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد اسمبلی میں سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی۔ سپیکر نے تحریک کے خلاف رولنگ دیتے ہوئے اجلاس برخواست کرنے کا اعلان کیا اور خود ایوان سے غائب ہوگیا۔ عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی کے اراکین کے درمیان تند و تیز جملوں کے تبادلے نے جھگڑے کی شکل اختیار کرلی۔ ایوان میں کرسیاں چلنے لگیں۔ ستمبر میں اسمبلی کا اجلاس دوبارہ طلب کیا گیا مگر متحارب گرد ہوں کے جذبات کی مدت بدستور قائم تھی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد ایوان میدان کارزار کا منظر پیش کرنے لگا۔ اراکین اسمبلی کا یہ مجادلہ ڈپٹی سپیکر شاہد علی کی ہلاکت پر منتج ہوا۔[۷۰] ادھر مغربی پاکستان میں بھی مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے درمیان رسہ کشی اپنے رنگ دکھا رہی تھی۔

عوام سیاسی راہنماؤں کو کافی عرصے سے مرکز اور صوبوں میں ایک ہی کھیل میں مصروف دیکھ کر تنگ آچکے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اقتدار ایک مطلق العنان گروہ کی جاگیر بن چکا ہے۔ سیاسی عدم استحکام کے نتیجہ میں ملک کی اقتصادیات تیزی سے متاثر ہو رہی تھی۔ اسے تاریخ کی ستم ظریفی کہا جا سکتا ہے کہ حکمران ٹولے کی اکثریت کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔

---

[۶۹]:- بحوالہ سید نور احمد۔ ص ۵۰۳

[۷۰]:- ـــــ ایضاً ـــــ

Marfat.com

اس ٹوٹے کی ہوس اقتدار اور محلاتی سازشوں نے دونوں صوبوں کو یکساں طور پر نقصان پہنچایا۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لا کے نفاذ کے بعد جنرل محمد ایوب خان نے صدارت کا منصب سنبھالا۔ انہوں نے سیاستدانوں کو پارلیمانی نظام کی ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا مگر بنگالی سیاستدانوں کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دراصل ملک میں پارلیمانی جمہوریت کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ صدر سکندر مرزا نے مرکز اور مشرقی پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز سرکاری افسروں کے ساتھ مل کر پارلیمانی حکومت کے کام میں مسلسل دخل اندازی کا عمل جاری رکھا۔[لے]

سکندر مرزا اور ان کے دوستوں نے مغربی پاکستان میں بھی اس انداز سے جمہوری عمل میں مداخلت کی اور عجیب اتفاق ہے کہ سکندر مرزا کے مددگار تمام سول سرونٹ مغربی پاکستان سے متعلق تھے یا یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حکمرانوں کے اعمال کا نتیجہ دونوں صوبوں کے عام آدمی کو بھگتنا پڑا اور کوئی بھی اہل نظر پارلیمانی جمہوریت کی ناکامی کے ذمہ دار افراد کو ملک کا بہی خواہ قرار نہیں دے سکتا۔

پارلیمانی جمہوریت کا یہ دور سیاسی عدم استحکام اور آئینی بحران کا دور تھا۔ اس تمام عرصہ میں ملکی سیاست صوبائی قیود سے باہر نہ نکل سکی اور اس دوران علاقائی خود مختاری، لسانی تنازعات اور معاشی تفاوت کو اس کے بنیادی موضوعات کی حیثیت حاصل رہی۔ ان تمام عوامل اور اقتدار کے ڈھانچے میں مشرقی پاکستان کی عدم شرکت کے نتیجہ میں بنگالیوں میں جنم لینے والے احساس محرومی نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں سیاسی اختلافات کو ہوا دی۔ انتخابات کے ذریعے قومی یکجہتی کے عمل کو تیز کیا جا سکتا تھا۔ مگر فوج اور نوکر شاہی کے حکمران گروہ نے ان کے انعقاد کے امکانات ہی معدوم کر دیئے۔ بدقسمتی سے حکمرانوں کو اندازہ ہی نہ

لے:۔ بحوالہ خالد بن سعید۔ ص ۱۹۳

Marfat.com

ہو سکا کہ ملک کے سیاسی مسائل کا حل فوجی طرز حکومت کی بجائے جمہوری عمل کے فروغ اور سیاسی اداروں کی بالادستی میں مضمر ہے۔ ایسے جمہوری ادارے جن میں عوام کو موثر شرکت کا احساس حاصل ہو اور وہ سمجھیں کہ وہ اپنی تقدیر کے خود مالک ہیں۔ عوام نے اس خواب کی تکمیل کیلئے پاکستان بنایا تھا اور یہی احساس مضبوط پاکستان کی ضمانت تھا۔ جب یہ احساس کمزور ہوا تو ملک کی بنیادیں بھی کمزور ہوتی چلی گئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۲

خلیج پھیلتی گئی (۶۹ - ۱۹۵۸ء)

ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ پر سیاسی عدم استحکام، بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں اور اقتصادی بدحالی کے ستائے ہوئے عوام نے سکھ کا سانس لیا تاہم مشرقی پاکستان کے بعض حلقوں نے اسے مشرقی پاکستان کے خلاف مغربی پاکستان کی سازش قرار دیا۔ ان حلقوں کا موقف یہ تھا کہ اگر جمہوری عمل منقطع نہ ہوتا تو ملک کی اقتصادی زندگی اور انتظامیہ پر مغربی پاکستان کے جاگیرداروں کی گرفت بتدریج ختم ہوجاتی اور بنگالی بالآخر اپنا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے،[ل] مگر مارشل لاء کے نفاذ سے عام انتخابات جن کے نتیجہ میں بنگالی اپنا حق نمائندگی حاصل کر سکتے تھے کے امکانات معدوم ہو کر رہ گئے ہیں انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ انقلاب کے تار پود مغربی پاکستان میں تیار کئے گئے تھے اور اس کی منصوبہ سازی غیر بنگالیوں نے کی تھی۔ مزید برآں ان حلقوں کے مطابق "حکومت پر قابض ہونے والے افراد وہی ہیں جو موجودہ سیاسی نظام کا حصہ رہے ہیں اور ان کی جڑیں اس نظام میں بہت گہری ہیں۔ فوج مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے بھی ایک طویل عرصے سے نوکر شاہی کے ساتھ مل کر ملک کے سیاہ و سفید پر قابض طبقے کے ایک خاموش حصہ دار کا کردار ادا کر

ل Jamna Das Akhtar, The Saga of Bangladesh, p. 120.

Marfat.com

رہی تھی[۲] - چنانچہ قومی زندگی سے سیاستدانوں کی رخصتی نے اہل بنگال کی سیاسی محرومی کے احساس کو مزید دوچند کر دیا - ایوب خان کی طاقت کا سرچشمہ فوج، نوکر شاہی اور جاگیردار طبقہ تھا - ادھر بعض ٹھوس تاریخی وجوہ کی بنا پر مشرقی پاکستان کو ان تینوں طبقات میں بہت کم نمائندگی حاصل تھی - بنگالی ایوب خان کے مضبوط مرکز کو ایک ناقابلِ عمل مفروضہ سے زیادہ حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے[۳] - ان کے نزدیک 'مضبوط مرکز' مرکزی حکومت پر مغربی پاکستان کی بالادستی کا دوسرا نام تھا -

ایوب خان نے دونوں صوبوں پر یکساں سختی سے حکمرانی کی - مغربی پاکستان میں ایک سخت گیر اور جابر جاگیردار نواب آف کالا باغ اور مشرقی پاکستان میں ریٹائرڈ انسپکٹر جنرل آف پولیس ذاکر حسین کی بطور گورنر تعیناتی ایوب خان کے آمرانہ عزائم ہی کی نشاندہی کرتی تھی - ذاکر حسین نے ایک پولیس افسر کا مخصوص رویہ اپناتے ہوئے مشرقی پاکستان میں داروگیر خوف وہراس اور گرفتاریوں کے سلسلے کا آغاز کر دیا اور کئی ممتاز سیاسی رہنماؤں پر پولیس کی قید میں جسمانی تشدد کیا گیا - پولیس کے تشدد کا نشانہ بننے والے ان زعما میں مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے سابق جنرل سیکرٹری شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ سے ہمدردیاں رکھنے والے معروف صحافی تفضل حسین ایڈیٹر روزنامہ اتفاق بھی شامل تھے - یہ دونوں بنگالی عوام کی محبوب شخصیتیں تھیں مگر اوّل الذکر پر ایک 'کمزور کنفیڈریشن' کے قیام کے پرچار اور موخرالذکر پر "صوبائیت کے رجحانات کو فروغ دینے والے مواد" کی اشاعت کا الزام تھا[۴] -

ایوب خان بنگالیوں کے جذبات سے بخوبی باخبر تھے اور انہیں اندازہ تھا کہ اگر صورتحال

---

۲ - بحوالہ رونق جہاں، ص - ۵۲

۳ - بحوالہ ایوب خان، ص ۵ - ۲۰۴

۴ Herbert Feldman, Revolution in Pakistan, p. 157.

Marfat.com

کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات نہ کئے گئے تو قومی یکجہتی کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر جائے گا انہوں نے دونوں صوبوں کے درمیان یکجہتی کے فروغ کے لئے اقدامات تجویز کرنے کے لیے ماہرین تعلیم اور نفسیات دانوں کی خدمات حاصل کیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے دونوں صوبوں میں قومی یکجہتی کی کونسلیں قائم کیں، بین الصوبائی وظائف کا اجراء کیا، افسروں کے بین الصوبائی تبادلوں کے احکامات جاری کئے اور ثقافتی طائفوں اور طالب علموں کے وفود کے بین الصوبائی دوروں کا اہتمام کیا۔ ایوب خان کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا اہم تھا کہ ۱۹۶۲ء کے آئین میں علاقائی تفاوت دور کرنے کے لئے خصوصی تصریح کی گئی تھی[۵] اور دستور میں باقاعدہ ایک ایسی شق رکھی گئی جس کے تحت تفاوت کو رفع کرنا حکومت کی آئینی ذمہ داری تھی مشرقی پاکستان میں صنعتوں کے فروغ سے متعلق ایوب خان کے دعوے صرف الفاظی نہیں تھے[۶] جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہونے والے دوسرے پنجسالہ منصوبے میں "مشرقی پاکستان کے عوام کی ضروریات اور امنگوں کی تکمیل کے لیے کوئی خصوصی حوالہ موجود نہیں تھا[۷]۔ فروری ۱۹۶۱ء میں ایوب خان نے منصوبے پر نظرثانی کا حکم دیا۔ جس کے بعد منصوبے کے ترقیاتی اخراجات کا رخ مشرقی پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا[۸] تیسرا پنجسالہ منصوبہ بھی اسی حکمت عملی کا عکاس تھا اس منصوبے میں سرکاری شعبے میں مشرقی پاکستان کے لئے ۱۶ سو کروڑ اور مغربی پاکستان کے لیے ۱۴ سو کروڑ روپے مختص کیے گئے تھے۔ ایک تخمینہ کے مطابق مجوزہ ترقیاتی اخراجات کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان کی علاقائی آمدنی میں ۴۰ فیصد اور مغربی پاکستان کی علاقائی آمدنی

---

۵ : آرٹیکل ۱۴۵ (۴)

۶ : ڈان - ۱۸ - فروری ۱۹۶۱ء

۷ : بحوالہ، ہربرٹ فیلڈمین، ص - ۱۵۹

۸ : بحوالہ، ہربرٹ فیلڈمین -

Marfat.com

میں ۳۵ فیصد کا اضافہ متوقع تھا۔[9]

اپنے پیش روؤں کی طرح ایوب خان نے بھی اسلام اور نظریہ پاکستان کو دونوں صوبوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کی ضمانت قرار دیا۔[10] ڈھاکہ یونیورسٹی کی جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ملک کے مشترکہ نظریے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

انہوں نے کہا کہ" ہم بنیادی طور پر ایک ہیں۔ ہمارا طرزِ حیات ایک جیسا ہے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہمارا مشترکہ نظریہ ہی ہمارے اتحاد کی بنیاد ہے"۔ مشرقی پاکستانی اس حقیقت کو تو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے کہ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں اسلام نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کو ایک مشترکہ بندھن میں باندھ دیا تھا، مگر ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ان کے طرزِ عمل سے صاف مترشح تھا کہ نظریے کی اس اتحاد آفرین قوت کی جگہ "افادیت پسندانہ اور اقتصادیات پر مبنی عوامل کارفرما ہو چکے ہیں"[11]، دوسرے الفاظ میں اب آئیڈیالوجی کی جگہ معاشیات لے چکی ہے۔ یہاں تک کہ مشرقی پاکستان کے وزیر خزانہ نے ایک بیان میں کہا کہ" یہ توقع رکھنا مناسب نہیں ہوگا کہ اسلام کی بنیادوں پر استوار ہمارا روحانی رشتہ اس قدر مستحکم ہوگا کہ ہم اپنی تمام تر اقتصادی ناہمواریوں کو فراموش کرتے ہوئے ایک یک جان اور متحد قوم کے طور پر زندہ رہ سکیں۔[12]

ایوب خاں اہلِ بنگال کے دلوں میں احساس محرومی کے سلگتے ہوئے جذبات کی تپش سے

---

[9]:- M. A. Mannan, Economic Problems and Planning in Pakistan, p. 131.

Mannan is a Bangladeshi.

[10] : دی پاکستان ٹائمز، ۲۲ جنوری ۱۹۶۰ء، ڈھاکہ یونیورسٹی میں کانووکیشن سے خطاب

[11] : دی پاکستان آبزرور۔ ۱۰ نومبر ۱۹۶۱ء

[12] : دی مارننگ نیوز۔ یکم جولائی ۱۹۶۵ء

Marfat.com

بے خبر نہ تھے مگر ان کی حکومت کی طرف سے دونوں صوبوں کے عوام کے درمیان افہام و تفہیم کے فروغ کے لیے کیے جانے والے تمام اقدامات غلط منصوبہ بندی اور اقربا پروری کا شکار ہو گئے۔ بین الصوبائی وظائف کی بڑی تعداد مستحق طلبار کو ملنے کی بجائے سفارشوں کی نظر ہو گی علاوہ ازیں طالب علموں کے وفود اور ثقافتی طائفوں کے تبادلے کے منصوبے نے بھی صوبوں کے درمیان افہام وتفہیم بڑھانے کی بجائے اُلٹا غلط فہمیوں کو جنم دیا مشرقی پاکستان سے آنے والے ان طائفوں اور وفود کے دورے مغربی پاکستان کے صرف بڑے شہروں تک محدود رہتے اور ان کے اراکین یہ تاثر لے کر واپس جاتے کہ مغربی پاکستان ملک کے مشرقی حصے سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہے۔ مشرقی پاکستان میں متعین کیے جانے والے مغربی پاکستانی افسر بھی دونوں صوبوں کے درمیان دُوری میں اضافہ کا باعث بنے۔ مقامی آبادی سے ان کا رویہ مغائرت پر مبنی تھا اور اس امر کی غمازی کرتا تھا۔ جیسے بنگالی ان کے ہم وطن ہونے کی بجائے کسی دوسری قوم کے باشندے ہوں[۱۳]۔ ایک ممتاز مغربی پاکستانی افسر نے اس رائے کی تائید کی ہے[۱۴]۔ ایوب خان کا دونوں صوبوں کے درمیان شادیوں کا منصوبہ بھی لسانی اور ثقافتی اختلافات کی بنا پر پروان نہ چڑھ سکا۔ قومی لسانی ہم آہنگی اور افہام و تفہیم کے فروغ کے لیے قائم کیے گئے قومی یکجہتی کے مراکز بنگالی قومیت کی جولانگاہیں بن کر رہ گئے۔ اقتصادی مساوات کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستانیوں نے اعلیٰ ملازمتوں اور افواج میں بھی برابر کے حصّہ کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ یہ مطالبات نئے نہ تھے مگر ان میں یہ شدت پہلی دفعہ دیکھی گئی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی پاکستانیوں

۱۳:- بحوالہ ایچ ایم جبیب رپورٹ، مصنف نہایت رنج کے ساتھ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہے کہ مشرقی پاکستان میں متعین بعض اعلیٰ مغربی پاکستانی افسروں کا رویہ برطانوی نوکر شاہی کے اراکین کے مماثل تھا۔

۱۴:- بحوالہ الطاف گوہر۔ ص ۔ ۱۷

Marfat.com

میں یہ احساس بیدار ہو چکا تھا کہ ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں سول سروس اہم کردار سرانجام دیتی ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ سیکرٹریٹ میں اعلیٰ اسامیوں پر بڑی تعداد میں فائز ہوئے بغیر عدم مساوات کو دور نہیں کیا جا سکتا۔[15] ۱۹۶۴ء تک بھی ملک کی سول سروس میں بنگالیوں کی پوزیشن یہ تھی کہ اعلیٰ عہدوں پر صرف دو بنگالی فائز تھے جو کہ قائم مقام سیکرٹریوں کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔[16]

اعلیٰ ملازمتوں کا مسئلہ ایک دیرینہ مسئلہ تھا اور اس کا حل طویل المدت منصوبہ کا متقاضی تھا۔ اگرچہ آزادی کے بعد صورتحال خاصی بہتر ہوئی تھی، لیکن بنگالی اس رفتار سے مطمئن نہیں تھے۔ چنانچہ سول سروس میں تفاوت دور کرنے کے لیے کوٹہ سسٹم کا اجرا کیا گیا اور ۲۰ فیصد میرٹ نشستوں کے علاوہ مشرقی پاکستان کے لیے چالیس[۴۰] فیصد نشستیں محفوظ کر دی گئیں۔ ۱۹۶۵ء تک کل پاکستان مقابلے میں ساٹھویں[۶۰] سے اسّی[۸۰] پوزیشن حاصل کرنے والا بنگالی امیدوار بھی سول سروس کے اعلیٰ کیڈر میں داخل کر لیا جاتا تھا جبکہ ۲۰ ویں پوزیشن کے بعد نمبر حاصل کرنے والے پنجابی امیدوار سول سروس سے محروم رہ جاتے۔ ۱۹۶۶ء میں ایوب خاں نے 'میرٹ' کا کوٹہ ختم کر دیا اور یہ ۲۰ فیصد نشستیں بھی مشرقی پاکستان کے لیے مختص کر دی گئیں۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے لیے نشستوں کی تعداد عملاً ۶۰ فیصد ہو گئی۔ یوں بھی ملازمتوں کے حوالے سے مشرقی پاکستانیوں کی صورت حال بتدریج بہتر ہو رہی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا انتخاب کرنے والے انڈین سول سروس کے ۸۳-افسروں میں سے صرف ایک بنگالی تھا۔[17] ۱۹۶۵ء میں سی ایس پی افسروں کی کل تعداد کا ۳۴ فیصد

---

[15]:۔ بحوالہ خالد بن سعید۔ ص ۱۹۵

[16]:۔ یہ معلومات قومی اسمبلی میں فراہم کی گئیں۔ دی پاکستان آبزرور۔ ۱۷ / اپریل ۱۹۶۴ء

[17]:۔ قومی اسمبلی میں شہاب الدین کی تقریر، ڈان۔ ۲۵ / جون ۱۹۶۵ء

Marfat.com

حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا[18] اور ۱۹۶۹ء تک یہ تعداد ۸ء۴۰ فیصد پہنچ چکی تھی۔[19] جہاں تک دوسری اعلیٰ مرکزی ملازمتوں کا تعلق ہے۔ وزارت خارجہ کے ۱۷۷۔ افسروں میں ۳۰، پولیس سروس کے ۲۱۰ میں ۹۲ اور فنانس سروسز کے ۶۰۶ میں ۲۰۸۔ افسر مشرقی پاکستان سے متعلق تھے۔[20] اعلیٰ ملازمتوں میں مشرقی پاکستان کے لئے ۶۰ فیصد کوٹے کی تخصیص کے بعد دونوں صوبوں کے درمیان رہا سہا تفاوت بھی چند برسوں میں ختم ہو سکتا تھا مگر بدقسمتی سے اہل بنگال اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ پھر بھی یحییٰ خان نے مرکز میں مغربی اور مشرقی پاکستان سے مساوی تعداد میں سیکرٹری متعین کئے اور مشرقی پاکستان میں ایک بنگالی سی ایس پی صوبے کا چیف سیکرٹری مقرر کیا۔

دونوں صوبوں کی نمائندگی کے اعتبار سے مسلح افواج میں عدم مساوات کی صورت حال قومی زندگی کے دوسرے شعبوں کی نسبت کہیں زیادہ خراب تھی مگر یہ صورت حال ٹھوس تاریخی پس منظر کا نتیجہ تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو افواج کی کل تعداد کا صرف ایک فیصد حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا[21] حکومت کی خواہش تھی کہ بنگالی زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج میں شامل ہوں۔ چنانچہ ایوب خان نے فوجی بھرتی کے لئے مقررہ جسمانی معیار میں کمی کر دی جس کے نتیجے میں ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۸ء تک فوج میں مشرقی پاکستانیوں کی تعداد میں ۱۰۰ فیصد کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۷ء تک یہ اضافہ بڑھ کر ۵۰۰ فیصد تک پہنچ گیا[22] ۱۹۶۷ء میں فضائیہ اور بحریہ کا ۳۰ فیصد حصہ مشرقی پاکستانیوں پر مشتمل تھا[23] تاہم فوجی ملازمتوں پر عدم مساوات

---

[18] :۔ بحوالہ خالد بن سعید۔ ص ۱۵۵

[19] :۔ دی پاکستان ابزرور ۱۲، ۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء، مزید ملاحظہ ہو "گریڈیشن لسٹ آف دی سی ایس پی"۔ یکم جولائی ۱۹۶۹ء

[20] :۔ وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین کی قومی اسمبلی میں تقریر۔ ڈان ۱۹ جون ۱۹۶۸ء

[21] :۔ پارلیمانی سیکرٹری دفاع کا بیان، ڈان۔ ۲۵ جون ۱۹۶۸ء

[22] :۔ وزیر دفاع کا قومی اسمبلی میں بیان۔ ڈان ۲۵ جون ۱۹۶۸ء

[23] :۔ پارلیمانی سیکرٹری دفاع کا قومی اسمبلی میں بیان۔ ڈان ۲ جون ۱۹۶۷ء

Marfat.com

کا خاتمہ راتوں رات ممکن نہیں تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی بنگالیوں کی فوج میں دلچسپی مایوس کن حد تک کم تھی۔ ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ میں قائم کیا جانے والا کیڈٹ سکول اس لئے بند کرنا پڑا کہ اس میں داخلہ لینے والے طلبا کی تعداد صرف ۱۵ تھی[۲۴]۔ فوج میں بھرتی کے لیے موصول شدہ درخواستوں کے درج ذیل گوشوارے سے فوجی ملازمت میں بنگالیوں کی دلچسپی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

گوشوارہ

	مغربی پاکستان سے درخواستوں کی تعداد (۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۰۸، ۳۴ ملین)	مشرقی پاکستان سے درخواستوں کی تعداد (۱۹۵۱ کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۱۵، ۴۲ ملین)

آرمی میں بھرتی

۱۹۴۸ء	۲،۷۰۸	۸۷
۱۹۵۱ء	۱،۰۰۸	۱۳۴
۱۹۵۴ء	۳،۲۰۴	۱۶۵

نیوی میں افسروں کی بھرتی

	مغربی پاکستان		مشرقی پاکستان	
	درخواستیں	بھرتی	درخواستیں	بھرتی
۱۹۵۶ء	۱۱۰	۱۱	۲۲	۳
۱۹۵۷ء	۲۹۴	۱۵	۳۹	۳

۲۴:۔ دی ڈان - ۲ رجولائی ۱۹۵۲ء

Marfat.com

مشرقی پاکستان میں اقتصادی مساوات کے حق میں کیے جانے والے بلند آہنگ مطالبات اور پراپیگنڈے نے عوامی جذبات کو بھڑکانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا اور یوں دونوں صوبوں کے درمیان مستقل بدگمانیوں کی بنیاد رکھ دی۔ عدم مساوات کا نعرہ ابتدا میں سیاسی رہنماؤں نے اپنی اپنی جماعتوں کے لیے عوامی مقبولیت حاصل کرنے کی غرض سے لگایا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ معاملہ ایک نازک اور جذباتی صورت اختیار کر گیا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اسے اتنی ہوا دی گئی کہ مشرقی پاکستان کا ایک عام آدمی بھی مرکزی حکومت اور پنجابیوں کو استحصال کنندہ اور خون چوسنے والوں[۲۵] کے نام سے پکارنے لگا۔ وفاقی حکومت کی طرف سے اقتصادی عدم مساوات کے جواز میں بعض ٹھوس وجوہ پیش کی گئیں۔ جن کا تذکرہ ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ قیام پاکستان کے وقت مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کی نسبت صنعتی تنصیبات اور فیکٹریوں کارخانوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ دوسرے یہ کہ صنعتی ترقی کا ایک بڑا شعبہ کپڑے کی صنعت تھی اور کپاس کی پیداوار مغربی پاکستان میں ہوتی تھی۔ تیسرے متحدہ ہندوستان سے ہجرت کرنے والے بڑے سرمایہ کار زیادہ تر مغربی پاکستان میں آباد ہوئے[۲۶]۔ یہ تھیں وہ بنیادی وجوہ جن کی بنا ۶۰-۱۹۵۹ء میں پہلے پنجسالہ منصوبے کے اختتام پر مغربی پاکستان کی فی کس آمدنی مشرقی پاکستان سے ۳۲ فیصد زیادہ تھی۔ نجی شعبے کی طرف سے سرمایہ کاری میں عدم دلچسپی کے باعث دوسرے پنجسالہ منصوبے کے دوران مغربی پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں ۴ر۶ فیصد مرکب سالانہ شرح اور مشرقی پاکستان کی مجموعی پیداوار ۴ر۴ فیصد مرکب سالانہ شرح سے اضافہ ہوا۔ چنانچہ دونوں صوبوں کے درمیان فی کس آمدنی میں تفاوت بڑھ کر ۴۵ فیصد تک پہنچ گیا[۲۷]۔ پہلے دو پنجسالہ منصوبوں

---

۲۵ Hassan Askari Rizvi, The Military and Politics in Pakistan, pp. 179-80.

۲۶ Pakistan Year Book, 1971, pp. 140-41.

۲۷: بحوالہ ایم اے منان ص ۲۱۹

Marfat.com

کے دوران اس تفاوت میں مذکورہ اضافے کی بنیادی وجہ نجی شعبے کا رویّہ تھا جو اس عرصے میں مشرقی پاکستان میں صوبائی حکومت کے حوصلہ شکن طرزِ عمل اور صنعتی بے چینی کی بنا پر سرمایہ کاری سے گریزاں رہا۔ مشرقی پاکستان کی اقتصادی زندگی پر ہندوؤں کا غلبہ بھی وہاں سرمایہ کاری کے فروغ کی راہ میں حائل رہا۔ دوسری طرف نجی شعبہ حکومت کے عملی کنٹرول میں نہیں تھا کہ اس کی سرکاری طور پر راہنمائی ہو سکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں مشرقی پاکستانیوں کے بعض مطالبات بالکل جائز اور اصولی تھے۔ مگر یہ امر اپنی جگہ حقیقت ہے کہ دونوں صوبوں کے درمیان موجود تفاوت کی جڑیں ماضی میں پیوستہ تھیں یعنی ان کا پس منظر تاریخی تھا اور ملک کے محدود وسائل کے ذریعے انہیں راتوں رات دور کرنا ممکن نہیں تھا۔ مختلف حکومتوں کی غفلت اور نااہلی کے نتیجہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں تفاوت بتدریج بڑھتا چلا گیا اور جب ایوب خان نے اقتدار سنبھالا تو اس وقت تک یہ معاملہ انتہائی نازک اور پیچیدہ صورت اختیار کر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے لیے اپنی محدود اقتصادی صلاحیتوں، ناساعد سماجی اور سیاسی حالات اور آسمانی آفات یعنی ہر سال آنے والے سیلابوں کے پیشِ نظر ترقیاتی میدان میں مغربی پاکستان سے مقابلہ کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ امریکی مصنف لارنس ذیرنگ کے مطابق "مشرقی پاکستان کے ناقابلِ حل مسائل کا تعلق صوبے، اس کے محدود وسائل اور آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے ہے"۔[۲۸] یہ تھی وہ صورت حال جس کے تناظر میں ایوب خاں نے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان اقتصادی مساوات کے حصول کو حکومت کی آئینی ذمہ داری قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ تیسرے پنجسالہ منصوبے کے تحت اقتصادی تفاوت میں ۲۰ فیصد کمی کا پروگرام تیار کیا گیا؛ چنانچہ اس منصوبے میں مغربی پاکستان کے لیے ۴۸۰۰ ملین روپے اور مشرقی پاکستان

۲۸ے Lawrence Ziring, The Ayub Khan's Era, p. 40.

کے لئے ۱۶۰۰ ملین روپے کی رقوم مختص کی گئیں۔ ایوب خان کی حکومت نے مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری کے فروغ کے لیے مربوط اور موثر مثبت اقدام کیے جن کے نتیجہ میں وہاں صنعتی ترقی میں خاصہ اضافہ ہوا۔ اولاً ۱۹۶۰ء میں حکومت نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں بعض شعبوں میں سرمایہ کاری پر چھ سال کے لیے ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی جبکہ مغربی پاکستان میں چھوٹ کی یہ مدت صرف چار سال تھی۔ ثانیاً مشرقی پاکستان کے لیے مشینری کی برآمدی ڈیوٹی ساڑھے بارہ فیصد سے کم کر کے ساڑھے سات فیصد کر دی گئی۔ ثالثاً حکومت نے مغربی پاکستان سے آنے والے سیمنٹ کی ترسیل پر خصوصی امداد دینے کا فیصلہ کیا۔ چہارم مرکز اور صوبوں کے درمیان مالیاتی وسائل کی تخصیص کے نظام پر نظر ثانی کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا۔[29] اسی طرح سٹیٹ بنک نے مشرقی پاکستان کے لیے قرضوں کی فراہمی کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے۔[30] بنکوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مشرقی پاکستان کے صنعتی منصوبوں کے لیے آزادانہ پالیسی بروئے کار لائیں۔

مشرقی پاکستان میں بے چینی کی لہر پر قابو پانے کے لیے کی جانے والی یہ تمام تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں۔ تیسرا پنجسالہ منصوبہ دونوں صوبوں کے درمیان فی کس آمدنی کے تفاوت میں ۵۱٫۸ فیصد اضافے پر منتج ہوا۔ ۱۹۶۸ء میں قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیے گئے۔ علاقائی آمدنی کے تخمینے کے مطابق ۶۵-۱۹۶۴ء[31] کے درمیان دونوں صوبوں کے دوران فی کس آمدنی کا تفاوت تقریباً ۴۴ فیصد تھا جس میں پانچ برسوں کے دوران تقریباً ۲۳ فیصد اضافہ ہوا۔[32] ایک اور اندازے

---

[29]:۔ بحوالہ ایم اے منان، ص ۲۱۹

[30]:۔ بحوالہ ایم اے منان، ص ۲۱۹

[31]:۔ ۲۱ جون ۱۹۶۸ء کو قومی اسمبلی میں علاقائی اور بین العلاقائی امتیازات کے بارے میں پیش کی گئی رپورٹیں۔ دی پاکستان آبزرور۔ ۲۲ جون ۱۹۶۸ء

[32]:۔ ایضاً ۱۵ نومبر ۱۹۶۹ء

Marfat.com

کے مطابق ۶۰-۱۹۵۹ء کے دوران تفاوت کی ۲۸ فیصد شرح ۶۹-۱۹۶۸ء تک بڑھ کر ۶۲ فیصد ہوچکی تھی۔[۳۳] منصوبے پر عمل درآمد کی رفتار کے جائزے میں اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ "بین الصوبائی مساوات ابتدائی اندازوں کے برعکس ایک نہایت نازک اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ اور یہ کہ اس کے حل کے لیے طویل عرصہ پر محیط مسلسل مساعی کی ضرورت ہے"[۳۴] چنانچہ دونوں صوبوں کے درمیان روز افزوں عدم مساوات نے مشرقی پاکستان کے عوام میں بددلی اور عدم اطمینان کی کیفیت کو فروغ دیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ترقیاتی امداد کا بڑا حصہ مغربی پاکستانی ہڑپ کر جاتے ہیں چنانچہ سیاسی طور پر باشعور مشرقی پاکستانیوں نے اس امر پر احتجاج کا آغاز کر دیا کہ ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کیا جا رہا ہے اور مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کی نو آبادی میں تبدیل کر دیا گیا ہے[۳۵]

اپنی تمام تر مساعی کے علی الرغم ایوب خاں مشرقی پاکستانیوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ مشرقی پاکستان معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہوچکا تھا مگر ترقی کی رفتار وہاں کے عوام کیلئے اطمینان بخش نہیں تھی۔[۳۶] بعض انتہا پسند بنگالیوں کا کہنا تھا کہ "مغربی پاکستان انہیں صرف اس وقت تک اپنے ساتھ رکھے گا جب تک اس کے لیے مشرقی پاکستان میں معاشی استحصال یعنی معاشی فائدے کے امکانات باقی ہیں"۔[۳۷]

معاشی بدحالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بنگالیوں کے جذبات بالآخر دو معیشتوں

۳۳: Azizur Rehman Khan, "A New Look at Disparity", Forum (Dacca), 3 January 1970.

۳۴: Pakistan Planning Commission, The Mid-Plan Review of the Third Five-Year Plan, 1965-1970, p. 43.

۳۵:- بحوالہ سفارلے کھنڈا

۳۶: Herbert Feldman, Form Crisis to Crisis, p. 167.

۳۷:- بحوالہ رونق جہاں، ص ۸۵

Marfat.com

کے نظریہ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ پاکستان کی مخصوص جغرافیائی صورت حال اور مختلف ادوار میں دونوں صوبوں کے درمیان فروغ پانے والی عدم مساوات کو اس نظریے کے جواز کے طور پر پیش کیا گیا۔[۳۸] کچھ عرصہ بعد مشرقی پاکستان کے سیاست دان بھی اقتصادی ماہرین کے ہمنوا ہو گئے مگر ایوب خان کی حکومت نے دو معیشتوں کے تصور کو قومی یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ تاہم اس نظریہ نے "مشرقی پاکستان میں علاقائی خود مختاری کے انتہا پسند علمبرداروں کے ہاتھ مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کے مبہم سیاسی اور نظریاتی نعروں کو ٹھوس بنیادیں فراہم کیں اس طرح وہ بنگال کے مختلف طبقوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"[۳۹]

ایوب خان کی حکمت عملی کے نتیجہ میں بظاہر مشرقی پاکستان میں صنعتوں کو فروغ ملا مگر عام آدمی کی معاشی حالت نہ سنور سکی۔ افلاس، جہالت، بے روزگاری اور دیگر معاشرتی مسائل کا کوئی حل تلاش نہ کیا جا سکا۔ آزادانہ معیشت کی پالیسی نے مشرقی پاکستان میں صنعت کاروں کے ایک طبقہ کو جنم دیا جو صوبے کی ۵۰ فیصد سے زائد دولت پر قابض تھا۔ ایوب حکومت کی پالیسیاں معاشی ناہمواریوں میں وسعت اور ارتکاز زر کا باعث بنیں جس کے نتیجے میں بنگالی معاشرے کے تمام قابلِ ذکر سیاسی عناصر اس سے دور ہوتے چلے گئے۔[۴۰]

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کا مقصد دیہی قیادت کو بنیاد بنا کر ایک "عظیم تر قومی اسمبلی" کی تشکیل قرار دیا گیا تھا[۴۱]، مگر یہ نظام سیاسی کاسہ لیسوں کے ایک گروہ کو جنم دینے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ اس سیاسی نظام میں بنیادی جمہوریت کے ہاتھوں میں سیاسی اور مالی اختیارات

۳۸:- بحوالہ رونق جہاں۔ ص ۸۶   ۳۹ بحوالہ رونق جہاں ص ۸۷

۴۰:- بحوالہ رونق جہاں ص ۸۹

۴۱:- بحوالہ ایوب خاں ص ۲۱۴

Marfat.com

کے ارتکاز نے عوام کے احساس محرومی اور غیر صحت مندانہ طبقاتی شعور کو مہمیز دی۔ بنیادی جمہوریتوں کا اصل مقصد دیہی عوام کی صلاحیتوں کو ترقیاتی مقاصد کے لیے بروئے کار لانا تھا مگر اس نظام میں نوکر شاہی کے غیر معمولی تسلّط کی وجہ سے یہ مقصد حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ مزید برآں عوام میں یہ احساس جڑ پکڑ گیا کہ حکومت دراصل بنیادی جمہوریتوں کے ذریعے اپنے اقتدار کی عمر دراز کرنا چاہتی ہے۔ رفتہ رفتہ بنگالیوں کو یقین ہو گیا کہ نیا نظام قومی امور میں انہیں مساویانہ اختیارات دلانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اقربا پروری اور بدعنوانیوں کے اقدامات نے بنیادی جمہوریتوں کے رہے سہے وقار کو بھی ختم کر دیا اور یوں یہ نظام قومی یکجہتی میں کوئی کردار ادا نہ کر سکا۔

بنگالی جنہیں "سیاسی طور پر سب سے زیادہ باشعور اور فعال سمجھا جاتا تھا" برصغیر کا مایوس ترین طبقہ "قرار پائے۔[۴۲] ان کی یہ سوچ بے بنیاد نہیں تھی کہ اعلیٰ ملازمتوں اور وفاقی کابینہ میں نمائندگی کی کمی کی بنیاد پر وہ قومی سیاسی زندگی میں مطلوبہ حصّہ نہیں لے سکتے۔

سیاسی عمل میں مکمل شمولیت سے محرومی کے بارے میں بنگالیوں کی شکایات میں خاصا وزن تھا اور انہیں اعداد و شمار کی تائید حاصل تھی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک ملک میں پارلیمانی طرزِ حکومت کے دوران وفاقی کابینہ میں مشرقی پاکستان کو ۴۲ فیصد اور مغربی پاکستان کو ۵۸ فیصد نمائندگی ملی تھی گویا کابینہ میں مغربی پاکستان کا پلہ بھاری رہا تھا، کیونکہ مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل تھا۔ سہروردی کے دورِ حکومت سے قطع نظر جبکہ کابینہ میں مشرقی پاکستان کا حصہ ۵۷ فیصد تھا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک مختلف وزارتوں میں مشرقی پاکستان کے حصّے کی شرح ۲۷ فیصد سے ۴۸ فیصد تک رہی۔ درج ذیل گوشوارے میں مختلف حکومتوں کے دوران وزرا، وزرا برائے مملکت اور ڈپٹی وزرا کی کل تعداد اور صوبوں کی نمائندگی کی تفصیل دی گئی ہے۔

---

[۴۲]:۔ دی اکانومسٹ۔ ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء

گوشوارہ

وزرا، وزرا مملکت، ڈپٹی وزرا کی کل تعداد (ایک وقت میں)	مغربی پاکستانیوں کی تعداد	بنگالیوں کی تعداد	بنگالیوں کی نمائندگی کا فی صد تناسب
لیاقت علی خان کی کابینہ (۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱)			
۱۹	۱۳	۶	۳۱٫۲ فیصد

(تین ڈپٹی منسٹر اور اسی کابینہ میں وزیر اور وزیر مملکت بن گئے۔ کل تعداد میں وزیر اعظم بھی شامل ہیں۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا ضمیمہ ملاحظہ فرمائیے۔

خواجہ ناظم الدین کی کابینہ (۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء سے ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء)			
۱۵	۹	۶	۴۰ فیصد
محمد علی بوگرہ کی کابینہ (۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء)			
۱۴	۹	۵	۳۵ فیصد
دوبارہ تشکیل شدہ کابینہ (۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء)			
۱۶	۹	۷	۴۴ فیصد
چوہدری محمد علی کی کابینہ (۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء)			
۱۷	۱۰	۷	۴۱ فیصد
سہروردی کی کابینہ (۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء)			
۱۴	۶	۸	۵۷ فیصد
آئی آئی چندری گر کی کابینہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء)			
۱۶	۹	۷	۴۴ فیصد
نون کی کابینہ (۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء)			
۲۷	۱۵	۱۲	۴۴٫۰۵ فیصد

Marfat.com

وزرا، وزرا مملکت، ڈپٹی وزرا کی کل تعداد (ایک وقت میں)	مغربی پاکستانیوں کی تعداد	بنگالیوں کی تعداد	بنگالیوں کی نمائندگی کا فی صد تناسب
ایوب کی کابینہ (پہلی) (۲۸؍اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷؍فروری ۱۹۶۰ء)			
۱۲	۱۲	۳	۲۵ فیصد
" " (دوسری کابینہ) (فروری ۱۹۶۰ء تا ۸؍جون ۱۹۶۲ء)			
۱۶	۱۱	۵	۲۶ فیصد
" " (تیسری کابینہ) (۲۸؍جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳؍مارچ ۱۹۶۵ء)			
۱۷	۹	۸	۴۷ فیصد
" " (چوتھی کابینہ) (۲۳؍مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵؍مارچ ۱۹۶۹ء)			
۱۷	۱۱	۶	۳۵ فیصد
یحییٰ کی کابینہ (۱۴؍اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء)			
۱۱	۶	۵	۴۵٫۴ فیصد

پارلیمانی نظام کے تحت کل ۱۳۸ وزرا، وزرائے مملکت اور ڈپٹی وزرا متعین کئے گئے، جن میں صرف ۵۸ بنگالی تھے۔ ایوب خان کے دور میں وفاقی کابینہ میں بنگالیوں کی نمائندگی مزید کم کر دی گئی۔ ایوب حکومت کی چار وزارتوں کے دوران ۵۸ وزیروں میں بنگالی وزرا کی تعداد ۲۲ تھی۔ یحییٰ کے دورِ حکومت میں صورت حال میں قابل ذکر تبدیلی نہ آئی۔ یحییٰ خان کی گیارہ رکنی

کابینہ میں صرف پانچ وزیر مشرقی پاکستان سے تھے۔

بنگالیوں کے مطالبات کی بنیاد ان کی عددی اکثریت پر تھی جبکہ صورت حال کی صحیح تفہیم بعض جغرافیائی اور سیاسی عوامل کو پیش نظر رکھے بغیر ممکن نہ تھی۔ مغربی پاکستان چار صوبوں

Marfat.com

پر مشتمل تھا۔ جن کی مناسب نمائندگی وفاقی کابینہ میں ضروری تھی اس کے برعکس مشرقی پاکستان کی حیثیت ایک صوبے کی تھی۔ علاوہ ازیں مغربی پاکستان میں آباد ہونے والے متعدد مہاجر وزرا مثلاً لیاقت علی خان، ڈاکٹر آئی ایچ قریشی اور ڈاکٹر محمود حسین کو جو کہ اپنا حلقہ انتخاب ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے۔ مشرقی پاکستان سے نمائندگی دی گئی۔ مگر بنگالیوں نے ان زعما کی تحریک پاکستان میں غیر معمولی خدمات کے باوجود انہیں اپنا نمائندہ ماننے سے انکار کر دیا۔

ایوب خان نے پاکستان کے مستقبل کے آئین کے خدوخال تیار کرنے کے لیے جو کمیشن قائم کیا۔ اس کی سفارشات میں وفاقی پارلیمانی نظام کی تائید کی گئی تھی مگر ایوب خان نے صدارتی نظام کو ترجیح دی۔ کمیشن کی طرف سے جاری کئے گئے ایک سوالنامے کے ۶۵ فیصد جواب دہندگان نے ایک مضبوط وفاقی مرکز کی حمایت کی مگر مشرقی پاکستان سے موصول ہونے والی آرا کی اکثریت کمزور مرکز کے حق میں تھی۔ کمیشن نے اپنے سوالنامے کے ردّ عمل اور انٹرویوز کے نتائج کے پیش نظر حکومت کو متنبہ کیا کہ ملک میں واحدنی طرز حکومت قائم کرنے سے گریز کیا جائے۔ کمیشن نے کہا کہ ایسی صورت میں ہم "مشرقی پاکستان کے عام مسلمانوں کو اُن انتہا پسند اور ملک دشمن عناصر کی صفوں میں دھکیلنے کے مرتکب ہوں گے جو وہاں پہلے ہی سرگرم عمل ہیں"[۴۳] ایوب خان نے اس انتباہ کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

ایوب خان اپنے خانہ ساز آئین کی بدولت آمر مطلق کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ قوم نے انہیں نہ تو آئین بنانے کا کوئی اختیار دیا تھا اور نہ ہی آئین کی تیاری کے بعد اسے ریفرنڈم کے لیے پیش کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ آئین عوام پر مسلط کیا گیا تھا مشرقی پاکستانیوں کی خواہش تھی کہ ماضی کی ناانصافیوں کا ازالہ کرنے کے لیے صدر کے عہدے پر

---

[۴۳] Pakistan, Report of the Constitution Commission, p. 37.

Marfat.com

کسی بنگالی کو فائز کیا جائے مگر وہ جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ موجودہ آئین کے تحت یہ ممکن نہیں۔

نئے آئین میں بنگالیوں کے موقف سے مکمل طور پر صرف نظر کیا گیا تھا، چنانچہ مشرقی پاکستان میں اس کے خلاف احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبا نے تقریباً ایک سال تک احتجاجی مظاہرے کئے۔ ایوب خان کی پالیسیوں کے خلاف یہ پہلی منظم تحریک تھی۔ سہروردی کو انہی مظاہروں کے دوران گرفتار کیا گیا۔ حکومت نے بھارتی ایجنٹوں کو مظاہروں کا ذمہ دار ٹھہرایا اور ایوب خان نے کہا کہ "کلکتہ اور کابل کو تخریبی کارروائیوں کے لیے بنیاد اور مرکز کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔"[۴۴]

اس موقع پر ایوب خان کی منطق خاصی دلچسپ تھی۔ انہوں نے کہا "مشرقی پاکستان کا مطالبہ ہے کہ ملک میں پارلیمانی نظام نافذ کر دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ مغربی پاکستان والوں کو یہ مطالبہ قابل قبول نہ ہو تو کیا آپ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔"[۴۵] ان مظاہروں کا مقصد "ملک کے دونوں حصوں میں مناقشت کو جنم دینا تھا۔"[۴۶]

۱۹۶۲ء میں آئین کے نفاذ اور سہروردی کی گرفتاری کے نتیجہ میں عوام کی بے چینی انتہا کو پہنچ گئی۔ ملک میں مسلسل ہڑتالوں نے نوسامراجی طاقتوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا موقع فراہم کر دیا۔ امریکی اور روسی گماشتے جو پہلے ہی چین دوست پالیسی کی بنا پر ایوب خان سے ناراض تھے، مزید فعال ہو گئے اور انہوں نے مشرقی پاکستان، مغربی بنگال، سکم، بھوٹان اور ناگالینڈ وغیرہ پر مشتمل ایک متحدہ بنگال کا منصوبہ تیار کیا۔[۴۷] متحدہ بنگال کے

۴۴:- دی پاکستان ٹائمز - ۲۹ مارچ ۱۹۶۲ء

۴۵:- G. W. choudhury, Documents and Speeches on the Constitution of Pakistan, p. 806.

۴۶:- H. Feldman, Revolution in Pakistan, p. 162.

۴۷:- محمد عباس علی نے یہ نقشہ اپنی کتاب میں شائع کیا ہے۔ "دی سالویشن آف پاکستان - ص ۳۰"

Marfat.com

تصور کو ایک نہایت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پمفلٹوں اور کتابچوں کے ذریعے طلبا اور عوام میں پھیلایا گیا۔ پاکستان کے سابق گورنر جنرل اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے بھی بعد میں ایک اخباری بیان میں انکشاف کیا کہ امریکی سفیر نے ان سے رابطہ قائم کر کے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے کام کرنے کے لیے کہا تھا۔[۴۸]

۱۹۶۴ء کی اخباری اطلاعات کے مطابق ڈھاکہ بعض بیرونی طاقتوں کی مذموم سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ غیر معمولی طور پر فعال بھارتی ایجنٹ کھلے بندوں مصروف کار تھے اور ان کی پاکستان دشمن سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ کلکتہ سے وسیع پیمانے پر ایسے لٹریچر کی ترسیل جاری تھی۔ جس میں لوگوں کو تخریب کاری اور سبوتاژ پر ابھارا جاتا۔[۴۹] عام خیال یہ تھا کہ مجیب الرحمٰن ان سرگرمیوں میں پوری طرح شریک ہیں۔ تاہم مجیب الرحمٰن کی حکمت عملی اور پروگرام ۱۹۶۵ء میں کھل کر سامنے آئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے مطابق" ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کے گورنر منعم خان نے صوبے کے سیاسی رہنماؤں کے تعاون کے حصول کے لیے ملاقاتیں کیں۔ جنگ کے بعد منعم خان نے ایوب خان کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنی ملاقات کے دوران ان سے کہا تھا کہ وہ آزاد بنگال کی صدارت سنبھال لیں اور مغربی پاکستان سے علیحدگی کا اعلان کر دیں۔[۵۰] دسمبر ۱۹۶۵ء میں ہونے والے ایک اور واقعہ نے مجیب الرحمٰن کے حقیقی عزائم پوری طرح واضح کر دیئے۔

ایک عینی شاہد کے مطابق مجیب الرحمٰن نے ایوب خان سے ایک ملاقات کے دوران مشرقی پاکستان کے عوام کے لیے حق خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔ صدر ایوب خان نے مطالبے کی وضاحت

۴۸:۔ اردو ڈائجسٹ۔ نومبر ۱۹۷۱ء ص ۵۴

۴۹:۔ اردو ڈائجسٹ۔ نومبر ۱۹۷۱ء ص ۵۷

۵۰:۔ زیڈ۔ اے بھٹو۔ دی گریٹ ٹریجڈی ص ۶۸

Marfat.com

طلب کی تو مجیب الرحمٰن نے کہا کہ قرارداد لاہور (۱۹۴۰ء) کی بنیادوں پر مکمل خود مختاری۔ ایوب خان کے اس استفسار پر کہ مشرقی پاکستان بیرونی امداد کیسے حاصل کرے گا؟ مجیب الرحمٰن نے آسٹریلیا کے آئین کا حوالہ دیا جس کے مطابق وفاق کی کوئی بھی ریاست بیرونی امداد کے لیے آزادانہ مذاکرات کر سکتی ہے۔[۵۱] بعد میں پیش آنے والے واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ مجیب الرحمٰن علیحدگی پسندانہ عزائم کے حامل تھے اور اس سلسلہ میں انہیں بعض بیرونی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔

۱۹۶۵ء کے دوران مشرقی پاکستان میں سیاسی قیادت کا فقدان شدت سے محسوس کیا گیا۔ سہروردی اور فضل حق انتقال کر چکے تھے۔ خواجہ ناظم الدین کی شخصیت میں عوام کے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ بھاشانی ۱۹۶۵ء کے انتخابات میں مشکوک روّیے کی وجہ سے اپنی شہرت کو داغدار کر چکے تھے۔ سیاسی خلا اور آمرانہ حکومت کے نتیجہ میں پورا ملک سیاسی انتشار کا شکار تھا۔ ان حالات میں عوام کو کسی ایسے رہنما کی تلاش تھی جو ایوب خانی اقتدار کو للکار سکے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ نے مشرقی پاکستان کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کے عوام نے خود کو بے یار و مددگار اور غیر محفوظ محسوس کیا۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ڈویژن فوج موجود تھی۔ اس عرصہ میں اہل مشرقی پاکستان مکمل طور پر بھارت کے رحم و کرم پر رہے۔[۵۲]

اس صورت حال نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر جنگ "سترہ ماہ تک جاری رہتی۔ تو ان کا بچنا محال تھا۔"[۵۳] ادھر قومی اسمبلی میں وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے بیان دے دیا کہ مشرقی

۵۱:۔ یہ تفصیلات ایک عینی شاہد نے مصنف سے بیان کیں۔

۵۲:۔ دی نیویارک ٹائمز۔ ۲۲۔ اپریل ۱۹۶۶ء

۵۳:۔ دی لنڈن آبزرور۔ ۲۴۔ اپریل ۱۹۶۶ء

Marfat.com

پاکستان کو چین نے بچایا ہے۔ مسٹر بھٹو کے اس بیان نے مشرقی پاکستان میں عدم تحفظ کے احساس کو دوچند کر دیا۔ اس موقع پر بنگالی ردِ عمل کچھ اس طرح تھا کہ " اگر جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کی حفاظت کا سہرا پاکستانی فوج کی بجائے (جس پر مغربی پاکستان کو ہمیشہ ناز رہا ہے) چین کی بھارت سے اتفاقیہ دشمنی کے سر ہے تو ہمیں پاکستان کی ضرورت ہی کیا ہے "[۵۴] چنانچہ ایک مغربی صحافی نے لکھا " بھارت کے خلاف گذشتہ ستمبر کی جنگ کے نتیجہ میں پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہونے کے خطرے سے دوچار ہے "۔[۵۵]

جنگ ستمبر کے دوران مشرقی پاکستان کے دفاع سے متعلق ابھرنے والے سوالات نے خود مختاری کی تحریک کو مزید تقویت بخشی۔ اس طرح عوامی لیگ کو یہ موقف اختیار کرنے کا سنہری موقع مل گیا کہ " مشرقی پاکستان اس وقت تک بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے معاملات میں خود مختار اور آزادانہ وسائل کا مالک نہیں بن جائے گا "[۵۶] نیویارک ٹائمز نے حقائق کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا " اس سال (۱۹۶۵ء) کے آغاز سے صوبائی خود مختاری کا مطالبہ غیر معمولی طور پر زور پکڑ چکا ہے۔ اس کی وجہ مغربی پاکستان پر مکمل انحصار اور عدم تحفظ کا وہ احساس ہے جس نے مشرقی پاکستان کو جنگ کے دوران اپنی گرفت میں لئے رکھا "۔[۵۷]

بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کے بعد معاہدہ تاشقند سے مغربی پاکستان میں احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہاں مظاہروں، بلوؤں، پولیس فائرنگ اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[۵۸] مشرقی پاکستان میں معاہدہ تاشقند پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا گیا۔ شیخ

---

۵۴ :۔ دی نیویارک ٹائمز ۲۲۔ اپریل ۱۹۶۶ء

۵۵ :۔ دی لنڈن آبزرور ۲۴۔ اپریل ۱۹۶۶ء

۵۶ :۔ دی لنڈن آبزرور ۲۴۔ اپریل ۱۹۶۶ء

۵۷ :۔ دی نیویارک ٹائمز ۲۲۔ اپریل ۱۹۶۶ء

۵۸ :۔ دی اکانومسٹ ۲۱، ۲۷۔ مئی ۱۹۶۶ء

Marfat.com

مجیب الرحمٰن نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا چھ نکاتی فارمولا پیش کر دیا جو ایک دھماکہ خیز پروگرام پر مبنی تھا۔ عام حالات میں اس طرح کی خبر عالمی پریس میں شاید ہی جگہ پا سکتی مگر مجیب کے چھ نکات کی غیر معمولی تشہیر کی گئی۔ لنڈن ٹائمز نے اسے مشرقی پاکستان میں کسی طوفان کا پیش خیمہ قرار دیا۔ اکنامسٹ، نیویارک ٹائمز، ہیرالڈ، ٹریبون اور فرانسیسی اخبارات نے چھ نکات پر اداریے لکھے اور مجیب کو ہیرو کے طور پر پیش کیا۔[۵۹]

۱۹۶۶ء میں اپنے دورہ مشرقی پاکستان کے دوران صدر ایوب خان نے چھ نکات کی مذمت کی اور اسے "خود مختاری کی آڑ میں علیحدگی کا پروگرام" قرار دیا۔ انہوں نے پاکستان کے حالات کا ایک صدی بیشتر امریکہ کی صورتحال سے موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر "حالات نے مجبور کر دیا تو پاکستان کو بھی اپنی وحدت برقرار رکھنے کے لیے خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑیگا۔"[۶۰]

بھارتی حکومت مکمل توجہ سے صورت حال کا جائزہ لے رہی تھی اور اس نے علیحدگی کی تحریک سے کھلم کھلا تعاون کیا۔ اس تمام عرصہ میں مجیب نے ڈھاکہ میں بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر سے رابطہ رکھا اور اس سے متعدد ملاقاتیں کیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن شاستری کی وفات پر اظہار افسوس کرنے کے لیے خاص طور پر بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر کے دفتر گئے۔ آل انڈیا ریڈیو سے مجیب الرحمٰن کی سرگرمیوں اور چھ نکات کی تشہیر کے لیے ایک خصوصی پروگرام شروع کیا گیا۔ اس پروگرام کا مقصد عام بنگالیوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلا کر انہیں علیحدگی پسندوں کے ساتھ شامل ہونے پر اکسانا تھا۔[۶۱] دریں اثنا مشرقی پاکستان کی آزادی کے بارے میں بھارت میں چھپا ہوا لٹریچر پاکستان میں کھلے بندوں تقسیم کیا جا

۵۹:۔ الطاف حسن قریشی - ۶ نکات کی سچی کہانی ص - ۵۷ - ۵۸

۶۰:۔ دی اکانومسٹ، ۲۱، ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء

۶۱:۔ بحوالہ الطاف حسن قریشی ص ۵۷ - ۵۸

رہا تھا۔[۶۲] بھارت کے اخبارات نے مجیب الرحمٰن کی بڑی بڑی تصویریں شائع کیں اور بھارتی حکومت نے اپنے سفارت کاروں کو ہدایت کی کہ وہ عالمی سطح پر مجیب الرحمٰن کا تشخص ابھارنے کے لیے کام کریں۔[۶۳]

مجیب الرحمٰن کے چھ نکاتی فارمولا نے عوامی لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ ان کے مغربی پاکستانی ساتھیوں نے جن میں نوابزادہ نصراللہ خاں بھی شامل تھے چھ نکات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نواب زادہ نصراللہ خاں نے مجیب الرحمٰن سے علیحدگی اختیار کر کے ایک علیحدہ عوامی لیگ قائم کر لی۔ چنانچہ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ مغربی پاکستان میں اپنا وجود کھو بیٹھی اور یوں دونوں صوبوں کے درمیان سیاسی روابط اور کمزور ہو گئے، اس طرح قومی یک جہتی کو مزید نقصان پہنچا۔

مشرقی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے چھ نکاتی فارمولے کو مسترد کر دیا۔ کونسل مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی اور نظام اسلام پارٹی نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ فارمولا ملکی سالمیت کے لیے تباہی کا موجب ہوگا۔[۶۴] مشرقی پاکستان کے تقریباً تمام ممتاز رہنماؤں نے چھ نکاتی فارمولے کی کھلے لفظوں میں مذمت کی مگر ایوب خان نے ان رہنماؤں کا تعاون حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ صوبائی خودمختاری کے ان اعتدال پسند علمبرداروں کی طرف دست تعاون دراز کرنے کی بجائے ایوب خان نے ان کے مطالبات کو کلیتاً مسترد کر دیا اور یوں انہیں خود مختاری کے مسئلہ پر انتہا پسندانہ مؤقف اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔[۶۵]

---

[۶۲]:۔ بحوالہ محمد عباس علی

[۶۳]:۔ بحوالہ الطاف حسن قریشی ص ۵۷ - ۵۸

[۶۴]:۔ بحوالہ رونق جہاں ص ۱۷۰

[۶۵]:۔ بحوالہ رونق جہاں ص ۱۷۰

Marfat.com

ایوب خان آنے والے واقعات کا اندازہ نہ کر سکے۔ ان کا خیال تھا چھ نکاتی پروگرام آخر کار مجیب الرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں انہیں معلوم تھا کہ مخالف جماعتیں چھ نکات کی حمایت نہیں کریں گی لہذا انہوں نے چھ نکات کو زیادہ سے زیادہ ہوا دے کر حزب اختلاف میں انتشار پیدا کرنے کا منصوبہ تیار کیا[۶۶]۔ چنانچہ ٹرسٹ کے اخبارات نے چھ نکات کی بھرپور تشہیر کی اور اپنا سارا زورِ قلم مجیب الرحمٰن کو علیحدگی پسند اور بھارتی ایجنٹ ثابت کرنے پر صرف کر دیا۔ مگر سیاسی فراست سے عاری یہ طرزِ عمل بالواسطہ انداز میں مجیب الرحمٰن کی ہر دلعزیزی میں اضافہ کا موجب بنا۔

جنگ ستمبر کے بعد ایوب خان کی حکومت کے استحکام کا طلسم زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ اپریل ۱۹۶۶ء تک حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھی۔ مشرقی پاکستان میں عوام منعم خاں کی غیر جمہوری پالیسیوں کی بنا پر پہلے ہی حکومت سے بیزار تھے۔ مجیب الرحمٰن نے صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت کے خلاف نفرت کی مہم کا آغاز کر دیا۔ مجیب الرحمٰن کی تحریک زوروں پر تھی کہ اپریل ۱۹۶۶ء میں انہیں گرفتار کر لیا گیا تاہم وہ چند روز بعد رہا کر دیے گئے۔ اپنی رہائی کے بعد مجیب الرحمٰن نے پورے صوبے کا دورہ کیا جس کے دوران انہوں نے کھلے لفظوں میں حکومت کو چیلنج کیا۔ اس وقت تک مجیب الرحمٰن کا بنگالی قومیت کا نعرہ اپنا رنگ دکھا چکا تھا اور ملکی سالمیت کے لیے سنگین خطرہ بن چکا تھا۔ صوبے میں متعدد مقامات پر فسادات ہوئے جن میں غیر بنگالیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی تذلیل کی گئی۔ ان دنوں مجیب الرحمٰن کے تیوروں کا اندازہ ایک غیر ملکی نامہ نگار کو ان کے

---

[۶۶]: - انٹرویو پروفیسر غلام اعظم امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" لاہور ۲۵ ستمبر، ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۵

Marfat.com

انٹرویو سے کیا جا سکتا ہے۔ بنگالی قومیت کے جذبے سے سرشار "حیرت انگیز جرأت" کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ "میں کسی کی نوآبادی کے طور پر مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ ہماری حکومت کشمیر میں ریفرنڈم کے لیے برسرپیکار ہے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ مشرقی پاکستان میں چھ نکات پر ریفرنڈم کرائے۔ دنیا دیکھے گی کہ ۸۵ فیصد عوام میرے ساتھ ہیں۔"[۶۷]

مئی ۱۹۶۶ء میں مجیب الرحمٰن کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا جس کے بعد عوامی لیگ کے کارکنوں نے اس کی تحریک کو جاری رکھا اور اپنے لیڈر کی رہائی کے لیے ۷ جون ۱۹۶۶ء کو عام ہڑتال کی جو عوامی لیگ کے اپنے اندازے سے بھی زیادہ کامیاب ہوئی جس کا سبب صوبائی انتظامیہ کی نااہلی تھی۔ ہڑتالیوں نے سرکاری دفاتر پر حملے کیے، بنگالیوں کے علاوہ دوسری زبانوں کے سائن بورڈ والی دکانوں اور کاروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور روانی سے بنگالی میں گفتگو نہ کر سکنے والے تمام افراد کی تذلیل کی گئی۔ پولیس نے عوامی لیگ کی بھرپور حمایت کی امن عامہ کی صورت حال تباہ ہو کر رہ گئی۔ سرحد پار ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد عوامی لیگی کارکنوں کی مدد کے لیے مشرقی پاکستان میں در آئی۔ ہڑتال کے دوران ان ہندوؤں نے نہایت فعال کردار ادا کیا اور باغیانہ نعرہ بازی کی۔ سرحدی علاقوں میں عدم تحفظ کے احساس اور بے چینی کو فروغ دینے کے لیے ان ہندوؤں نے وسیع پیمانے پر جرائم کا ارتکاب کیا۔ واردات کے بعد یہ تخریب کار فرار ہو کر کلکتہ چلے جاتے۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے بعض مقامات پر لوگوں کو مرکز یا "مغربی پاکستان" کے خلاف کھلی بغاوت پر اکسایا ان میں سے بعض نے بعد میں انکشاف کیا کہ مجیب الرحمٰن نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بنگالیوں کو مغربی پاکستان سے آزاد کرانے کے لئے امریکہ اپنے چھاتہ بردار اتارے گا اور جون میں چھٹا امریکی بیڑا خلیج بنگال میں داخل ہو جائے گا۔[۶۸]

---

[۶۷]:- دی لنڈن ٹائمز۔ ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء

[۶۸]:- اردو ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۷۱ء۔ ص ۶۰

جنوری ۱۹٦۸ء میں اگرتلہ سازش کیس سرکاری طور پر منظر عام پر آیا اور اس کی سماعت کے لیے جسٹس ایس اے رحمٰن کی سربراہی میں ایک ٹریبونل قائم کیا گیا۔ سازش کیس میں ملوث ۳۵ ملزموں میں بحریہ کے اراکین، سی ایس پی افسر اور عوامی لیگ کے کارکن شامل تھے۔ مشرقی پاکستان کے اخبارات نے بیک آواز سازشیوں کی مذمت کی اور انہیں مثالی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ مگر سازش میں مجیب الرحمٰن کے ملوث ہونے کے اعلان نے حالات کو ایک نیا رُخ دیا۔ مجیب الرحمٰن کو سازش کے انکشاف کے پندرہ روز بعد سازشیوں کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس وقت مجیب الرحمٰن جیل میں تھے اور بظاہر ان کے لئے کسی سازش میں شریک ہونا ممکن نہ تھا۔ ان شکوک کو رفع کرنے کے لیے سرکاری طور پر کوئی ٹھوس دلیل پیش نہ کی گئی۔

مشرقی پاکستان کے اخبارات نے مطالبہ کیا کہ مقدمے کی سماعت کھلی عدالت میں کی جائے۔ عوامی لیگ نے سازش کیس میں مجیب الرحمٰن کو ملوث کرنے پر طلبا کو مشتعل کرنا چاہا مگر اس مقصد کے لیے ترتیب دیئے گئے مظاہرے میں ۱۵۰ سے زائد طلبا شریک نہ ہوئے۔ مبصرین کے مطابق اس موقع پر عوامی ردّعمل توقع سے کہیں کم تھا۔

ایوب خان کے لیے علیحدگی پسندوں سے نمٹنے کا یہ زریں موقع تھا مگر وہ دوبارہ صدارتی انتخاب لڑنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے سختی کو قرین مصلحت نہ سمجھا اور یہ موقع کھو دیا۔ منصوبہ بندی کے فقدان اور غیر دانشمندانہ طرزِ عمل کے نتیجہ میں اگرتلہ کیس آخرکار ایوب خان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔

مجیب الرحمٰن کو سازش کیس میں ملوث کرنے پر ہونے والا ردّعمل اس امر کا مظہر تھا کہ انہیں پہلے والی مقبولیت حاصل نہیں رہی مگر اگرتلہ سازش کیس کو جس غیر دانشمندانہ انداز میں چلایا گیا۔ وہ ملزموں کے لیے ہمدردیاں حاصل کرنے کا باعث بنا۔ مقدمے

Marfat.com

کی غیر ضروری تشہیر نے ملزموں کو قومی ہیرو بنا دیا۔[۶۹] پولیس تشدّد کی مبالغہ آمیز داستانوں نے ملزموں کو مظلوم بنا کر پیش کیا۔ سیاستدانوں نے اپنے بیانوں کے ذریعے ایسا تاثر دیا جیسے مقدمے کی حیثیت سیاسی انتقام سے زیادہ نہ ہو۔[۷۰] عام خیال یہ تھا کہ منعم خان نے ذاتی دشمنی کی بنا پر مجیب الرحمٰن کو مقدمے میں ملوّث کیا ہے۔[۷۱] مقدمے کی کارروائی میں غیر معمولی طوالت نے بھی حکومت مخالف عناصر کے لیے رائے عامہ کو ملزموں کے حق میں ہموار کرنے اور خود مختاری کا پرچار کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اگر تلہ کیس کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ "علیحدگی پر کھلم کھلا بحث امر ممنوعہ نہ رہی"۔[۷۲] اگر تلہ کیس ایوب حکومت کے لیئے مشرقی پاکستان میں ایک کڑے امتحان سے کم نہ تھا۔ اگر یہ کیس ثابت ہو جاتا تو مجیب الرحمٰن کے لیے سیاسی طور پر زندہ رہنا ممکن نہ رہتا، مگر اس کیس نے انہیں شہید بنا دیا اور ان کی طاقت اور وقار دو چند ہو گئے۔[۷۳] مجیب الرحمٰن ایک ہیرو کے طور پر ابھرے اور ان کے چھ نکات بنگالی عوام کا متفقہ لائحہ عمل قرار پائے۔ مشرقی پاکستانی عوام نے مقدمہ کو مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کے غلبہ کو طول دینے کے لیے ایک اور حربہ قرار دیا۔ آخر کار مقدمہ واپس لینا پڑا۔ مقدمے

۶۹:۔ ایس اے رحمٰن، اردو ڈائجسٹ لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۳۹۔ جسٹس ایس اے رحمٰن ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان کو اگر تلہ سازش کیس ٹریبول کا چیئرمین مقرر کیا گیا تھا۔

۷۰:۔ ———— ایضاً ————

۷۱:۔ ایوب خان کے دورِ حکومت میں آرمی انٹیلی جینس کے سربراہ جنرل اکبر نے پروفیسر غلام اعظم کو بتایا کہ مجیب اس مقدمے میں ملزم نہیں تھا بلکہ اس کا نام منعم خاں نے جو انہیں اس مقدمے کے ذریعے سیاسی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے اصرار کر کے شامل کرایا تھا۔ انٹرویو غلام اعظم ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" ص ۱۵

۷۲:۔ رونق جہاں۔ ص ۱۷۱

۷۳ Lawrence Ziring, op. cit., p. 91.

کی واپسی کا ہزیمت آمیز اقدام ایوب خان کے لیے مہلک ثابت ہوا اور اس طرح ملکی یک جہتی کو شدید نقصان پہنچا۔ دوسری طرف مشرقی پاکستانیوں کے جذبات میں مزید تلخی پیدا ہوئی اور علیحدگی کی تحریک تیز تر ہو گئی" ۴۷

ایوب حکومت کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے قومی یک یکجہتی کے لیے سیاسی عمل کی ضرورت کو مناسب اہمیت نہ دی۔ سیاسی جماعتوں پر ایک طویل عرصہ تک پابندی عائد رہی۔ یہ پابندی اٹھنے کے بعد بھی ملک میں وہ ماحول پیدا نہ ہونے دیا گیا۔ جس میں قومی احساسات کے فروغ کا باعث بننے والی سیاسی جماعتیں تشکیل پا سکیں۔ سیاسی گروہ بندی اور ایوب خان کی آمرانہ پالیسیوں کی وجہ سے ملک میں قومی جماعتوں کی داغ بیل نہ رکھی جا سکی۔ ۱۹۶۸ء کے اختتام تک عوام ایوب خان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ان کے آمرانہ دورِ حکومت کو دس سال تک برداشت کر چکے تھے۔ طویل بیماری کی بنا پر انتظامیہ اور فوج پر ایوب خان کی گرفت کمزور پڑ چکی تھی۔ صدارتی نظام اور اس کا مضبوط مرکز، بنیادی جمہوریتیں، نوکر شاہی کا رویہ اور دولت کا بائیس خاندانوں میں ارتکاز، ۱۹۶۵ء کی جنگ اور معاہدہ تاشقند، ایوب خاں کے اہل خاندان پر ناجائز ذرائع سے دولت اکھٹی کرنے کے الزامات، عشرہ ترقی کی تقریبات اور سیاسی پابندیاں — یہ تھے وہ عوامل جو ایوب حکومت کے خلاف لوگوں میں نفرت کے فروغ کا سبب بنے۔ سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ قائم کر کے حکومت کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کر دیا۔ حزب اختلاف کے مطالبات میں پارلیمانی نظام حکومت، بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات، ہنگامی حالت کا خاتمہ، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور اظہار رائے کی آزادی شامل تھی۔

---

۴۷ Damodar P. Singhal, Pakistan, p. 184.

Marfat.com

مولانا بھاشانی نے ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں تشدد کا پرچار کیا اور "گھیراؤ اور جلاؤ" کی تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ انہوں نے آزادی کا نعرہ بھی بلند کیا۔ دسمبر ۱۹۶۸ء اور جنوری ۱۹۶۹ء کے دوران مشرقی پاکستان ہڑتالوں، گرفتاریوں اور بلوؤں کی آماجگاہ بنا رہا، پولیس اور طلبار کے درمیان کئی خونیں تصادم ہوئے جن میں متعدد انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ امن عامہ کی صورت حال مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ گئی۔ سرکاری املاک کو نذر آتش کیا گیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے اراکین، وزرار اور کنونشن لیگ کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین پر حملے کیئے گئے اور یوں ایوب خان کے اقتدار اور آمریت کی ہر علامت کے خلاف اظہار نفرت کیا گیا۔ متعدد مقامات پر کرفیو کی خلاف ورزی کی گئی اور فوج اور مغربی پاکستان کے خلاف نعرے بلند کیئے گئے اور "عوامی جذبات کا جو آتش فشاں ایک مدت سے اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ آخر کار اپنی حشر سامانیوں سمیت پھٹ پڑا اور اس نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں"۔[۷۵] انتظامی مشینری صورت حال کو سنبھالنے میں بری طرح ناکام ہوگئی۔ حالات کی رفتار سے صاف ظاہر تھا کہ ملک بالآخر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔[۷۶]

۱۹۶۸-۶۹ء کے ہنگاموں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارتی تخریب کاروں کی ایک بڑی تعداد مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکی تھی۔ حکومت ہند کے بھیجے ہوئے ان تخریب کاروں نے مقامی ہندوؤں کے ساتھ مل کر احتجاجی مظاہروں میں بھرپور حصہ لیا اور باغیانہ نعرہ بازی کی۔ یہاں ان عناصر نے حتیٰ کہ ڈھاکہ شہر میں بھی "بندے ماترم"، "جے ہند" اور "اکھنڈ بھارت"

۷۵:۔ بحوالہ محمد عباس علی - ص ۲۷

۷۶:۔ ڈیلی ٹیلیگراف یکم اپریل ۱۹۷۲ء، ایوب خان کو قومی یکجہتی کے لئے اپنی مساعی کے انجام کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں ایک انٹرویو میں ایوب خان نے کہا کہ انہوں نے مشرقی پاکستان کو آزادی کی پیشکش کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر بعض وجوہ کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے۔

Marfat.com

جیسے نعرے بلند کیے۔[۷۷]

فروری ۱۹۶۹ء تک علیحدگی پسندی کے رجحانات عام ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ قومی اسمبلی کے ایک مسلم لیگی رکن نے ایوب خان سے اپنے اس نقطۂ نظر کے عام اظہار کی اجازت چاہی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان دو الگ الگ ریاستیں ہونی چاہییں[۷۸] جب اس رکن اسمبلی سے اس کی درخواست کا جواز پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے بتایا کہ" اپنی ذات اور املاک کو بچانے کے لیے انتہا پسندانہ بیان بازی ناگزیر ہے۔"[۷۹] مشرقی پاکستان میں ہوا کے رُخ کا اندازہ لگانے کے لیے یہ ایک مثال کافی ہے۔

صورت حال روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اخبارات میں صوبے کے بعض حصوں میں لوگوں کو ہلاک کرنے اور زندہ بھوننے کی اطلاعات شائع ہوئیں[۸۰] پورا ملک خوف، تشدد اور غنڈہ گردی کی زد میں تھا۔ ایوب خان نے مارشل کے ذریعے حالات پر قابو پانا چاہا، مگر ان پر جلد ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے زیادہ عرصہ تک فوج پر بھروسہ نہیں کر سکتے[۸۱]۔ چنانچہ انہیں بے پناہ سیاسی دباؤ کے زیر اثر مجیب الرحمٰن اور دیگر سیاسی قیدیوں کو رہا کرنا پڑا۔ رہائی کے بعد مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کی بنیاد پر اپنی احتجاجی سیاست کا از سر نو آغاز کر دیا۔ حالات و واقعات نے ان کی ہر دلعزیزی میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب مشرقی پاکستان

۷۷:۔ بحوالہ محمد عباس علی ص۔ ۲۹

۷۸ S. M. Zafar, Through the Crisis, p. 176.

۷۹:۔ ایس ایم ظفر، تھرو دی کرائسز، ص ۱۷۶

۸۰:۔ دی پاکستان آبزرور۔ ۱۷۔ ۱۸ مارچ ۱۹۶۹ء

۸۱:۔ دی پاکستان آبزرور ۱۸۔ ۲۰ مارچ ۱۹۶۹ء، اور ہربرٹ فیلڈمین، دی اینڈ اینڈ دی بگننگ ص ۱۶

Marfat.com

میں مجیب کے سوا کوئی لیڈر نہیں رہا۔

ایوب خان نے ۲۶ فروری اور ۱۰ مارچ ۱۹۶۹ء کو سیاسی رہنماؤں کے ساتھ گول میز کانفرنس کی۔ حزبِ اختلاف کے رہنماؤں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مجیب الرحمٰن چھ نکات پر اپنا رویہ نرم کریں مگر وہ اپنے مؤقف پر مصر رہے۔ ایوب خان نے چھ نکات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک ان نکات کا مقصد فیڈریشن نہیں بلکہ کنفیڈریشن کا قیام تھا۔[۸۲] اور یہ کہ ان کے نتیجہ میں پاکستان بالآخر دو ریاستوں میں تقسیم ہو جائے گا۔[۸۳] ایوب خان نے انکشاف کیا کہ صوبے میں قحط کے حالات پیدا کرنے کے لیے شہروں میں ایسٹ بنگال رائفلز کی تعیناتی کے بعد سے گندم کی ایک بہت بڑی مقدار بھارت کو سمگل کر دی گئی ہے۔ ایوب خان نے یہ بھی بتایا کہ تقریباً ۳۰ ہزار مسلح بھارتی تخریب کار مشرقی پاکستان میں گھس کر لوٹ مار اور قتل و غارت میں مصروف ہیں۔[۸۴] کچھ روز بعد ان تخریب کاروں کی غارت گری کی تفصیلات اخبارات میں شائع کی گئیں مگر بھارتی حکومت کی طرف سے ان کی کوئی تردید نہ کی گئی۔ دریں اثنا یحییٰ خان، ایوب خان کے گرد سازشوں کا جال بن چکے تھے اور انہوں نے عملی طور پر ان کا رابطہ ایوانِ صدارت سے باہر کی دنیا سے منقطع کر رکھا تھا۔[۸۵] یحییٰ خان نے ایوب خان کو صدارت سے ہٹانے کے لیے مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کو جو کہ پہلے ہی ایوب خان کے دشمن تھے، اپنا آلہ کار بنایا۔ یحییٰ خان اس سلسلہ میں بھاشانی کا تعاون حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ بھاشانی نے

۸۲:۔ بحوالہ ایس ایم ظفر ص ۱۵۵ - ۱۵۷

۸۳:۔ اردو ڈائجسٹ، اپریل ۱۹۶۹ء

۸۴:۔ اردو ڈائجسٹ، اپریل ۱۹۶۹ء

۸۵:۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ الطاف گوہر کا مضمون، اردو ڈائجسٹ، اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ مزید ملاحظہ ہو" سندھ بلوچستان ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ میں الطاف گوہر کا بیان ۔ "دی سن" ۲۹ ستمبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

بھٹو کے ساتھ مل کر ایسے حالات پیدا کئے جو پُرامن انتقال اقتدار کو ناممکن بنانے کا باعث بنے۔[۸۶] اس امر کے واضح شواہد موجود ہیں کہ یحییٰ خان نے گول میز کانفرنس کے دوران مجیب الرحمٰن سے خفیہ ملاقاتیں کی تھیں اور انہیں یقین دلایا تھا کہ ملک میں مارشل لا نافذ نہیں کیا جائے گا۔ مجیب الرحمٰن، یحییٰ خان کے بچھائے ہوئے اس دام ہم رنگ زمین سے بچ نہ سکے اور جب ایوب خان کے استعفیٰ کے بعد ملک میں مارشل لأ کا اعلان کیا تو وہ گول میز کانفرنس کی ناکامی میں حصّہ دار ہونے پر سخت متاسف تھے۔[۸۷]

یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ یحییٰ خان نے مظاہرین اور ایوب خان کے خلاف عناصر کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کھُل کھیلیں فوج مداخلت نہیں کرے گی، چنانچہ جب تک اقتدار یحییٰ خان کے حوالے نہ کر دیا گیا۔ فوج خاموش تماشائی کیطرح ملکی سالمیت کو داؤ پر لگتا دیکھتی رہی۔

حزب اختلاف کے رہنماؤں کے اندرونی اختلافات، مجیب الرحمٰن کے چھ نکات پر اصرار اور بھاشانی اور بھٹو کے عدم تعاون کے ردّیے کے نتیجے میں گول میز کانفرنس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھ پُرامن انتقال اقتدار کی آخری کوشش بھی دم توڑ گئی۔ گول میز کانفرنس کی ناکامی گھمبیر سیاسی حالات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس نے پاکستان کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ اگر سیاستدان پُرامن انتقال اقتدار کی راہ میں حائل نہ ہوتے اور ایوب خان کے پارلیمانی نظام اور براہ راست انتخابات کے مطالبے کو تسلیم کرتے، آئندہ انتخابات میں امیدوار نہ بننے کی پیش کش قبول کر لیتے تو شاید ہمیں ۱۹۷۱ء کے المیہ کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

---

۸۶ :۔ انٹرویو پروفیسر غلام اعظم، ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" ص ۱۵

۸۷ ——— ایضاً ———

آئین کے مطابق اس صورت حال میں ایوب خاں کو اقتدار سپیکر قومی اسمبلی کے سپرد کر دینا چاہیئے تھا تاکہ وہ مقررہ وقت میں انتخابات کروا تے، لیکن ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان نے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا، آئین منسوخ قرار پایا اور اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کر دیا گیا۔ اپنے الوداعی خطاب میں ایوب خان نے کہا "کہا یہ جا رہا ہے کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، مرکز کو کمزور اور بے یار و مددگار بنا دیا جائے، افواج پاکستان کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا جائے اور مغربی پاکستان اپنی سیاسی پوزیشن سے دستبردار ہو جائے۔ میں بحیثیت صدر اپنے ملک کی تباہی میں فریق نہیں بن سکتا۔"

---

۴۴ :۔ دی پاکستان ٹائمز۔ ۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء

Marfat.com

Marfat.com

باب ۳

دُوسرا مارشل لاء، چھ نکات اور مُجیب الرحمٰن کے عزائم (۷۰-۱۹۶۹ء)

ایوب خان اور یحییٰ خاں بالکل مختلف حالات میں ایوان حکومت میں داخل ہوئے۔ جب ایوب خاں نے اقتدار سنبھالا اس وقت سیاسی ادارے اپنا اعتماد کھو چکے تھے۔ اور عوام سیاستدانوں کی سازشوں، بدعنوانیوں اور کہہ مکرنیوں سے تنگ آچکے تھے۔ ارکان اسمبلی کی دغا داریوں میں آئے دن تبدیلی نے پارلیمانی نظام کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ قوم کسی ایسے مرد راہ داں کی منتظر تھی جو اس کے بھٹکے ہوئے کارواں کو ایک دفعہ پھر جانب منزل گامزن کر سکے۔ چنانچہ ایوب خاں کی آمد کو عوام نے وسیع پیمانے پر خوش آمدید کہا۔ تاہم بنگالی دانشوروں نے اس تبدیلی کو مغربی پاکستانیوں کی سازش قرار دیا اور الزام لگایا کہ اس سازش کے ذریعے وہ پورے ملک پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے تھے۔

اس کے برعکس جب یحییٰ خاں برسر اقتدار آئے تو حالات کلیتاً مختلف تھے۔ قوم پہلے ہی مارشل لاء کے ایک طویل دور سے گزرنے کے بعد اس کے نتائج بھگت رہی تھی۔ فوج اپنا اعتماد مکمل طور پر کھو چکی تھی اور پارلیمانی نظام کے قیام کی جدوجہد ایک منظم تحریک کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ ان حالات میں یحییٰ خاں کے مارشل لاء کے نفاذ نے عوام کو وسوسوں کا شکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا اب انہیں ایک بار پھر فوجی اقتدار کے طویل دور سے گزرنا پڑے گا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یحییٰ خاں کی آمد کو "ایوب خاں کے بھوت"[1] کی واپسی قرار دیا۔ چنانچہ یحییٰ خاں نے مناسب سمجھا کہ

---

[1] دی "ٹائمز"، ۲۷ مارچ ۱۹۶۹ء اور "دی سنڈے ٹائمز" ۶ اپریل ۱۹۶۹ء

Marfat.com

سب سے پہلے لوگوں کے دلوں سے یہ خدشات دور کئے جائیں کہ فوج نے کسی طویل المدت منصوبہ کے تحت اقتدار سنبھالا ہے۔ انہوں نے بار بار عوام کو یقین دہانی کرائی کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں اور یہ کہ فوج جمہوری عمل کے جاری ہوتے ہی بیرکوں میں لوٹ جائے گی۔

یحییٰ خاں کی حکومت ہر اعتبار سے ایک خالص فوجی حکومت تھی۔ جب کہ ایوب خاں کی حکومت ایک ایسی نیم سیاسی حکومت تھی۔ جس پر افسر شاہی کا غلبہ تھا۔ یحییٰ خاں نے فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ بدستور اپنے پاس رکھا اور حاضر جرنیلوں کو مرکزی وزارتوں اور صوبوں کی گورنری پر فائز کیا۔ ایوب خاں کے دور میں افسر شاہی کے اراکین اور سیاستدان صدر کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے اور انہیں ملکی امور میں فیصلہ کن مقام حاصل تھا۔ جبکہ یحییٰ دور حکومت میں حقیقی اقتدار جرنیلوں کے پاس تھا۔ اگرچہ یحییٰ خاں کے مارشل لاء کو "بے ضرر" مارشل لاء کہا گیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں پہلی بار فوج کی حکومت حقیقی معنوں میں ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی۔

یحییٰ خاں کا مارشل لاء ایک اعتبار سے بہت کمزور مارشل لاء تھا۔ اس میں نہ صرف ایک فوجی حکومت کا رعب اور دہشت مفقود تھی بلکہ اس کے اعضاء و جوارح اس فہم و فراست سے بھی محروم تھے جو حکمرانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہے۔ خود یحییٰ خاں کا شمار فوج کے اوسط درجے کے جرنیلوں میں ہوتا تھا اور ان کی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کو کسی "غیر معمولی سیاستدان"[2] سے کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسری طرف ملک کو درپیش بحران کی شدت فوجی حکومت کی اہلیت سے کہیں بڑھ کر تھی۔

مارشل لاء حکام اور سول انتظامیہ کے درمیان تعاون کا فقدان مشرقی پاکستان میں خاص طور پر نمایاں تھا۔ فوجی حکومت سیاست کے میدان میں نووارد تھی اور انتظامی امور میں بھی اس کا تجربہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ وہ مشرقی پاکستان میں صورتِ حال پر خاطر خواہ طور پر

2: Wayne Wilcox, The Emergence of Bangladesh, p. 15.

Marfat.com

تابع نہ پا سکی۔ مارشل لاء کی صوبائی انتظامیہ اس امر کی شاکی تھی کہ وفاقی حکومت موقع پر موجود حکام کی رائے حاصل کئے بغیر یا اس کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔ دوسری طرف سول انتظامیہ فوج کو مشرقی پاکستان کے امور میں گڑبڑ کا ذمہ دار گردانتی تھی۔

مشرقی پاکستان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال اور عوام کے مسائل کے حل کے لئے کسی بھرپور اور فوری کوشش کی ضرورت تھی۔ مگر نئی حکومت نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ وہ وقت کے تقاضوں کا سامنا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ وہ مسائل جنہیں ایوب خان جیسا "سیاستدان" حل نہ کر سکا۔ اپنی سنگینی کے اعتبار سے یحییٰ خان جیسے "سپاہی" کی استعداد سے کہیں بڑھ کر تھے۔[3]

مشرقی پاکستان کی غیر بنگالی آبادی نے فوج کی آمد پر سُکھ کا سانس لیا تاہم بنگالیوں نے اس پر کڑی تنقید کی اور اپنے جذبات کے فوری اظہار کے لئے احتجاجی جلوس نکالے۔ اگرچہ اخبارات مارشل لاء کے نفاذ پر خاموش رہے مگر عوامی احتجاج کا سلسلہ کچھ دیر چلا، اور بعض گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔[4] شام ڈھلنے کے بعد ڈھاکہ کی گلیوں میں مشعل بردار جلوسوں کی طرف سے کرفیو کی خلاف ورزی کی خبریں بھی منظرِ عام پر آئیں۔ بنگالی دانشوروں کے ردِ عمل کا اندازہ مشرقی پاکستان کے ایک ماہرِ اقتصادیات رحمان سبحان کی اس رائے سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق ۱۹۵۸ء کی طرح موجودہ مارشل لاء بھی "عوام کی جمہوری امنگوں کو کچلنے کے لئے اہلِ اقتدار اور فوج کی مشترکہ سازش ہے۔"[5] بنگالی عوام کے اس

3: Kuldip Nayyar, Distant Neighbours, p. 138.

۴: جولائی میں "ایسٹ ویسٹ ریویو" ڈھاکہ کے ایڈیٹر کو "مارشل لاء جاری رکھنے پر تنقید" کے الزام میں ایک سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ دی گارڈین ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء

۵: دی نیو سٹیٹس مین، لندن ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء

Marfat.com

تاثر نے کہ مارشل لا، مشرقی پاکستانیوں کو سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم رکھنے کے لئے لگایا گیا ہے، انہیں اپنی جدوجہد تیز تر کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس احساس نے صوبے کے تعلیم یافتہ طبقوں میں اتحاد کا جذبہ پوری شدت سے پیدا کیا اور جو آخر کار مارچ ۱۹۷۱ء میں عوامی لیگ کے لئے ان طبقوں کے بھرپور تعاون کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مارشل لا کے نفاذ کے بعد پاکستان جمہوری تحریک (پی۔ ڈی۔ ایم) نے مشرقی پاکستان میں نورالامین کی قیادت میں چھ نکات کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ مجیب پر گول میز کانفرنس کے دوران انتہا پسندانہ رویہ اختیار کر کے مارشل لا، کا جواز فراہم کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ پی۔ ڈی۔ ایم کا خیال تھا کہ مجیب الرحمٰن کا رویہ ملک میں جمہوریت کی بحالی میں مزید تاخیر کا باعث بنے گا۔ پی۔ ڈی۔ ایم کے لیڈروں نے ملکی مفاد کے پیشِ نظر مجیب الرحمٰن کے خفیہ عزائم کو طشت از بام کرنے اور عوام کو اس کا اصل چہرہ دکھانے کے لئے حکومت کا تعاون حاصل کرنا چاہا، مگر ناکام رہے۔[۷۶] تاہم مجیب الرحمٰن کے علیحدگی پسندانہ رجحانات کی بنا پر عوامی لیگ کا ایک حصہ عبدالسلام خان کی قیادت میں ان سے علیحدہ ہو گیا۔[۷۵]

مجیب الرحمٰن کو گرفتار کرنے کی بجائے نئی حکومت نے ان سے خوش آمدانہ رویہ اختیار کیا۔ مستقبل کا وزیر اعظم گردانتے ہوئے مشرقی پاکستان کی انتظامیہ نے بھی اسے غیر معمولی اہمیت دی۔ چھوٹے سرکاری اہلکاروں سے لے کر اعلیٰ افسران تک ہر ایک نے مجیب الرحمٰن کے قریب ہونے کی کوشش کی اور انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے ہر سرکاری راز سے

---

۷۴ : باخبر ذرائع کی مصنف کو فراہم کردہ معلومات

۷۵ : عبدالسلام خان نے ۷ ارمئی کو ڈھاکہ میں برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر کی طرف سے دی گئی ایک ضیافت میں مجیب کے ساتھ اپنے اختلافات کا اظہار کیا۔

Marfat.com

آگاہ کیا۔[8] بنگال کی افسر شاہی کوئی بھی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے مجیب الرحمٰن سے مشورہ ضروری سمجھتی۔ یہاں تک کہ گورنر احسن کی بھی مجیب الرحمٰن سے گاڑھی چھننے لگی اور یحییٰ خاں نے انہیں "اپنی خصوصی توجہ کا مستحق گردانا۔"[9] اس طرح مجیب الرحمٰن نے انتخابات سے بہت پہلے پاکستان کی "غیر مرئی" حکومت کے وزیر اعظم کا مقام حاصل کر لیا۔[10]

اکتوبر ۱۹۶۹ء میں مجیب الرحمٰن نے لندن کے دورے کے دوران اپنے ایک دوست کو خفیہ ملاقات کے دوران بتایا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی بہر صورت ناگزیر ہے۔ مگر فی الحال یہ اقدام مناسب نہیں کیونکہ مشرقی پاکستان ابھی معاشی طور پر علیحدگی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ ان کا منصوبہ یہ ہے کہ پہلے پورے پاکستان میں سیاسی اقتدار پر قبضہ حاصل کیا جائے اور اس کے بعد مشرقی پاکستان میں صنعتوں کے قیام کے ذریعے پسماندگی دور کر کے آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت پاک فوج ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم مشرقی پاکستان ملیشیا کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مجیب الرحمٰن نے مزید کہا کہ اگر مارشل لا جاری رہا تو ہم بہر صورت مزاحمت کریں گے۔ پھر مجیب الرحمٰن نے پوچھا کہ کیا اس مقصد کے لئے اسلحہ کا حصول ممکن ہوگا۔ مجیب کے دوست کا جواب اثبات میں تھا۔[11]

8:
G. W. Choudhury, "The Last Days of United Pakistan, A Personal Account", International Affairs (London), April 1973, p. 1969.

۹ : گورنر احسن نے پروفیسر غلام اعظم کو بتایا کہ یحییٰ خاں کے ساتھ ان کی خفیہ اشاروں میں ہونیوالی گفتگو بھی مجیب تک پہنچ جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو انٹرویو پروفیسر غلام اعظم اسلامی جمہوریہ ۲۵ ستمبر ' ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۱۶۔

۱۰ : ایضاً

۱۱ : مصنف نے یحییٰ خاں کے ایک قریبی ساتھی کے پاس یہ رپورٹ خود دیکھی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو' دی گارجین لندن ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء

Marfat.com

اس ملاقات کی مکمل رپورٹ یحییٰ خاں کو موصول ہوئی مگر انہوں نے اس پر کوئی کارروائی کرنا مناسب خیال نہ کیا۔

فوجی حکومت نے مغربی پاکستان کے سیاستدانوں میں صرف ذوالفقار علی بھٹو کو درخورِ اعتنا سمجھا۔ بھٹو نے ایوب خاں کے خلاف عوامی تحریک کی راہنمائی نہایت کامیابی سے کی تھی۔ چنانچہ فوجی حکمران ان کی ہر دلعزیزی سے خائف تھے۔ اس خوف نے فوجی حکومت کے آئندہ لائحہ عمل کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ کئی اہم جرنیلوں نے بھٹو سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں اقتدار کی سیاست نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا۔ یحییٰ خاں اور مجیب الرحمٰن کے تعلقات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ مجیب الرحمٰن کا دعویٰ تھا کہ یحییٰ خاں اس کو کسی مطالبے پر "نہ" نہیں کہہ سکتے۔[۱۲]

دوسری طرف فوجی حکومت کے دو اہم ستون جنرل پیرزادہ اور ایئر مارشل رحیم، ذوالفقار علی بھٹو کے ہمراز سمجھے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال خطرات سے خالی نہیں تھی۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا کہ یحییٰ خان اور بعض جرنیلوں میں رسہ کشی کا عمل جاری ہے۔

یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سیاسی رہنماؤں سے مذاکرات کئے اور انہیں یقین دلایا کہ عام انتخابات بہت جلد منعقد کئے جائیں گے۔ ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو ایک نشریے میں یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ چونکہ سیاست دان ون یونٹ اور مساوات کے اصول پر متفق نہیں ہیں اس لئے حکومت نے ون یونٹ کو توڑنے اور ایک شخص ایک ووٹ کے اصول کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یحییٰ خان کے ان دو یکطرفہ فیصلوں نے پاکستان کے سیاسی مستقبل پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

یحییٰ خان کے ان فیصلوں پر مختلف حوالوں سے کڑی تنقید کی گئی۔ ناقدین کا مؤقف یہ تھا

---

۱۲ : ایک عینی شاہد کی مصنف سے گفتگو۔

Marfat.com

کہ یحییٰ خان کو قوم نے آئینی نوعیت کے ایسے اہم اقدام کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ یہ فیصلے صرف قومی اسمبلی کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں مساوات کے اصول کو پاکستان کی مخصوص جغرافیائی اور سیاسی صورتِ حال کے پیشِ نظر ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت حاصل تھی۔ ماضی کے تمام آئینوں میں اس کی تصریح موجود تھی۔ علاوہ ازیں مساوات کا یہ اصول مشرقی پاکستان کے بیشتر منتخب نمائندوں کی رضامندی سے اختیار کیا گیا تھا۔ مگر یحییٰ خاں نے مجیب الرحمٰن کی خوشنودی کی خاطر اس تسلیم شدہ آئینی اصول میں ترمیم کر دی اور یوں عوامی لیگ کے لئے علیحدگی کا راستہ مزید ہموار کر دیا گیا۔ یحییٰ خاں نے مشرقی پاکستانیوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں وفاقی انتظامیہ میں برابر کی نمائندگی دینے کا اعلان کیا۔ اس فیصلہ کو ملک بھر میں سراہا گیا۔ مگر بنگال کے علاقائیت پسند سیاستدان اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ بنگالیوں کو ہر شعبہ زندگی میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے دوسری طرف کلیدی اسامیوں پر فائز کئے جانے والے بیشتر بنگالیوں نے مجیب الرحمٰن کا آلہ کار بن کر انہیں اہم نوعیت کی سرکاری اطلاعات اور اعداد وشمار فراہم کئے جنہیں انہوں نے اپنی انتخابی مہم کے دوران بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے کے لئے استعمال کیا۔

یحییٰ خان کو چاہیئے تھا کہ وہ ون یونٹ اور مساوات کے اصول کے خاتمے جیسے اہم فیصلے کرتے وقت علاقائی خود مختاری کے مسئلہ کا حل بھی تجویز کر دیتے۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور پیچیدہ شکل اختیار کر چکا ہے اور یہ کہ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا مقصد ہی اپنے علاقائی خود مختاری کے مخصوص نظریے کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ گول میز کانفرنس کے دوران اپنی تقریر میں وہ ملک کے لئے دو کرنسیوں کا مطالبہ کر چکے ہیں اور یہ کہ ان کے چھ نکات کو مغربی پاکستان کے سیاستدانوں سمیت، کانفرنس کے دیگر شرکاء کی تائید حاصل نہیں تھی۔ لیکن یحییٰ خان نے علاقائی خود مختاری کے مسئلہ کو بنگالی سیاستدانوں کی انتخابی مہم کا نعرہ بننے کے لئے حل طلب ہی رہنے دیا۔

یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو سیاسی سرگرمیوں سے پابندی اٹھا کر سیاسی جماعتوں کو سال کے آخر

Marfat.com

میں ہونے والے انتخابات کے لئے مہم چلانے کی اجازت دے دی گئی۔ تین ماہ بعد یعنی ۳۰ مارچ کو یحییٰ خاں نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کرنے کا اعلان کیا۔[۱۳] یہ دستاویز پاکستان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔[۱۴] لیگل فریم ورک آرڈر کے نمایاں نکات یہ تھے۔

۱۔ قومی اسمبلی ۳۱۳ اراکین پر مشتمل ہوگی۔ جس میں ۱۳ نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہوں گی۔ مشرقی پاکستان کے لئے ۱۶۹ مخصوص کی گئیں۔ جن میں سے سات نشستیں خواتین کی تھیں۔

۲۔ تمام نشستوں پر انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔

۳۔ آئین میں مندرجہ ذیل اصولوں کی تصریح کی جائے گی۔

i۔ پاکستان کا طرز حکومت وفاقی ہوگا اور یہ ایک اسلامی جمہوریہ ہوگا۔

ii۔ اسلامی نظریہ کو تحفظ دیا جائے گا۔

iii۔ سربراہ مملکت لازمی طور پر مسلمان ہوگا۔

iv۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کی ضمانت دی جائے گی۔

v۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں اختیارات تقسیم کرتے وقت صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں گے۔ تاہم وفاقی حکومت کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو ملک کی آزادی اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں۔

vi۔ ملک کے دونوں حصوں کے درمیان تفاوت کے تمام مظاہر ایک متعینہ مدت میں ختم کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ ۱۲۰ دنوں کے اندر آئین تیار کیا جائے گا۔ بصورت دیگر قومی اسمبلی کو کالعدم قرار دے

---

[۱۳] : ملاحظہ ہو مصنف کی تصنیف "پاکستان ڈیوائڈڈ"۔

[۱۴] : ایل ایف او تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو ہربرٹ فیلڈمین کی "دی اینڈ اینڈ بگننگ" ص ۶۷۔

Marfat.com

دیا جائے گا۔

۵۔ صدر کو قومی اسمبلی کے منظور شدہ آئین کی توثیق کرنے، اسے مسترد کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

ایل ایف او میں آئینی مسودہ منظور کرنے کے لئے درکار ارکان اسمبلی کی تعداد متعین نہیں کی گئی تھی۔ یہ غلطی سنگین نتائج کا باعث بنی۔ اگر آئین کی منظوری کے لئے ۲/۳ اکثریت لازمی قرار دے دی جاتی تو آئین سازی کے عمل میں دونوں صوبوں کی شمولیت بغیر کسی قسم کے خدشات کے یقینی ہو جاتی۔ ایل ایف او کی اس خامی کو سوچی سمجھی شرارت قرار دیا گیا۔ جس کا مقصد آئین کی منظوری کے لئے مقرر کی گئی ۱۲۰ دن کی مدت اسی نکتے پر بحث مباحثے میں صرف کر دینا تھا۔[۱۵] ایل ایف او پر متعدد اعتراضات کئے گئے۔ بنگالیوں کا موقف تھا کہ صدر کی توثیق کی شق نے قومی اسمبلی کی خودمختاری کو محدود کر دیا ہے۔ کیونکہ "اقتدار اعلیٰ" کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی بیرونی تائید یا ویٹو یا وقت کی قید اور اختیارات کی تحدید کے بغیر آئین منظور کر سکے۔[۱۶]

تاہم مذکورہ شق کے جواز میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ فریم آرڈر کے مصنف کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کسی فرد واحد کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بااختیار ہو عوامی تائید کے بغیر قومی اسمبلی کے فیصلہ کو مسترد کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔[۱۷]

بیشتر سیاسی جماعتوں نے صدر سے علاقائی خودمختاری کے مسئلہ کا تصفیہ کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ "اسے کلیتاً اسمبلی کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دیا جائے"[۱۸] مگر صدر یحییٰ خان

---

[۱۵] : ایضاً

[۱۶] : ہالیڈے (ڈھاکہ) ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

[۱۷] : زیڈ۔ اے بھٹو۔ ص ۷۵

[۱۸] : ہالیڈے۔ ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

Marfat.com

نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ "مجیب الرحمٰن کو اس کے انتخابی ثمرات سے محروم" نہیں کرنا چاہتے تھے۔[۱۹]

مجموعی طور پر ایل ایف او ایک غیر واضح دستاویز تھی اور اس کی بیشتر شقیں ابہام اور ژولیدگی کا مرقع تھیں۔[۲۰] ایل ایف او کے اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے ہفت روزہ "ہالیڈے" (۱۵ اپریل ۱۹۷۰ء) نے لکھا کہ "ایل ایف او ایک ایسا معمہ ہے جس کے حل کے لئے تمام دنیا کے قانون دانوں کو ابد تک سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا"۔[۲۱]

اس ضمن میں صدر یحییٰ خاں کے متضاد بیانات نے مزید شکوک کو جنم دیا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خاں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر قومی اسمبلی مقررہ مدت میں آئین تیار نہ کر سکی تو نئے انتخابات کرائے جائیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس اعلان پر شدید ردِ عمل کا اظہار کیا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پارٹی کسی نئے انتخاب میں حصہ نہیں لے گی۔ حالات کے تقاضوں کو سمجھنے اور مثبت رویہ اختیار کرنے کی بجائے یحییٰ خاں نے ۳ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ایک اور خطاب کے دوران دھمکی دی کہ اگر آئین تیار نہ ہو سکا تو مارشل لاء جاری رکھا جائے گا۔[۲۲] مارشل کتنی مدت کے لئے جاری رہے گا؟ یحییٰ خان کی تقریر میں اس کی کوئی وضاحت نہ تھی۔

بعض دانشوروں کے نزدیک مجیب الرحمٰن کا چھ نکاتی پروگرام ملک میں گذشتہ دو عشروں کے دوران ہونے والے سیاسی واقعات کا ناگزیر شاخسانہ تھا۔ اگرچہ پروگرام پر عمل درآمد کی

---

۱۹ : ہالیڈے ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۰ : بحوالہ فیلڈمین۔ ص ۶۲

۲۱ : ہالیڈے۔ ۵ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۲ : بحوالہ فیلڈمین۔ ص ۷۰

Marfat.com

صورت میں ملک کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کے امکانات موجود تھے۔ تاہم عوام کی اکثریت کا خیال یہ تھا کہ مجیب الرحمٰن نے یہ پروگرام مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ سے زیادہ علاقائی خودمختاری حاصل کرنے کی غرض سے مرکز پر دباؤ ڈالنے کے لئے پیش کیا ہے۔ اس تاثر کی بنیاد اس یقین دہانی پر تھی جو مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان کے بعض سیاسی رہنماؤں کو کرائی تھی۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مجیب نے اپنے دورۂ کراچی کے دوران عطاء اللہ مینگل اور اکبر بگٹی سے ملاقات کے دوران کہا تھا کہ ان کے چھ نکات حرفِ آخر نہیں تاہم وہ اس سلسلہ میں سخت مؤقف اختیار کر کے مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔[۲۳] اس طرح کی یقین دہانی مجیب الرحمٰن کے ہمراہ آنے والے عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمر الزماں نے سندھ کے ایک سیاستدان جام ساقی کو بھی کرائی۔[۲۴]

چھ نکات میں مشرقی پاکستان کے بعض جائز مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی اور مجیب الرحمٰن کا دعویٰ تھا کہ "یہ دراصل عوام کے وہ دیرینہ مطالبات ہیں جو کئی عشروں سے پذیرائی کے منتظر ہیں۔"[۲۵] تاہم ان تمام مطالبات کو دیرینہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس سے پہلے کبھی بھی مشرقی پاکستان کی طرف سے دو کرنسیوں اور صوبوں کے لئے بیرونی قرضوں اور تجارت کے حق کی بات نہیں کی گئی تھی۔ مجیب الرحمٰن نے بار بار اور واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ وہ چھ نکاتی فارمولا پر مذاکرات کے لئے تیار ہیں اور یہ کہ اس میں ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔[۲۶] مزید براں

---

۲۳ : ایک عینی شاہد سے ملاقات

۲۴ : ایک عینی شاہد سے ملاقات

25: Mujibur Rahman, 6-Point Formula: Our Right to Live, 25 March 1966, p. 1.

۲۶ : تعمیر (راولپنڈی) ۱ جولائی ۱۹۶۹ء، جنگ (راولپنڈی) ۲ نومبر ۱۹۶۹ء۔ مزید ملاحظہ ہو انٹرویو مجیب الرحمٰن، اردو ڈائجسٹ، جولائی ۱۹۶۹ء

Marfat.com

چونکہ اس فارمولے کو عوام کے سامنے ان کی اقتصادی پسماندگی دُور کرنے کے لئے اسم اعظم کے طور پر پیش کیا گیا تھا چنانچہ عوام کے علاوہ دانشوروں کا طبقہ چھ نکات کے مضمرات کو پوری طرح نہ سمجھ سکا اور مجیب الرحمن کی اس یقین دہانی کے پیش نظر کہ پروگرام کا مقصد مستحکم تر پاکستان کا قیام ہے، چھ نکات میں پنہاں علیحدگی کے جراثیم نہ دیکھ سکا۔

اس عرصے کے دوران دستور ساز اسمبلی اور قومی اسمبلی کی کارروائی اس امر کی شاہد ہے کہ بنگالی سیاستدان مشرقی پاکستان کی جانب مرکز کی سرد مہری پر مسلسل احتجاج کرتے رہے تھے۔ اسی طرح بنگالی دانشور اور عوام بھی " ملکی اقتدار میں نمائندگی کی کمی، اقتصادی ترقی میں علاقائی تفاوت اور مرکز اور مشرقی پاکستان کے درمیان اختیارات کی آئینی تقسیم میں بڑھتی ہوئی دخل اندازی "[۲۷] کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ آزادی کے صرف تین برس بعد ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے گرینڈ نیشنل کنونشن میں مطالبہ کیا گیا کہ مرکز کے پاس صرف تین محکمے یعنی دفاع، امور خارجہ اور کرنسی رہنے چاہئیں جبکہ باقی تمام محکمے صوبے کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔[۲۸] مشرقی پاکستان میں ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے یونائیٹڈ فرنٹ کے ۲۱ نکاتی پروگرام میں بھی مرکز کے لئے یہی تین شعبے مخصوص کئے گئے تھے۔ عوامی لیگ نے ۱۹۵۶ء کے آئینی بل پر بھی اسی بنا پر تنقید کی تھی کہ اس میں مشرقی پاکستان کے لئے منعدبہ خود مختاری کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ ۱۹۵۷ء میں مشرقی پاکستان اسمبلی نے مرکز کے لئے تین محکمے مخصوص کرنے کے مطالبے کا اعادہ کیا۔[۲۹] ایوب خان کے دور حکومت

27: Safar A. Akanda, "Last Pakistan and Politics of Regionalism" (Ph.D. Thesis, University of Denver), p. 23.

۲۸ : دی پاکستان آبزرور۔ ۶ نومبر ۱۹۵۰ء

۲۹ : دی مارننگ نیوز۔ ۴ اپریل ۱۹۵۷ء

Marfat.com

میں مرکز پر فوج اور افسر شاہی کا غلبہ رہا جس نے بنگالیوں کی رنجش میں اضافہ کیا۔ صوبائی خود مختاری کے لئے بنگالیوں کی جدوجہد مسلسل جاری رہی اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد اس میں مزید شدت آگئی۔ دریں اثنا یہی وہ دور تھا جب بعض مشرقی پاکستان کے ماہرینِ اقتصادیات نے دو معیشتی نظام کا تصور پیش کیا۔ جیسا کہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگالی بہت عرصہ پہلے ہی سے صرف تین محکموں کے حامل ایک کمزور مرکز کے طرفدار تھے۔ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کے علاقائیت پسند دانشوروں کے ساتھ مل کر بنگالی عوام کے اسی نقطۂ نظر کو دیگر تصریحات کے ساتھ اپنے چھ نکاتی فارمولا میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے باوجود اس کا دعویٰ تھا کہ یہ فارمولا ایک مضبوط پاکستان کی تشکیل کا باعث ہوگا۔

چھ نکات کی تشکیل کے بارے میں کئی نقطۂ نظر پیش کئے گئے ہیں۔ مجیب الرحمٰن نے علیحدگی کے لئے اپنی منصوبہ بندی کو خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ۱۹۴۸ء سے ہی اس کے لئے کوشاں تھے۔ مگر انہوں نے چھ نکات کی تصنیف کے بارے میں لب کشائی نہیں کی۔

چھ نکات کے بارے میں اس طرح کی آراء کہ ان کی بنیاد بھارت میں رکھی گئی یا ان کا خالق ایوب خان کی حکومت کا ایک اعلیٰ سرکاری افسر تھا، اب مستند نہیں سمجھی جاتیں۔ تازہ ترین تحقیق کے مطابق یہ پروگرام علاقہ پرست دانشوروں کی ذہنی تخلیق تھی۔ مارننگ نیوز نے جنوری ۱۹۷۴ء میں انکشاف کیا کہ ڈاکٹر مظفر احمد نے چھ نکات کے مسودے کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا تھا۔[۳۵] اسی طرح رحمان سبحان اور بعض دوسرے بنگالی ماہرین اقتصادیات نے ۱۹۶۶ء سے پہلے ایسے نظریات پیش کئے تھے جو بعد ازاں چھ نکات کی بنیاد بنے۔ فیلڈ مین بھی ایسے

---

[۳۵] : دی مارننگ نیوز، کراچی ۴ جنوری ۱۹۷۴ء، متعدد کتب کے مصنف ایم۔ اے چوہدری، ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات میں ریڈر تھے۔

Marfat.com

ہی دانشوروں کو چھ نکات کا خالق قرار دیتا ہے۔[۳۱]

۱۹۶۶ء میں تیار ہونے والے چھ نکاتی فارمولے کے اصلی مسودے میں ترمیم کے بعد اسے ۱۹۷۰ء میں عوامی لیگ کے انتخابی منشور کا حصہ بنا لیا گیا۔[۳۲] اگرچہ اس فارمولے کو چھ نکاتی پروگرام کا نام دیا گیا تاہم اس میں کئی اور نکات بھی شامل تھے۔ درحقیقت چھ نکاتی پروگرام کی شکل میں "۶۶ - ۱۹۴۷ء کے دوران مشرقی پاکستان کے مختلف راہنماؤں کی طرف سے فرداً فرداً پیش کئے گئے علاقائی مطالبات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔"[۳۳]

پروگرام میں ملک کے لئے ایک وفاقی اور پارلیمانی نظام تجویز کیا گیا تھا۔ بظاہر یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تھی مگر مجوزہ وفاق یک ایوانی تھا جس میں نمائندگی کی شرح آبادی کی بنیاد پر متعین کی گئی تھی۔ یہ تجویز وفاقی نظام کی روایت کے برعکس تھی۔ کسی بھی وفاق کو کامیابی سے چلانے کے لئے دو ایوانی مقننہ کی ضرورت اور اہمیت ایک مسلّمہ امر ہے۔ دوسرے ایوان کے بغیر آبادی کی بنیادوں پر تشکیل دی گئی مقننہ میں مغربی پاکستان کی حیثیت ہمیشہ کے لئے ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ علاوہ ازیں فارمولا میں ایک کمزور مرکز تجویز کیا گیا تھا جسے صرف دو محکمے دیئے گئے تھے۔ دونوں صوبوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کرنسیوں کا مطالبہ کیا گیا تھا اور صوبوں کو اپنی مالیاتی پالیسی تیار کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور مرکز کو دفاع اور امور خارجہ سمیت اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے صوبوں کا محتاج قرار دیا گیا تھا۔ صوبائی حکومتوں کو خارجہ

---

31. Herbert Feldman, From Crisis to Crisis, p. 183.

۳۲: چھ نکات کے اصلی اور ترمیم شدہ مسودے جدول نمبر ا پر دیئے گئے ہیں۔

33: Syed Humayun, "Sheikh Mujibur Rahman's 6-Point Formula" (unpublished M.A. Thesis, Political Science Department, Karachi University, 1973, p. 59.

Marfat.com

تعلقات اور بین الاقوامی تجارت کے لئے مذاکرات کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں صوبوں کے درمیان آخری مادی رابطہ یعنی مواصلات کو بھی صوبائی حکومتوں کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ چھ نکات کے تحت صوبوں کو ملیشیا یا نیم فوجی تنظیمیں قائم کرنے کا بھی اختیار تھا۔

متحدہ پاکستان کی مخصوص جغرافیائی اور سیاسی صورت حال کے پیشِ نظر ایک مستحکم اور مضبوط مرکز کو ہمیشہ ایک ناگزیر ضرورت سمجھا گیا مگر مجیب الرحمٰن کا تجویز کردہ مرکز دونوں صوبوں کو متحد رکھنے کا اہل نہیں تھا۔ باقی پہلوؤں سے قطع نظر چھ نکات میں امور خارجہ کے ایک بڑے حصے کو بھی مرکزی حکومت کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا تھا۔ مواصلات کو صوبائی تحویل میں دینے کی تجویز پہ کڑی تنقید کی گئی اور چھ نکات کے بہت سے ناقدین سے سوال کیا گیا کہ "کیا دنیا بھر میں کسی ایسے وفاق کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ جہاں ایک سے زیادہ پوسٹل سسٹم یا شہری ہوا بازی کے ادارے ہوں۔"[۳۴] دو کرنسیوں کے جواز میں مصر اور شام کے قلیل المدت مشترکہ وفاق کی نظیر پیش کی جا سکتی تھی۔ تاہم اس امر کی ضمانت موجود نہیں تھی کہ دونوں کرنسیوں کی قیمت یکساں رہے گی۔ کیونکہ GRESHAM گریشم کے اصول کے مطابق کمزور کرنسی مضبوط کرنسی کے مقابلے میں مارکیٹ میں زندہ نہیں رہ سکتی دوسری طرف ٹیکس لگانے کے اختیارات صوبوں کے سپرد کر کے مرکز کو ان کا دست نگر بنا دیا گیا تھا۔ یوں کوئی بھی صوبہ کسی مجبوری کو جواز بنا کر وفاقی محصولات کی ادائیگی سے انکار کر سکتا تھا۔[۳۵] چھ نکات کے مصنفین نے صوبوں کو غیر ملکی امداد اور تجارت کے اختیارات دے کر وفاق کے بنیادی تصور کی نفی کر دی تھی کیونکہ وفاقی حکومت میں یہ شعبے بلا استثنا مرکز کے پاس ہوتے ہیں۔ چنانچہ چھ نکات کے تحت مجوزہ نظامِ حکومت فیڈریشن سے زیادہ کنفیڈریشن

---

۳۴ : "دی پاکستان ٹائمز" ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء

۳۵ : زیڈ۔ اے بھٹو، دی گریٹ ٹریجڈی ص ۱۲ ۔

Marfat.com

قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چھ نکات کا مقصد مرکز کو اس حد تک کمزور کرنا تھا کہ وفاقی حکومت عملی طور پر غیر موثر اور حقیقی اختیار سے محروم ہو جاتی۔ مزید برآں چھ نکاتی فارمولا ایک مبہم دستاویز تھی جس کی ایک سے زیادہ توجیہات ممکن تھیں۔ فارمولے کے پہلے ہی نقطے میں کہا گیا تھا کہ پاکستان ایک حقیقی وفاقی ریاست ہوگا۔ یہ نقطہ ہر اعتبار سے ایک متحدہ پاکستان کی ضمانت دیتا ہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ پروگرام کا مقصد حقیقی معنوں میں ایک وفاقی حکومت کا قیام تھا۔ ایک تجزیہ نگار کے مطابق "مجیب الرحمٰن کا یہ پروگرام علیحدگی کا ایک موثر منصوبہ" تھا۔[۳۶] پروگرام کا ایک قابلِ غور پہلو یہ تھا کہ اس میں ایک ہاتھ سے مرکز کو جو کچھ دیا گیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیا گیا۔ مرکز کو دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی مگر دفاعی اخراجات کے لیئے اس کو کوئی وسائل مہیا نہیں کیئے گئے تھے۔ اس کے لیئے مرکز کو صوبوں پر انحصار کرنا تھا۔ اسی طرح خارجہ تعلقات مرکز کے پاس تھے، مگر غیر ملکی امداد اور تجارت کا نگران صوبوں کو قرار دیا گیا تھا۔[۳۷]

موجودہ دور میں کسی ملک خصوصاً پاکستان جیسی ترقی پذیر ریاست کے بیرونی تعلقات کے معاشی اور سیاسی پہلوؤں میں امتیاز کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ظفر اللہ خان نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ ایک ملاقات میں بتایا کہ مجیب الرحمٰن چھ نکات کے بارے میں بہت سے سوالات کا جواب نہیں دے سکے۔ بالخصوص ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ کیا مرکز کا اپنے اخراجات کے لیئے صوبوں کی امداد پر انحصار ایک قابلِ عمل اور حقیقت

36:-
G. W. Choudhury, "Bangladesh – Why It happened?" International Affairs, London, April 1972.

۳۷: ایضاً

Marfat.com

پسندانہ اقدام ہوگا؟ عام خیال تھا کہ مجیب الرحمٰن یا تو اپنے پروگرام کے تمام مضمرات سے آگاہ نہیں یا پھر اس کی منزل کچھ اور ہے۔ جب مجیب الرحمٰن سے پوچھا گیا کہ کیا ایک مضبوط مرکز دونوں صوبوں میں موجود اقتصادی تفاوت کو زیادہ بھرپور طور پہ دور کرنے کا اہل نہیں ہوگا تو انہوں نے صرف ایک "استفہامیہ مسکراہٹ" پر اکتفا کیا۔[38] بہرحال یہ امر طے شدہ ہے، کہ مجیب الرحمٰن کا پروگرام تضادات کا مجموعہ تھا اور اسے روبہ عمل لانا ممکن نہیں تھا۔

ملک کے سیاسی افق پر نمودار ہونے والے واقعات کے بعد اب یہ امر کوئی راز نہیں رہا تھا کہ عوامی لیگ صوبائی خودمختاری کے مطالبے کی آڑ میں علیحدگی کا کھیل کھیل رہی ہے۔ ۲، مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد کے حالات نے تصدیق کر دی کہ چھ نکات کی حیثیت "مکمل علیحدگی کے منصوبے کو چھپانے کے لئے نقاب سے زیادہ نہیں اور یہ کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک طویل عرصے سے تیاریاں (جن میں اسلحہ کا حصول بھی شامل تھا) کی جارہی ہیں۔"[39] چھ نکات نے "پاکستان کی بنیادوں خصوصاً اس کی یک جہتی کو شدید گزند پہنچائی اور اس طرح ملک کے وجود ہی کو خطرہ میں ڈال دیا گیا۔ ان نکات کے ذریعے جس خودمختاری کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کا مطلب آزادی سے کچھ کم نہ تھا۔[40] اگرچہ چھ نکات میں مغربی پاکستان کے صوبوں کے حوالے سے خودمختاری کا کوئی خصوصی حوالہ موجود نہیں تھا تاہم عوامی لیگ کی قیادت کو یقین تھا کہ ان نکات کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں بھی تقسیم کا عمل شروع ہو جائے گا۔ ریڈیو کابل نے اپنے ایک نشریے میں علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا

38:- Muhammad Zafarullah Khan, "The agony of Pakistan" pp. 127-128.

۳۹ : ایضاً۔ ص ۱۳۳

40:- David Loshak, Pakistan Crisis, p. 60.

Marfat.com

کہ چھ نکات کے نفاذ کے نتیجہ میں پاکستان کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ ریڈیو کے ایک تبصرے کے مطابق "اس صورت میں نہ صرف بنگال آزاد ہو جاتا بلکہ پاکستان اپنی دوسری نوآبادیوں مثلاً پختونستان اور بلوچستان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا"[۴۱] مغربی پاکستان کے شہری سیاسی حلقے دوسرے عوامل کے علاوہ چھ نکات کے اس پہلو سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس پروگرام کی بھرپور مخالفت کی۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں شیخ مجیب نے کہا کہ "وہ مکمل خودمختاری کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اگر جمہوری عمل کو روکا گیا تو وہ عوام کو لڑنے کے لئے گلیوں میں لے آئیں گے تاکہ ہم آزاد قوم کے طور پر زندہ رہ سکیں"[۴۲] ۲۱ ستمبر کو نرائن گنج میں تقریر کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "چھ نکات سے پاکستان اور اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ سید پور (رنگ پور) میں انہوں نے کہا کہ عوامی لیگ کے چھ نکات سے پاکستان تباہ نہیں ہو جائے گا۔ ڈھاکہ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "میں حیران ہوں کہ مشرقی پاکستان جو آبادی کی اکثریت کا حامل ہے علیحدگی کیوں چاہے گا؟ اگر وہ (مغربی پاکستان) علیحدہ ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں"[۴۳] اس سے پیشتر عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمر الزماں نے مئی ۱۹۷۰ء میں کہا کہ پاکستان ایک ایسا وفاق ہونا چاہیئے جس میں تمام وحدتوں کو مکمل خودمختاری حاصل ہو۔[۴۴] انہوں نے مزید کہا کہ چھ نکات کا کوئی نکتہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے منافی نہیں ہے[۴۵]۔ ایک اور موقع پر قمر الزماں نے کہا مغربی اور مشرقی پاکستان کے رشتے ناقابلِ شکست ہیں اور عوام کو

---

۴۱ : ریڈیو کابل کا تبصرہ، انگریزی ۷ بجے شام ۲۵ اگست ۱۹۷۵ء

۴۲ : انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون، پیرس نومبر ۱۹۷۰ء

۴۳ : دی پاکستان آبزرور، ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء

۴۴ : دی ڈان ۱۸ مئی ۱۹۷۰ء

۴۵ : ایضاً۔ ۲۱ مئی ۱۹۷۰ء (لاہور میں خطاب)

Marfat.com

گمراہ کن نعروں پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جمہوریت کی منزل صرف چھ نکات پر عمل درآمد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے"[۴۶] انہوں نے مزید کہا کہ چھ نکات کی بنیادوں پر حاصل ہونے والی علاقائی خود مختاری صرف بنگالیوں ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کے عوام پر بھی خوشحالی اور ترقی کے نئے افق وا کر دے گی"[۴۷] انہوں نے واضح الفاظ میں تردید کی کہ عوامی لیگ ملک توڑنے کے درپے ہے"[۴۸] چھ نکات پر تنقید کا جواب دیتے ہوئے قمر الزماں نے کہا کہ بنگلہ دیش پاکستان کا اکثریتی صوبہ ہے اور اس پر علیحدگی پسندی کے الزام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[۴۹]

اس طرح عوامی لیگ کے رہنماؤں نے عوام میں اس تاثر کو فروغ دیا کہ وہ ایک متحدہ پاکستان کے حق میں ہیں۔ دوسری طرف مجیب الرحمٰن" حکومت کو نہایت ہوشیاری سے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ انتخابی کامیابی کے بعد چھ نکات پر مفاہمت کرنے کے لئے بہتر پوزیشن میں ہوں گے"[۵۰] یحییٰ خان کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران مجیب الرحمٰن نے ہمیشہ یہ تاثر دیا کہ چھ نکات حرفِ آخر نہیں اور ان میں ضروری ترامیم کی جا سکتی ہیں[۵۱] جی۔ ڈبلیو چوہدری کا بیان بھی بھٹو کی اس رائے کی تائید کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں" میں نے ۷۰-۱۹۶۹ء میں ہونے والی یحییٰ مجیب اور مجیب احسن ملاقاتوں کے مندرجات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجیب الرحمٰن نے اس امر کی بارہا یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ انتخابات کے بعد چھ نکات

---

۴۶ : ڈی ڈان، ۲۱ جون ۱۹۷۰ء

۴۷ : ایضاً ۲۸ اگست ۱۹۷۰ء

۴۸ : دی پاکستان ٹائمز۔ ۲ ستمبر ۱۹۷۰ء

۴۹ : ڈان، ۳ نومبر ۱۹۷۰ء

۵۰ : زیڈ۔ اے بھٹو، ص ۱۳۔

۵۱ : وائٹ پیپر، حکومت پاکستان، یونائیٹڈ پاکستان۔ ص ۱۰۔

Marfat.com

ہیں ترمیم پر تیار ہیں۔[۵۲] امریکی پروفیسر وائن ولکاکس نے بھی لکھا ہے کہ اب یحییٰ خان کو ایک ایسی عوامی لیگ سے پالا پڑا جو قومی اتحاد کی بنیاد پر صلح کرنے کے لئے رضا مند نہ تھی۔[۵۳]

انتخابات کے بعد چھ نکات کے سلسلہ میں عوامی لیگ کے رویے میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی گئی۔ اور اس کا مؤقف بتدریج سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا۔ اپنی پہلی پریس کانفرنس میں مجیب الرحمٰن نے کہا "آئین چھ نکات کی بنیاد پر تیار ہوگا اور اس میں مکمل علاقائی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہوگی" انہوں نے انتخابات کو چھ نکات کے سوال پر ریفرنڈم قرار دیا۔[۵۴] عوامی لیگ کے نائب صدر نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی چھ نکات سے ہٹ کر کسی آئین پر رضا مند نہیں ہو گی۔[۵۵] مجیب الرحمٰن نے اپنے مؤقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ آئین کی بنیادیں چھ نکات پر استوار کی جائیں۔[۵۶] عوامی لیگ کے رہنماؤں کے متعدد بیانات اور تقاریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انتخابات کے بعد عوامی لیگ نے چھ نکات کے سلسلہ میں غیر لچکدار اور دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء میں مجیب الرحمٰن نے خود مختاری کا جو پروگرام پیش کیا تھا۔ اس پر عمل درآمد کا نتیجہ "پاکستان کے خاتمے کے سوا کچھ نہ تھا۔"[۵۷] غیر ملکی صحافی اور تجزیہ نگار بھی

52: G. W. Choudhury, The Last Days of United Pakistan, p. 92.

53:- Wayne Wilcox, op. cit., p. 21.

۵۴ : دی پاکستان آبزرور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۰ء

۵۵ : دی پاکستان آبزرور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۰ء

۵۶ : دی پاکستان ٹائمز ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء

57:- Feldman, The End and the Beginning, p. 89.

Marfat.com

اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ چھ نکات کا مطلب علیحدگی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور مجیب الرحمٰن پاکستان کو توڑ کر آزاد بنگلہ دیش قائم کرنا چاہتا ہے[۵۸] تبصرے بھی معنی خیز تھے۔ ایک ہفت روزہ نے لکھا کہ "مجیب الرحمٰن ایک خود مختار بنگلہ دیش کی شکل میں پاکستان کی تقسیم کے خواہاں ہیں[۵۹] اور یہ کہ عوامی لیگ کے چھ نکات پاکستان کو ایک قسم کی کنفیڈریشن میں تبدیل کر دیں گے۔ ٹائمز لندن اس سے پیشتر ہی لکھ چکا تھا کہ مجیب الرحمٰن ایک ایسا آئین تیار کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان کو توڑ کر ۵ ریاستوں کے ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی شکل دے دے اور جس کے تحت صوبائی حکومتوں کو "آزادی کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔"[۶۰]

اگرچہ اس تمام عرصے کے دوران مجیب الرحمٰن بالاصرار یہ کہتے رہے کہ وہ متحدہ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے بعد کے اعترافات کے مطابق حقیقت حال اس کے برعکس تھی۔ عوامی لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "۱۹۶۶ء میں ہم نے مسئلہ کے حتمی حل کے طور پر چھ نکات کا اعلان کیا۔ یہ ایک مختلف قسم کا راستہ تھا۔ ایک ایسا راستہ جس پر گامزن ہو کر بنگالیوں کو پاکستان کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔"[۶۱] اسی طرح انہوں نے ڈیوڈ فراسٹ کو ٹیلی ویژن انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ وہ ۱۹۴۸ء سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لئے کام کر رہے تھے[۶۲] شیخ مجیب الرحمان نے مزید کہا کہ "آزادی کی جدوجہد کا آغاز ۱۹۴۸ء

---

۵۸ : دی السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۷۰ء

۵۹ : کامرس ویکلی (بمبئی) ۱۳ مارچ ۱۹۷۱ء

۶۰ : دی ٹائمز، ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء

۶۱ : دی بنگلہ دیش آبزرور، ڈھاکہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء

۶۲ : شیخ مجیب الرحمٰن کا ڈیوڈ فراسٹ سے ٹیلی ویژن انٹرویو۔ لندن ویک اینڈ ٹیلی ویژن۔ ۱۶ جنوری ۱۹۷۲ء

Marfat.com

میں ہوا۔ پھر یہ جدوجہد ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۰ء کی عوامی تحریکوں میں نمو پاتی رہی۔"[۶۳]

۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء کو بنگلہ دیش آبزرور کے لئے موسیٰ احمد کو انٹرویو دیتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اپنے علیحدگی پسندانہ کردار کو وضاحت سے بیان کیا۔ اسی طرح جنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ میں رمنا ریس کورس میں خطابت کے جوہر دکھاتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے کہا" میں اس آزادی کے لئے گذشتہ بیس برسوں سے کوشاں رہا ہوں۔ میرا خواب اب شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔"[۶۴]

پاکستان کے سابق سیکرٹری خارجہ سلطان ایم خان نے ایک مضمون میں انکشاف کیا کہ انتخابات کے فوراً بعد آر سی ڈی کے ایک اجلاس کے دوران ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ نے حکومت کی اجازت سے مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی۔ مجیب الرحمٰن نے اس ملاقات کے دوران کہا کہ وہ پاکستان کے وزیر اعظم کی بجائے بنگلہ دیش کے بانی بنیں گے۔"[۶۵]

عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل نے بھی کلدیپ نیر سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "چھ نکات تو محض "آغاز" تھا۔ ہماری حقیقی منزل کامل آزادی تھی۔"[۶۶] مجیب الرحمٰن اور تاج الدین سے بہتر چھ نکات کی توجیہہ کون کر سکتا ہے۔ ان کے بیانات عوامی لیگ کے عزائم سمجھنے کے لئے کافی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

---

63 :-
Banglabandhu Speaks; A Collection of Speeches and Statements of Sheikh Mujibur Rahman, Ministry of Foreign Affairs, Dacca, p. 42.

۶۴ : بحوالہ قطب الدین عزیز مشن ٹو واشنگٹن۔ ص ۴۔

۶۵ : ملاحظہ ہو مضمون سلطان احمد خاں" ڈیلی مسلم" اسلام آباد۔ ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء

۶۶ : بحوالہ کلدیپ نیر ص ۱۴۳

Marfat.com

باب ۴

پہلے عام انتخابات اور اُن کے مضمرات

عام انتخابات کی تاریخ کے اعلان کے بعد ملک میں جو سیاسی صورت حال سامنے آئی وہ انتہائی پیچیدہ تھی۔ تقریباً ۲۵ غیر منظم اور علاقائی بنیادوں پر قائم سیاسی جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ مغربی پاکستان سے قومی اسمبلی کی ۱۳۸ نشستوں (خواتین کی نشستوں کے علاوہ) کے لئے ۱۰۷۰ امیدوار اور مشرقی پاکستان سے ۱۶۲ نشستوں کے لئے ۸۷۰ امیدوار الیکشن کے میدان میں اترے۔ کاغذاتِ نامزدگی کی واپسی کے بعد مقابلے کے لئے موجود امیدواروں کی تعداد ۱۵۷۰ تھی۔ جن کی سیاسی وابستگیاں اس بات کی غماز تھیں کہ ان انتخابات میں کسی واحد سیاسی جماعت کا قومی سطح پر ابھرنا ممکن نہیں تھا۔ مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے ملک کے دونوں حصوں میں نامزد کئے گئے امیدواروں کی تفصیل درج ذیل ہے

پارٹی	مشرقی پاکستان کے امیدوار	مغربی پاکستان کے امیدوار
عوامی لیگ	۱۶۲	۷
کنونشن مسلم لیگ	۹۳	۳۱
کونسل مسلم لیگ	۵۰	۶۹
جماعتِ اسلامی	۶۹	۷۹
جمعیت العلمائے پاکستان	۱۳	۹۰

Marfat.com

مغربی پاکستان کے امیدوار	مشرقی پاکستان کے امیدوار	پارٹی
۵	۱۵	نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ)
۲۵	۳۶	نیشنل عوامی پارٹی (ولی خاں گروپ)
۲۷	۸۱	پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی
۱۱۹	—	پاکستان پیپلز پارٹی
۶۷	۶۵	قیوم مسلم لیگ

مختلف جماعتوں کے نامزد امیدواروں کی تعداد سے ظاہر ہے کہ ملک کے دونوں حصوں میں دلچسپی رکھنے والی جماعتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ گویا ملک میں قومی سطح کی پارٹیوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ دراصل پاکستان میں آئے دن سیاسی عمل میں تعطل کے نتیجے میں جمہوری اداروں کا مسلسل ارتقاء ممکن نہ ہو سکا۔ چنانچہ قومی بنیادوں پر استوار سیاسی جماعتیں فروغ نہ پا سکیں۔ ۱۹۷۰ء میں پاکستان کی دو اہم جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ نے خود کو علی الترتیب مغربی اور مشرقی پاکستان تک محدود رکھا۔ مسلم لیگ تین حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد اپنی سیاسی طاقت اور معنویت کھو چکی تھی[لے]۔ جماعت اسلامی اپنی تمام تر تنظیمی خوبیوں کے باوجود عوامی جماعت نہیں تھی۔

لے یحییٰ حکومت نے جنرل عمر سیکرٹری نیشنل سیکورٹی کونسل اور این اے رضوی ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کے ذریعے مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں کو قیوم خاں کی سربراہی میں متحد کرنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ فوجی حکومت نے قیوم خاں کو فنڈ بھی مہیا کئے۔ یحییٰ خاں قیوم خاں کے اس قدر دلدادہ تھے کہ انہوں نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹر اے ایم مالک سے اصرار کیا کہ سول کابینہ میں قیوم لیگ کا ایک نمائندہ شامل کریں۔ ملاحظہ ہو روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۲ ستمبر ۱۹۷۰ء میں راؤ فرمان علی کا مضمون۔

Marfat.com

اس کی سیاسی قوت مغربی پاکستان کے چند منتخب شہروں تک محدود تھی۔ ولی خاں کی نیشنل عوامی پارٹی بھی ایک علاقائی جماعت تھی اور اس کی مقبولیت صرف صوبہ سرحد اور بلوچستان میں تھی۔ نظریاتی اعتبار سے مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی، جماعت اسلامی، جمیعت العلمائے اسلام اور جمیعت العلمائے پاکستان دائیں بازو اور نیپ کے دونوں گروپ اور پیپلز پارٹی بائیں بازو کی جماعتیں سمجھی جاتی تھیں۔ عوامی لیگ میں بائیں بازو کے عناصر کے علاوہ بعض سرمایہ دار بھی شامل تھے۔ انتخابی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو ملک کے سیاسی افق پر انتشار اور عدم استحکام کے سائے صاف دکھائی دینے لگے اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے اختلافات مزید نمایاں ہو کر سنگین اور نازک صورت اختیار کر گئے[۲]۔

یہاں مختلف سیاسی جماعتوں کی انتخابی مہمات کا تفصیلی جائزہ درکار نہیں۔ تاہم ضروری ہوگا کہ ملک کی دو بڑی جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کی انتخابی مہات کا تجزیہ پیش کر دیا جائے۔

مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی نے اپنی انتخابی مہم سوشلسٹ پروگرام کی بنیاد پر چلائی تھی۔ درج ذیل چار اصول اس کے منشور کا خلاصہ تھے۔

اسلام ہمارا دین ہے

سوشلزم ہماری معیشت ہے

جمہوریت ہماری سیاست ہے

طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں

پارٹی نے عوام کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کا وعدہ کیا[۳] اور جلد ہی محنت کشوں کسانوں

2: Feldman, The End and the Beginning, p. 78.

۳ پیپلز پارٹی نے عوام سے روٹی کپڑے اور مکان کا وعدہ کیا۔ الیکشن کی جذباتی فضا میں کسی کو یہ احساس نہ ہوا کہ یہ وعدہ مبالغہ آمیز اور ناقابلِ عمل ہے۔

Marfat.com

اور پسماندہ طبقوں کی امنگوں کی علامت سمجھی جانے لگی۔ پیپلز پارٹی نے بائیں بازو کی معتدلانہ سیاست اور ولولہ انگیز قیادت کی بدولت دائیں بازو کی جماعتوں کو جو پہلے ہی عوام کے لئے دلکشی کا سامان کھو چکی تھیں سیاسی میدان میں پیچھے چھوڑ دیا۔ پیپلز پارٹی کی کامیابی اور خصوصاً پنجاب میں اس کی مقبولیت کا باعث پارٹی کے قائد ذوالفقار علی بھٹو کا بھارت دشمن رویہ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تقریروں میں غریب عوام کی اقتصادی زبوں حالی کو خاص طور پر موضوع بنایا اور یوں خود کو پسماندہ طبقوں کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا۔ بھٹو نے مارشل لاء حکومت، کے بارے میں مخالفانہ اندازِ سیاست اختیار کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ ایک جرأت مند سیاسی راہنما کے طور پر ابھرے۔ بھٹو نے فوجی حکومت کے خلاف محاذ آرائی کے آغاز ہی میں اس کی غیر جانبداری کا تاثر ختم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پیپلز پارٹی کے مخالفوں کی مالی اور اخلاقی امداد کر رہی ہے اور یہ کہ کابینہ کے ارکین اس کاروبار میں شریک ہیں[۴]۔ بھٹو نے کابینہ کے استعفے کا مطالبہ کیا۔ جس کے جواب میں یحییٰ خاں نے کہا کہ "میری کابینہ کو نہ چھیڑا جائے[۵]۔" دریں اثناء پیپلز پارٹی کے بعض ممتاز رہنما جن میں مولانا کوثر نیازی اور مسٹر علی احمد تالپور بھی شامل تھے گرفتار کر لئے گئے۔ ان گرفتاریوں کے بعد حکومت کے خلاف بھٹو کی مہم مزید

---

[۴] بھٹو نے شیر علی پر جماعتِ اسلامی کی امداد اور پیپلز پارٹی کے خلاف پراپیگنڈہ مہم چلانے کا کھلم کھلا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ان کی پارٹی کے خلاف مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں کو متحد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ (ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر۔ ۴ اکتوبر، ۷ اگست ۱۹۷۰ء، مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تقریر علی پور ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء) انہوں نے مزید الزام لگایا کہ یحییٰ خاں کے وزیر مظفر علی قزلباش اور محمود ہارون علی الترتیب مسلم لیگ اور مجیب کی عوامی لیگ کی امداد کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر لاہور، ۷ اگست، علی پور ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء، مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تصنیف "دی گریٹ ٹریجڈی" ص ۶۱)

[۵] "دی پاکستان ٹائمز" ۱۱ اگست ۱۹۷۰ء

تندوتیز ہوگئی۔ اس نے کئی مقامات پر تقریر کرتے ہوئے گرفتار شدگان کی عدم رہائی کے نتیجہ میں سنگین نتائج کی دھمکی دی[۱]۔ کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ اگر ان کے ساتھیوں کو رہا نہ کیا گیا تو پیپلز پارٹی انتخابات کا بائیکاٹ کردے گی[۲]۔ فوج کے ساتھ بظاہر تصادم کی اس پالیسی کے باوجود فوج کے اہم جرنیلوں مثلاً جنرل پیرزادہ، ایئر مارشل رحیم اور جنرل گل حسن وغیرہ کے ساتھ بھٹو کے قریبی تعلقات میں کوئی تبدیلی نہ آئی[۳]۔ اور دارالحکومت میں اُن کی باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

جب اگست میں مشرقی پاکستان میں سیلاب کی وجہ سے انتخابات کو مؤخر کیا گیا تو بھٹو نے کہا کہ انتخابات کو دو بڑی طاقتوں یعنی امریکہ اور روس کے ایما پر ملتوی کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ طاقتیں چاہتی ہیں کہ نمائندہ حکومت کے قیام سے پہلے پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ بھٹو نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ یحییٰ حکومت مختلف بہانوں سے دائیں بازو کو اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت دینا چاہتی

---

[۱] ۲۵ اگست ۱۹۷۰ء کو بھٹو نے دھمکی دی کہ اگر حیات محمد شیرپاؤ کو گرفتار کیا گیا تو ایوب خاں کی طرح یحییٰ خاں کو بھی اقتدار سے رخصت کر دیا جائے گا۔ مزید ملاحظہ ہو بھٹو کی تقاریر کراچی ۲۰ ستمبر، حیدرآباد ۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء۔

[۲] ۲۳ ستمبر ۱۹۷۰ء کو بھٹو کی تقریر۔

[۳] کئی سیاستدان اپنی نجی محفلوں میں سوال کرتے تھے کہ قومی حکومت کے خلاف تندوتیز حملوں کے باوجود بھٹو کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس سوال کے جواب میں عام طور پر تین وجوہ بیان کی جاتیں۔ اولاً یحییٰ خان بھٹو سے خوفزدہ ہے۔ ثانیاً بھٹو نے گول میز کانفرنس کو سبوتاژ کرکے یحییٰ خان کے اقتدار کی راہ ہموار کی تھی ثالثاً بھٹو کی یحییٰ خاں کی حکومت کے طاقتور جرنیلوں سے دوستی ہے۔

Marfat.com

ہے۔[9] تاہم عوام نے ان بیانات کو زیادہ اہمیت نہ دی۔

اپنی انتخابی مہم کے دوران بھٹو نے بنگالیوں کے مسائل کا ذکر کیا اور نہ ہی مشرقی پاکستان میں سیاسی روابط استوار کرنا ضروری سمجھا۔ وہ مشرقی پاکستان میں عدم دلچسپی کا کوئی معقول جواز بھی پیش نہ کر سکے۔ بھٹو نے صرف ایک بار اس وقت مشرقی پاکستان میں سیاسی کام کے آغاز کی کوشش کی۔ جب یحییٰ خاں کے مارشل لار سے کچھ عرصہ پہلے اُن کے اور بھاشانی کے درمیان سوشلزم کے قیام کے لئے مشترکہ مساعی کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ مگر یہ معاہدہ فریقین کی عدم دلچسپی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ مجموعی طور پر بھٹو کی پالیسی دونوں صوبوں کے درمیان سیاسی خلیج کو وسیع کرنے کا باعث بنی۔

مجیب الرحمٰن نے اپنی انتخابی مہم کو چھ نکات، اقتصادی عدم مساوات اور بنگالیوں کے مسائل کی بنیادوں پر استوار کیا۔ ایک منظم اور طویل سیاسی تاریخ کی حامل سیاسی جماعت کے سربراہ کی حیثیت میں انہیں اپنے مخالفوں پر کئی اعتبار سے سبقت حاصل تھی۔ اُنہیں طلباء، وکلاء، کارکنوں اور بنگال کے منتخب دانشوروں[10] کی حمایت حاصل تھی۔ مجیب الرحمٰن کئی دفعہ جیل جانے کا اعزاز حاصل کر چکے تھے۔ وہ ایک مدت سے بنگال کے مسائل کے حل کے لئے آواز بلند کر رہے تھے۔ چنانچہ اس امر کے باوجود کہ بھاشانی علیحدگی پسند نعروں[11] میں مجیب الرحمٰن سے دو ہاتھ آگے تھے[12]۔ مشرقی پاکستان کا واحد ترجمان

---

۹ ۳۰ اگست ۱۹۷۰ء کو بھٹو کی پریس کانفرنس۔

10 : Kalim Siddiqi, Conflict, Crisis and War in Pakistan, p. 136.

۱۱ بھاشانی روزِ اول سے علیحدگی پسند سیاستدان تھے۔ ۲۲ اپریل ۱۹۷۱ء کو انہوں نے کہا کہ "بنگال کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست بنانے کی جدوجہد پاکستان کے قیام کے وقت سے جاری ہے۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

مجیب کو ہی سمجھا جاتا تھا۔

عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں اپنے سیاسی مخالفین کے کئی جلسوں میں گڑبڑ کی۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ کے کارکنوں نے جماعتِ اسلامی کے جلسہ عام کو اکھاڑنے کے لئے ہنگامہ برپا کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک شخص ہلاک اور تقریباً چار سو افراد زخمی ہو گئے مظاہرین نے اگلے روز بھی ایک شخص کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ڈھاکہ اور نرائن گنج میں پاکستان جمہوری پارٹی کے جلسوں میں گڑبڑ کی گئی۔ نظامِ اسلام پارٹی کے مولانا فرید احمد کو جسمانی طور پر زدوکوب کیا گیا۔ حکومت کی طرف سے غیر جانبداری کے تاثر کو عوامی لیگ کے کارکنوں نے سیاسی مخالفوں کے خلاف ہر حربہ آزمانے کی کھلی اجازت تصور کیا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں انتخابات نہ تو آزاد تھے اور نہ ہی غیر جانبدارانہ۔[۱۳]

مجیب الرحمٰن اپنی ہر تقریر میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کا کھلم کھلا اظہار کرتے جو کہ ان کے الفاظ میں "بنگالیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے ذمہ دار تھے"[۱۴] مجیب الرحمٰن نے بعض بنگالی پرفیسرز

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ:-

مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو "بنگلہ دیش ڈاکومینٹشن" ص ۳۰۲ مزید ملاحظہ ہو "ٹائمز آف انڈیا" (۲۸ر جولائی ۱۹۷۱ء) میں بھاشانی کا بیان۔ جس میں انہوں نے کہا کہ "قیامِ پاکستان کے وقت سے ہی میں اسی موقف کا علمبردار ہوں۔ یعنی ایک آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کا قیام"۔

۱۲؎ فیلڈمین کا خیال ہے کہ آزاد مشرقی بنگال کا نعرہ بھاشانی نے مجیب سے آگے بڑھنے اور اس کی مقبولیت کو چرانے کے لئے لگایا تھا۔ ملاحظہ ہو فیلڈمین کی کتاب "دی اینڈ اینڈ دی بگننگ" ص ۸۰-۱۵

۱۳؎ اداکار (ہفت روزہ زندگی) لاہور ۲۸ر اگست ۱۹۷۲ء ص ۱۴ ملاحظہ ہو حمود الرحمٰن کمیشن میں ولی خاں کا بیان۔

۱۴؎ مضمون، فیض محمد نمائندہ "نوائے وقت" ڈھاکہ ۳ر جنوری ۱۹۷۱ء۔ مزید ملاحظہ ہو رشبروک ولیمز کی "دی ایسٹ پاکستان ٹریجڈی" ص ۴۲

Marfat.com

کے فراہم شدہ اعداد و شمار کو اپنی تقریروں میں نہایت مہارت سے استعمال کیا۔ اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے خود کو مشرقی پاکستان کے واحد مسیحا کے طور پر پیش کیا۔ یہاں تک کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی ان کا خطاب علاقائی نقطۂ نظر کا عکاس تھا۔ مجیب الرحمٰن نے اپنے خطاب میں مغربی اور مشرقی پاکستان میں سونے اور خوردنی تیل کی قیمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ مغربی پاکستان میں خوردنی تیل اڑھائی روپے سیر بک رہا ہے۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں اس کی قیمت چار روپے فی سیر ہے۔ تاہم بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس روز مغربی پاکستان کی مارکیٹ میں خوردنی تیل کا تھوک بھاؤ چار روپے فی سیر تھا۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان میں سونے کا بھاؤ ایک سو چالیس روپے فی تولہ ہے۔ مگر یہ بیان درست نہ تھا۔ جس روز مجیب الرحمٰن کی یہ تقریر اخبارات میں شائع ہوئی اس روز مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں سونے کا بھاؤ علی الترتیب ۱۶۵ اور ۱۶۰ روپے تھا۔[۱۵] مجیب الرحمٰن اپنی آتش بیانی کے زور پر مشرقی پاکستان کے عوام کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ماضی میں استحصال کا شکار رہے ہیں اور اب اُن کے لئے اپنی اکثریت کی طاقت سے فائدہ اُٹھانے کا آخری موقع ہے۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے صوبہ بھر کے دیہات میں پھیل کر مغربی پاکستان کے مظالم کی مبالغہ آمیز داستانیں گھر گھر پہنچا دیں۔ سڑکوں کے کناروں پر ایسے پوسٹر آویزاں کئے گئے جن میں ملک کے دونوں حصوں میں اشیائے ضرورت کی قیمتوں کا موازنہ کیا گیا تھا۔[۱۶] مقامی پریس نے نفرت کی اس مہم میں مجیب الرحمٰن کا غیر مشروط ساتھ دیا اور عوام کے جذبات

---

[۱۵] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مضمون ڈاکٹر انور اقبال قریشی۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔ ۱۱ نومبر ۱۹۷۰ء

[۱۶] مجیب نے عام جلسوں میں تواتر کے ساتھ اس نکتہ کو مغربی پاکستان کے خلاف تعصب کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا۔ "دی نیو ٹائمز" راولپنڈی، ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء

Marfat.com

کو دیوانگی کی حد تک لے جانے[17] میں اُن کی بھرپور مدد کی۔

مجیب الرحمٰن کی انتخابی تقاریر کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دھمکی آمیز رویّہ بے سبب نہیں تھا۔ کئی موقعوں پر انہوں نے عوامی تحریک چلانے کی اپیل کی کیونکہ ان کے خیال میں "اس امر کا امکان موجود تھا۔ عوامی لیگ کے مطالبات انتخابات کے ذریعے پورے نہ ہوسکیں۔"[18] انتخابات کے قریب آکر مجیب الرحمٰن اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے اور اپنے پیروکاروں کے بے پناہ جوش و جذبہ اور پُرہجوم جلسوں میں عوام کے دلوازدار نعروں کے سحر میں گرفتار ہو کر اپنی گفتار پر قابو کھوتے چلے گئے۔[19] ۱۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو مجیب الرحمٰن نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے نوابزادہ نصراللہ خاں، مولانا مودودی اور قیوم خاں کو للکارتے ہوئے اُن سے سوال کیا کہ وہ اپنے آقاؤں کے ذریعے لوٹی ہوئی بنگال کی دولت کب تک لوٹا سکیں گے۔ انہوں نے بنگالیوں سے کہا کہ وہ بنگال کے غداروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اپنی مقدس سرزمین کو سیاسی میر جعفروں اور استحصالی عناصر سے پاک کر دیں۔[20] ۱۰ مارچ ۱۹۷۰ء کو عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل تاج الدین نے ڈھاکہ میں ایک تقریر کے دوران کہا کہ "ان تمام برسوں میں ڈاکو اور لیٹرے بنگالیوں کے خون اور گوشت پر پلتے رہے ہیں۔" ایک روز بعد انہوں نے مزید کہا کہ "مغربی پاکستان کے ایک استحصالی طبقے نے ۲۵ سال تک مشرقی پاکستان کا خون چوسا ہے۔ پاکستان کی تاریخ سازش اور مسلسل استحصال کی تاریخ ہے۔"[21] مجیب الرحمٰن کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت کو دیکھ کر

---

[17] بحوالہ زیڈ اے بھٹو ص ۔

[18] "دی پاکستان ٹائمز" ۲۴ ستمبر ۱۹۷۰ء اور "دی پاکستان آبزرور" ڈھاکہ ۱ نومبر ۱۹۷۰ء۔

19: Rushbrook Williams, op. cit., p. 44.

[20] "دی پاکستان ٹائمز" ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء۔ "دی ڈان" ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء، ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء

[21] "دی پاکستان ٹائمز" ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰ء

Marfat.com

مشرقی پاکستان کی انتظامیہ اور حکومت نے ان کی چاپلوسی شروع کر دی۔ انہیں تمام سرکاری تقریبات میں مدعو کیا جاتا۔ جہاں اُنہیں غیر معمولی اہمیت دی جاتی۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا کہ وہ پاکستان کے آئندہ وزیرِ اعظم ہیں۔ چنانچہ صنعت کاروں، تاجروں اور اعلیٰ افسروں نے اُن سے بھرپور تعاون کیا اور اُنہیں "سرمایہ داروں اور بنکوں سے بڑے پیمانے پر مادی امداد اور رقوم ملنا شروع ہو گئیں۔"[۲۲]

دریں اثناء مجیب الرحمٰن نے بھارتی حکومت سے اپنا رابطہ بدستور قائم رکھا اور اس کی مدد سے انہوں نے عوامی لیگ کے رضاکاروں کے مسلح دستے ترتیب دیئے۔ ان رضاکاروں کے لئے مبیّنہ طور پر بیرون ملک سے ہتھیار حاصل کیے گئے۔[۲۳] عوامی لیگ کے مسلح دستوں نے صوبے میں دہشت گردی کی فضا پیدا کر کے عملی طور پر اپنی حکومت قائم کر دی۔ عوامی لیگ کی ان سرگرمیوں کے بارے میں صوبائی انتظامیہ کے نیازمندانہ رویے سے عوام میں یہ تاثر فروغ پا گیا کہ مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان کے درمیان صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کے مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ ہندو سرمائے پر پلنے والی عوامی لیگ کے ہتھیار بند کارکن آئے دن جلوسوں اور ہڑتالوں کے ذریعے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے۔ نام نہاد رضاکار مشرقی پاکستان کی سیاسی زندگی پر اس طرح قابض ہو گئے کہ کسی مخالف جماعت کے لئے دم مارنے کی گنجائش نہ رہی۔

عوام کو ہراساں کرنے کے لئے ان رضاکاروں نے کئی مقامات پر اپنے مخالفین کے دفتروں کو تباہ کر دیا۔ دیگر جماعتوں کے جلسوں کو اکھاڑنا اور ان کے رہنماؤں پر حملے عوامی لیگ کے کارکنوں کا آئے دن کا معمول تھا۔ قومی سطح کے تقریباً تمام رہنماؤں مثلاً

---

۲۲ بحوالہ زیڈ اے بھٹو ص ۱۷

۲۳ بحوالہ زیڈ اے بھٹو ص ۱۷

Marfat.com

نورالامین، عبدالسلام، محمود علی، پروفیسر غلام اعظم وغیرہ نے عوامی لیگ کے کارکنوں کے رویّے کے خلاف احتجاج کیا۔[۲۴] یہ تھے وہ حالات جن میں عام انتخابات عمل میں آئے۔

دوسری طرف یحییٰ خاں نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ شروع ہی سے مفاہمت کا رویہ اپنا رکھا تھا۔ یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کے تشدد آمیز رویّے اور ملک دشمن سرگرمیوں سے چشم پوشی کی بلکہ اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کئی موقعوں پر عوامی لیگ کے غیر معقول مطالبات کو پذیرائی بخشی۔

عوامی لیگ جس انداز میں چھ نکات کی توجیہہ کر رہی تھی وہ صریحاً لیگل فریم آرڈر کی روح کے خلاف تھا مگر یحییٰ خان نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ آئین سازی کی اہمیت اور پیچیدگیوں کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ لیگل فریم آرڈر میں آئین کی منظوری کے لئے ۶۰ فیصد لازمی اکثریت کی تصریح کر دی جاتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو قوم ۱۹۷۱ء کے آئینی بحران سے بچ جاتی۔ یحییٰ خان کی کابینہ کے رُکن جی ڈبلیو چودھری کے مطابق کابینہ میں پیش کئے گئے لیگل فریم آرڈر کے مسودہ میں یہ شق موجود تھی مگر یحییٰ خان نے شاطرانہ جوڑ توڑ کے ذریعے عین موقع پر اسے آرڈر سے خارج کر دیا۔ چنانچہ اس اہم قومی مسئلے پر یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کی خواہشات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔[۲۵] اسی طرح بعض حلقوں کی طرف سے لیگل فریم آرڈر میں صوبائی خود مختاری کی حدود متعین کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکومت اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ مگر یحییٰ خان گورنر احسن کی معرفت موصول ہونے والی مجیب الرحمٰن کی دھمکیوں کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور اس اہم مطالبہ پر عمل نہ ہو سکا۔[۲۶]

۲۴۔ بحوالہ وائٹ پیپر ص۶۔ مزید ملاحظہ ہو انٹرویو پروفیسر غلام اعظم روزنامہ "جسارت" کراچی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء۔

۲۵۔ بحوالہ جی ڈبلیو چودھری ص۸۷

۲۶۔ ایضاً ص۹۱۔ مزید ملاحظہ ہو انٹرنیشنل آفیئرز لندن اپریل ۱۹۷۳ء ص۲۳۳

Marfat.com

صرف یہی نہیں یحییٰ خان نے خود مجیب الرحمٰن کی اپنے کسی قریبی ساتھی کے ساتھ وہ ٹیپ شدہ گفتگو سُنی۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "میرا مقصد بنگلہ دیش کا قیام ہے اور میں الیکشن کے بعد لیگل فریم آرڈر کی دھجیاں بکھیر دوں گا۔"[۲۷] اس گفتگو میں عوامی لیگ کو غیر مُلکی ذرائع سے ملنے والی امداد کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ مگر یحییٰ خان کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور انہوں نے ملک کی سالمیت کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام نہ کیا۔ اس کے برعکس انہوں نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ دوستانہ مراسم اور خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ واقعات و شواہد کی رو سے یحییٰ خان کا رویہ بڑی حد تک مارچ میں پیدا ہونے والے اس بحران کا ذمہ دار تھا جو بالآخر متحدہ پاکستان کے خاتمہ پر منتج ہوا۔

جوں جوں انتخابات کی تاریخ قریب آتی گئی ہڑتالوں اور جلوسوں کے ذریعے عوامی لیگ کے طاقت کے مظاہروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان مظاہروں کا تجزیہ کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کا مطالعہ ضروری ہے۔ مشرقی پاکستان میں ۸۰ فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہائش پذیر تھی جس کا مظاہروں سے زیادہ متاثر ہونا ممکن نہ تھا۔ مزید برآں یہ لوگ عام طور پر غیر تعلیم یافتہ اور مذہبی رجحانات کے حامل تھے۔ پاکستان سے ان کی محبت شک و شبہ سے بالا تھی۔ یہ لوگ ہندو صوبوں میں ہندوؤں کے استحصال کا شکار رہے تھے اور اُن سے شدید نفرت کرتے تھے۔ شہری آبادی طلباء، سرکاری ملازموں، وکلاء، تاجروں، سیاستدانوں سیاسی کارکنوں اور محنت کشوں پر مشتمل تھی اور یہ تمام طبقات سیاسی طور پر خاصے متحرک تھے۔ نظریاتی اعتبار سے شہری آبادی کئی گروہوں میں منقسم تھی۔ جن میں جمہوریت پسند، کمیونسٹ آزاد خیال، سوشلسٹ اور اسلام دشمن سبھی شامل تھے۔ کمیونسٹوں کے دو گروپ تھے۔ ایک چین نواز اور دوسرا روس نواز، یہ دونوں گروپ عوامی لیگ کے اندر اور باہر سیاسی طور پر

---

۲۷ بحوالہ جی ڈبلیو چودھری ص ۹۸

نہائت فعال تھے۔ عوامی لیگ کو ابتداء میں اسلام دوست اور جمہوری عناصر کے سوا تمام سیاسی گروہوں کی ہمدردی حاصل تھی۔ مگر جوں جوں مجیب الرحمٰن کے عزائم واضح ہوتے گئے ان کی حمایت میں کمی آتی گئی۔ آخر کار عوامی لیگ کی قیادت پر انتہاپسندوں کا قبضہ ہو گیا۔ جو حکمتِ عملی روس یا بھارت کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے۔ عوامی لیگ اپنے رضاکاروں کی بدولت صوبے کے افق پر ایک غالب سیاسی قوت کے طور پر مکمل طور پر چھا چکی تھی۔ آتشیں ہتھیاروں سے مسلح ان رضاکاروں نے لوگوں کو عوامی لیگ میں شمولیت پر مجبور کرنے کے لئے خوف و دہشت کا ہر حربہ روا رکھا۔[۲۸] پروگرام کے مطابق انتخابات کا انعقاد اکتوبر ۱۹۷۰ء میں طے کیا گیا تھا۔ مگر ستمبر میں مشرقی پاکستان خوفناک سیلابوں کی زد میں آ گیا۔ ان سیلابوں کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ بے گھر ہو گئے۔ اور مواصلات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ مجیب الرحمٰن نے اس آفتِ سماوی کو بھی مغربی پاکستان اور مرکزی حکومت کے خلاف اشتعال پھیلانے کے لئے استعمال کیا۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ اگر مغربی پاکستان میں تربیلا اور منگلا جیسے بڑے بڑے ڈیم بن سکتے ہیں تو مشرقی پاکستان میں سیلاب پر قابو پانے کے انتظامات کیوں نہیں کئے جا سکتے۔[۲۹] سیلاب اور اس کی تباہ کاریاں مشرقی پاکستانیوں کے لئے ایک سنگین مسئلہ کی حیثیت رکھتی تھیں اور ایک حد تک مرکزی حکومت بھی اس مسئلہ کی ذمہ دار تھی۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مجیب الرحمٰن کے مؤقف نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ اور مشرقی پاکستان کے لوگ انہیں اپنا مسیحا سمجھنے لگے۔

اس سلسلہ میں حکومت کی راہ میں بھی کئی مشکلات حائل تھیں۔ مختلف منصوبوں کے لئے مالی امداد امریکہ یا اس کے حلیف ممالک بین الاقوامی اداروں کے ذریعے فراہم کرتے

---

[۲۸] ملاحظہ ہو "پاکستان آبزرور" ۱۳ جولائی ۱۹۷۰ء

[۲۹] "ڈان" ۳۰ اگست ۱۹۷۰ء

Marfat.com

تھے۔ اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ ممالک اپنی امداد کا بیشتر حصہ مغربی پاکستان کے لئے مخصوص کر دیتے۔ اگرچہ ان ممالک نے سیلابوں کی روک تھام کے لئے امداد دینے کا غیر سرکاری طور پر وعدہ کر رکھا تھا مگر جب بھی حکومت پاکستان نے اس امداد کا سرکاری سطح پر مطالبہ کیا۔ سیلابوں کی روک تھام کے منصوبے کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے اس امداد سے انکار کر دیا گیا۔

نومبر ۱۹۷۰ء کے وسط میں ساحلی علاقوں میں سائیکلون کی تباہ کاریوں کے نتیجہ میں حالات مزید بدتر ہو گئے مجیب الرحمٰن نے متاثرہ علاقوں کے دورے کے دوران مرکزی حکومت کے خلاف نہایت تند و تیز تقاریر کیں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت نے متاثرین کی امداد کے لئے موصول ہونے والی کروڑوں روپے کی بیرونی امداد خرد برد کر لی ہے[۳۰] انہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بنگالی عوام کے جذبات کو خوب بھڑکایا۔ اور حکومت کو مجرمانہ غفلت کا مرتکب قرار دیا۔ بدقسمتی سے حکومت کی پراپیگنڈہ مشینری ان الزامات کا جواب پیش کرنے میں بُری طرح ناکام رہی۔ چنانچہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر دونوں صوبوں کے درمیان سوچ کی خلیج اتنی وسیع ہو گئی کہ اسے پاٹنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔[۳۱] ڈیوڈ ڈلو شاک کے بقول اس سانحے اور تباہی کو بھی سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا اور سیاستدانوں کو مغربی پاکستان پر الزامات لگانے کا بہانہ مل گیا۔[۳۲] بنگالی قوم پرستوں نے افواہیں پھیلانے اور ہلاک شدگان کی تعداد کو بڑھا چڑھا

۳۰ھ اس طرح کے بیانات کے لئے ملاحظہ ہوں "دی پاکستان آبزرور" ڈھاکہ ۱۱ نومبر ۱۹۷۰ء "دی مارننگ نیوز" ۲۳ نومبر ۱۹۷۰ء اور "دی پاکستان ٹائمز" ۲۸ اگست ۱۹۷۰ء

۳۱ھ بحوالہ زیڈ اے بھٹو۔ ص ۱۵

۳۲ھ بحوالہ ڈیوڈ ڈلو شاک ص ۵۰

Marfat.com

کرپیش کرنے میں کمال مستعدی سے کام لیا۔ بنگالیوں کا طرزِ عمل جہاں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت میں اضافے کا باعث بنا وہاں اس سے بنگالیوں کی بدعنوانی اور ہیرا پھیری[۳۳] سے توجہ ہٹانے کا کام بھی لیا گیا۔ نراد چودھری کے بقول" ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بنگالی سیلاب کی تباہ کاریوں سے رنجیدہ ہونے کی بجائے اسے مرکزی حکومت کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار کے مؤقف کے طور پر استعمال کرنے کے درپے ہوں۔ یہ امر طے ہے کہ عوامی لیگ نے سیلاب زدگان کی مدد کے سلسلے میں مرکزی حکومت پر غفلت کے الزام کو انتخابی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا اور یہ الزام بڑی حد تک اس کی کامیابی کا باعث بھی بنا۔ میرے لئے یہ تصور ہی خوفناک ہے کہ اس طرح کی آفات کو سیاسی مسئلے کے طور پر استعمال کیا جائے[۳۴]"۔

سائیکلون کی غیر معمولی تباہ کاریوں کے متاثرین کی بحالی کے لئے کام کی ضرورت کے پیشِ نظر بعض سیاسی جماعتوں نے عام انتخابات کے التواء کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ معقولیت پر مبنی تھا۔ مگر مجیب الرحمٰن نے جو کہ بہر صورت اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر تُلے بیٹھے تھے۔ انتخابات کے التواء کی مخالفت کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ" عوام بہر صورت اقتدار حاصل کر کے رہیں گے۔ خواہ الیکشن کے ذریعے یا اگر الیکشن نہ ہوئے تو اپنی قوت کے بل بوتے پر۔ اگر انتخابات کا راستہ روکا گیا تو بنگلہ دیش کے عوام مزید دس لاکھ جانوں کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے تاکہ وہ آزاد شہریوں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں اور بنگلہ دیش خود اپنے مقدر کا مالک ہو[۳۵]"۔

---

۳۳ بحوالہ ڈیوڈ لوشاک۔ ص ۵

34: Nirad C. Chaudhry, Hindustan Standard, 31 December 1970.

۳۵ "دی پاکستان آبزرور"۔ ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ء

اس دور میں مجیب الرحمٰن کی تمام تقاریر کا لہجہ اسی طرح دھمکی آمیز رہا ان کے اندازِ بیاں سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے وہ ایک آزاد ملک کے سیاسی رہنما ہونے کی بجائے آزادی کی جنگ میں مصروف ہوں۔

مارشل لا حکومت نے مجیب الرحمٰن کی دھمکیوں کا نوٹس لینے کی بجائے ان کے مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ حکومت کا یہ رویّہ اس امر کا غمّاز تھا کہ مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان کے درمیان کوئی سازباز ہو چکی ہے۔ اس صورتِ حال نے نہ صرف فوجی حکومت کی کمزوریوں کو واضح کر دیا بلکہ بالواسطہ طور پر احتجاجی سیاست کی حوصلہ افزائی کی۔ یحییٰ خان کی اس پالیسی پر پیپلز پارٹی کی قیادت نے بھی سخت اعتراض کیا۔ بھٹو سے یحییٰ خان کی دوستی کا آغاز انتخابات کے بعد کی داستان ہے جب یحییٰ خان مجیب الرحمٰن سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔

اس عرصے میں مجیب الرحمٰن اپنے علیحدگی پسندانہ عزائم کا مسلسل اظہار کرتے رہے۔ ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے سائیکلون کے مسئلے پر حکومت کے سفّاکانہ رویّے پر شدید احتجاج کیا۔ اس پریس کانفرنس میں ایک غیر ملکی نامہ نگار نے مجیب الرحمٰن سے سوال کیا "آیا وہ علیحدگی کے خواہاں ہیں؟" مجیب الرحمٰن کا جواب تھا "نہیں ابھی نہیں۔"[۳۶] دسمبر میں "مشرقی پاکستان کا ایک علیحدگی پسند سیاسی راہنما" کے عنوان سے مجیب الرحمٰن نے مائیکل نکلسن کو دیئے گئے ٹیلیویژن انٹرویو میں کہا "فی الحال میں ایک علیحدہ ملک کے قیام کا مطالبہ نہیں کر رہا تاہم اس کا سارا دارومدار انتخابات کے نتیجے میں سامنے آنے والے عوامی فیصلے پر ہوگا۔"[۳۷]

---

[۳۶] "دی پاکستان ٹائمز" راولپنڈی، ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ء مزید ملاحظہ ہو "واشنگٹن پوسٹ"، ۳ مارچ ۱۹۷۱ء

[۳۷] ایضاً۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۰ء

Marfat.com

۱۹۷۰ء کے انتخابات کا سب سے تشویشناک پہلو یہ تھا کہ یہ انتخابات علاقائیت سے عبارت ایک ایسی فضا میں منعقد ہوئے تھے۔ جس میں قومی قیادت یا قومی سیاسی پارٹی کا تصور عنقا تھا۔ یہ صورتِ حال گزشتہ دو عشروں کی سیاست کا منطقی نتیجہ تھی۔ آزادی کے چوبیس سال گزرنے کے باوجود پاکستانی قوم ایک متحدہ قوم کے اوصاف سے تقریباً عاری تھی۔ اس صورت حال کی ذمہ داری کئی عوامل پر عائد ہوتی ہے۔ کسی بھی قوم میں مشترکہ مقاصد کا احساس جمہوری نظام میں برسر اقتدار

قومی قیادت یا قومی جماعتوں کے بغیر پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں یہ دونوں عوامل مفقود تھے۔ دوسری طرف اقتدار کے قومی ڈھانچے اور اقتصادی ترقی میں تمام علاقوں کی مناسب شمولیت کا انتظام بھی ممکن نہ ہو سکا۔ اگر پاکستان میں جمہوریت کو پنپنے کا موقع دیا جاتا تو اس امر کی توقع کی جاسکتی تھی کہ ملکی امور میں احساس شمولیت کے نتیجے میں ایک قومی نقطۂ نظر ابھر کر سامنے آتا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اور الیکشن کے قریب آنے والی صورتِ حال اسی ناکامی کی غماز تھی۔ علاقہ پرستی کا رجحان بعض سیاسی پارٹیوں کے دساتیر میں بھی راہ پانے لگا۔ معاملے کا افسوسناک ترین پہلو یہ تھا کہ بیشتر سیاسی جماعتوں نے ملک کے دونوں حصوں میں اپنے امیدوار نامزد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ عوامی لیگ نے مغربی پاکستان میں صرف آٹھ امیدوار نامزد کیئے۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں پیپلز پارٹی کا کوئی امیدوار نہ تھا۔ اسی طرح ملک کی دونوں بڑی پارٹیوں نے علاقائیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ انتخابات میں حصہ لینے والی چوبیس جماعتوں میں سے مسلم لیگ، جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی اور چند دوسری جماعتوں نے ملک کے دونوں حصوں میں اپنے امیدوار کھڑے کیئے۔ یہ جماعتیں سیاسی میدان میں اپنے طویل ماضی کے باوجود عوامی مقبولیت سے بڑی حد تک محروم ہو چکی تھیں۔ انتخابات کے نتائج کیمطابق کامیابی کا سہرا عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے سر رہا۔ ان جماعتوں کی حاصل کردہ نشستوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

Marfat.com

حاصل شدہ ووٹوں کی تعداد اور ڈالے جانے والے کل ووٹوں سے اس کا فیصد تناسب

	پاکستان	مشرقی پاکستان	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان
عوامی لیگ	۱۲،۳۶۱،۸۶۸	۱۲،۳۳۸،۹۲۹	۸۰،۰۸۹	۷،۶۱۳	۳،۱۷۰	۳،۹۶۵
فیصد تناسب	۳۸٫۳٪	۷۴٫۹٪	۰٫۰۷٪	۰٫۰۲٪	۰٫۲٪	۱٫۰٪
پاکستان پیپلز پارٹی	۶،۱۴۸،۹۲۳		۴،۵۳۲،۵۰۱	۱،۴۰۱،۰۶۰	۲۰۵،۵۹۳	۸،۸۶۹
	۱۹٫۵٪		۴۱٫۶۶٪	۴۴٫۹٪	۱۴٫۲٪	۲٫۳٪
مجموعی درج شدہ ووٹ	۵۵،۲۰۷،۵۴۰					
مجموعی ڈالے گئے ووٹ	۳۳،۳۲۳،۴۳۲					

Marfat.com

انتخابی نتائج کا قابلِ غور پہلو یہ تھا کہ عوامی لیگ کو ٹکٹ کے مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں کے تقریباً ۲۲ء۳۹ فیصد ووٹ حاصل ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں اس کے حاصل شدہ ووٹوں کی شرح مجموعی ووٹوں کا ۴۲ فیصد تھی۔ دوسرے لفظوں میں عوامی لیگ اپنی تمام تر جذباتی اپیلوں، بوگس جعلی ووٹوں اور بھاری اخراجات کے باوجود مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں کا نصف بھی حاصل نہ کر سکی۔ الیکشن کے نتائج سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ مشرقی پاکستان میں مجموعی رجسٹرڈ ووٹروں میں سے صرف ۵۰ فیصد نے اپنا حقِ رائے دہندگی استعمال کیا۔ جبکہ ہندو آبادی نے سو فیصد ووٹ ڈالے۔ کئی عینی شاہدوں نے مصنف کو بتایا کہ ہندوؤں نے انتخابات میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور وہ عوامی لیگ کی انتخابی مہم میں پیش پیش رہے۔ ماضی میں ہندوؤں نے کبھی بھی اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی تنظیم کے ساتھ انتخابات میں حصہ نہیں لیا۔

انتخابات کے نتائج کا مزید تجزیہ نہایت پیچیدہ صورتِ حال کی عکاسی کرتا ہے۔ الیکشن کمیشن کے اعلان کے مطابق مجموعی ووٹروں کے ۵۰ فیصد نے انتخابات میں حصہ لیا۔ جن میں ۸۵ فیصد نے اپنا رائے دہندگی عوامی لیگ کے حق میں استعمال کیا۔ اس طرح عوامی لیگ کو مجموعی رجسٹرڈ ووٹوں میں ۴۲ فیصد ووٹ حاصل ہوئے جن میں سے ۱۵ فیصد ووٹ ہندوؤں کے تھے۔ یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مشرقی پاکستان کے تمام ہندوؤں نے عوامی لیگ کے حق میں ووٹ دیا۔ اگر جعلی ووٹوں کی تعداد کو ۱۰ فیصد تصور کیا جائے جو کہ ایک قابلِ یقین تعداد ہے تو عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں ملنے والے مسلم ووٹوں کی تعداد صرف ۱۷ فیصد رہ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مشرقی پاکستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت نے الیکشن میں حصہ نہیں لیا۔[۳۸]

---

۳۸ مصنف کو سابق مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد نے بتایا کہ جب وہ ووٹ ڈالنے کے لئے پولنگ سٹیشن پہنچے تو ان کے ووٹ پہلے ہی ڈالے جا چکے تھے۔

Marfat.com

انتخابات میں کامیاب ہونے والی دو بڑی سیاسی جماعتوں یعنی عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو علی الترتیب مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں کوئی نشست حاصل نہ ہوئی۔ یہ صورت حال اس امر کی تصدیق کے لئے کافی تھی کہ ملکی سیاست کے بازار میں علاقائیت کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ یوں اہل نظر پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ پاکستان میں سیاست کا سفینہ اب صوبہ پرستی کی تنگنائے میں سفر کرے گا۔

انتخابات میں غیر معمولی فتح کے بعد عوامی لیگ کے موقف میں مزید سختی پیدا ہو گئی۔ اور اس کی قیادت نے فاشسٹ انداز اپنا لیا۔ صدر یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن کی کامیابی پر مبارکباد کا پیغام بھیجتے ہوئے۔ انہیں پاکستان کا آئندہ وزیر اعظم قرار دیا۔ ان کے بعد مغربی پاکستان کے کئی سیاسی رہنماؤں نے انہیں متعدد بار اکثریتی پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے مغربی پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے سختی سے ٹھکرا دیا۔ مجیب الرحمٰن کی تمام سیاسی مساعی کا دائرہ کار مشرقی پاکستان کے لئے خود مختاری تک محدود رہا۔ ان کی سوچ قومی نقطۂ نظر سے یکسر عاری تھی اور ان کے ذہن میں ملکی حکومت چلانے کا کوئی مبہم تصوّر بھی موجود نہیں تھا۔[۳۹] انہوں نے ڈھاکہ کو طاقت کا محور قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ جو بھی ان سے ملنا چاہتا ہے مشرقی پاکستان آ کر ملے۔ ایک اخباری نامہ نگار کے اس سوال پر کیا انہیں صدر کی طرف سے اسلام آباد کے دورے کی دعوت دی گئی ہے، مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "اگر صدر اُن سے ملنا چاہتے ہیں تو ڈھاکہ آ کر ملیں۔ اور یہ کہ وہ خود کسی سے ملاقات کے خواہاں نہیں ہیں۔ کامیابی کے بعد علاقائیت پر مبنی مجیب الرحمٰن کا رویہ بین الصوبائی کھنچاؤ کا باعث بنا اور ان کے عزائم کے بارے میں پہلے سے موجود خدشات مزید پختہ ہو گئے۔ عام تاثر کے مطابق مجیب الرحمٰن کا انداز نظر کسی قومی رہنما کے شایان شان نہیں تھا۔ دوسری طرف حکومت

---

۳۹ ؎ بحوالہ ڈیوڈ لوشاک ص ۵۲

Marfat.com

اپنی کمزور اور غیر نمائندہ حیثیت کی بناء پر اکثریتی پارٹی کے لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی ۔ حکومت کے اس رویّے کے نتیجے میں طاقت کے نشہ میں سرشار عوامی لیگ نے انتظامیہ پر احکامات صادر کرنے شروع کر دیئے اور اس کے رضاکاروں نے صوبے میں نظم و نسق برقرار رکھنے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں گویا عوامی لیگ نے ایک طرح سے متوازی حکومت قائم کر لی تھی ۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۵

علیحدگی کی راہ پر (۷۱-۱۹۷۰)

عام انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال میں ملک و قوم کے مستقبل کی تمام تر ذمہ داری مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ انتخابات سے پہلے اور ان کے دوران دونوں صوبوں میں فروغ پانے والی منافرت کے خاتمے کے لئے ان دونوں رہنماؤں کے درمیان قابلِ عمل سمجھوتہ ناگزیر تھا۔ اس سمجھوتے کے لئے ضروری تھا کہ فوج ریفری کا کردار ادا کرتے ہوئے اس امر کو یقینی بناتی کہ دونوں ٹیمیں کھیل کے اصول اور ضوابط پر پوری طرح کاربند رہیں۔ مگر بدقسمتی سے عوامی لیگ، پیپلز پارٹی اور فوج میں سے کوئی بھی عوامی توقعات پر پورا نہ اتر سکا۔

انتخابات کے فوراً بعد بھٹو نے ایسے بیانات جاری کئے جو عوامی لیگ کی قیادت کو اشتعال دلانے اور بین الصوبائی کشیدگی میں اضافے کا باعث بنے۔ بھٹو نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی میں سمجھوتے کی ضرورت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا جس کی توجیہہ اس کے سوا کوئی اور نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان کی حکمت عملی یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن انہیں شریک اقتدار بنانے پر مجبور ہو جائے[1] اقتدار کی

---

[1] : بھٹو نے اپنی خواہش اقتدار کو چھپانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی اس سلسلے میں ان کی توجیہہ خاصی دلچسپ تھی: "ہم عوامی لیگ کے ساتھ شریک اقتدار ہونا چاہتے ہیں کیونکہ مشرقی پاکستان میں تسلط اور مرکزی حکومت میں انتظامیہ پر قبضہ کے بعد مجیب کو علیحدگی کا حتمی قدم اٹھانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔" "دی گریٹ ٹریجڈی" ص ۱۹، ۲۰۔

Marfat.com

اس سیاست میں بھٹو کو فوج کی پوری حمایت حاصل تھی اور وہ اسے تیسری پارٹی کا نام دیتے تھے۔ انہوں نے ۲۱ اکتوبر کو لاہور میں کہا کہ " اگر صدر مملکت عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو آئین مقررہ مدت سے پہلے ہی تیار کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے کہا کہ اگر یہ دونوں جماعتیں افہام و تفہیم میں ناکام رہیں تو "صورت حال قابو سے باہر ہو جائے گی اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی کے علاوہ دوسرے اراکین کی مدد سے آئین سازی کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔" اس تقریب میں انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ " ان کی پارٹی کے تعاون کے بغیر کسی حکومت کا چلنا ناممکن ہے۔ اقتدار میں دونوں پارٹیوں کی شرکت ضروری ہے۔ ان کی پارٹی کو اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ الاّ یہ کہ وہ خود ایسا چاہیں۔" انہوں نے عوامی لیگ کے ساتھ مل کر مرکز میں مشترکہ حکومت بنانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ ۲۱ دسمبر کو لاہور میں کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے آئین سازی کے لئے مندرجہ ذیل تبادلات کی نشاندہی کی:۔

۱۔ صدر مملکت، پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ باہم مل کر معاملہ طے کر لیں۔ اس صورت میں آئین ۱۲۰ دن سے پہلے تیار کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ باہمی افہام و تفہیم سے مسئلہ حل کر لیں۔

۳۔ دونوں حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ آئین ہوں جس کا لازمی نتیجہ ایک بحران کی شکل میں برآمد ہوگا۔

اس طرح بھٹو وہ پہلے سیاستدان تھے جنہوں نے ملک کے دونوں حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ آئین تجویز کئے۔ اپنے اسی خطاب میں انہوں نے تنبیہ کی کہ پیپلز پارٹی کی رضامندی کے بغیر ہونے والے کوئی بھی آئینی انتظامات کامیاب نہیں ہو سکتے۔[۲] جیسا کہ ان بیانات سے

۲۔ بھٹو کا ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ کو ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل لاہور میں ایک استقبالیہ سے خطاب۔

Marfat.com

ظاہر ہے ملک کی سیاسی فضا آنے والے دن میں ایک غیر معمولی آئینی بحران کی نشاندہی کر رہی تھی۔ مگر یحییٰ خان نے حالات کو سدھارنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

۲۷ دسمبر کو بھٹو نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پرانے مؤقف کا اعادہ کیا۔ انہوں نے ایک غیر ملکی نامہ نگار کے اس سوال کے جواب میں کہ اگر مجیب الرحمٰن نے اپنی مرضی کا آئین تھوپنے کی کوشش کی تو ان کا ردِعمل کیا ہوگا؟ کہا کہ وہ ایک طرف ہو جائیں گے اور پھر نتائج کی ذمہ داری ان پر نہیں ہوگی۔" بھٹو کے ان بیانات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے عدم سمجھوتے کی صورت میں قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کے امکانات پر بہت پہلے سے سوچنا شروع کر دیا تھا اور یہ کہ بھٹو نے اس موقع پر ایسا رویہ اختیار کیا جیسے وہ اکثریتی پارٹی کے رہنما ہوں۔ مسٹر بھٹو کے اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد اور غیر مصالحانہ رویے نے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان تصادم کی فضا پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

انتخابات کے نتائج نے یحییٰ خان کا یہ مفروضہ غلط ثابت کر دیا کہ کوئی بھی جماعت قومی اسمبلی میں متوازن اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ جنوری ۱۹۷۱ء میں الیکشن کے بعد پہلی ملاقات میں یحییٰ خان نے مجیب الرحمٰن سے کہا کہ وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ سمجھوتے کی کوئی صورت نکالے۔ مشرقی پاکستان میں اسے انتخابات کے نتائج کو پس پشت ڈالنے اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان آویزش کا بیج بونے کے مترادف قرار دیا گیا۔[۳] یحییٰ خان کے عزائم کا صحیح تجزیہ ممکن نہیں تاہم بظاہر صورت حال کا تقاضا یہی تھا کہ تصادم سے بچنے کے لئے مجیب الرحمٰن اور بھٹو میں سمجھوتا ضروری تھا۔

اگرچہ مجیب الرحمٰن اور بھٹو دونوں سیاسی رہنماؤں نے مشرقی پاکستان کے ساتھ

---

3. Anthony Mascarenhas, The Rape of Bangladesh, p. 68.

Marfat.com

ہونے والی ناانصافیوں کے ازالے کا وعدہ کر رکھا تھا[۴] اور انہوں نے اپنی طویل انتخابی مہم کے دوران ایک دوسرے پر ذاتی حملے کرنے سے بھی گریز کیا تھا۔ تاہم ملک میں برسرِ عمل سیاسی قوتوں اور دونوں راہنماؤں کے درمیان تندو تلخ بیانات کے تبادلے کے پیشِ نظر ان کے باہمی مذاکرات سے کوئی خوش آئند توقع وابستہ نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان قومی مسائل پر ان کے اختلافی مؤقف، مزاج کے تفاوت اور متضاد عزائم کی ناقابلِ تسخیر دیواریں حائل تھیں۔

مجیب الرحمٰن بھٹو ملاقات سے پہلے بعض دوسرے ناخوشگوار عوامل کی بناء پر ان دونوں رہنماؤں کے درمیان فاصلہ مزید بڑھتا چلا گیا۔ اولاً عوامی لیگ کی غیر معمولی فتح کے نتیجے میں چھ نکات پر اس کا مؤقف مزید سخت ہو گیا۔ ثانیاً بھٹو نے چھ نکاتی فارمولے کو ملکی سالمیت کے لئے زہرِ قاتل قرار دیتے ہوئے اس پر تنقید شروع کر دی۔ مجیب الرحمٰن نے ایک مرتبہ کہا کہ چھ نکات کو بنیاد بنائے بغیر کوئی آئین تیار نہیں کیا جا سکتا۔[۵] دوسری طرف بھٹو نے اعلان کیا کہ پاکستان میں قوت کے حقیقی سرچشمے پنجاب اور سندھ ہیں اور چونکہ پیپلز پارٹی کو ان صوبوں میں بھاری اکثریت حاصل ہوئی ہے۔ لہذا آئین کی تشکیل یا کسی بھی مرکزی حکومت کے قیام کے لئے انہیں کا تعاون ضروری ہے۔[۶] انہوں نے اس نقطہ نظر کی تائید کی کہ گذشتہ ۲۵ سالوں کے دوران امورِ مملکت میں مشرقی پاکستان کی عدم شمولیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آئندہ پچیس سال تک مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر حکومت کرے۔[۷]

---

۴ : پیپلز پارٹی کے دستور ۱۹۶۷ء میں اس سلسلہ میں خاص طور پر تصریح کی گئی۔

۵ : دی پاکستان ٹائمز، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء۔

۶ : دی پاکستان آبزرور ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ء۔

۷ : ایضاً۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

اس پر عوامی لیگ کی طرف سے شدید ردِعمل کا اظہار کیا گیا اور پارٹی کے سیکرٹری جنرل تاج الدین احمد نے اپنے جوابی بیان میں کہا کہ "ہمیں قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل ہے اور عوام نے اپنے ووٹوں کے ذریعے ہمیں آئین اور مرکز کی حکومت بنانے کا اختیار دیا ہے۔ وہ دن گئے جب پنجاب اور سندھ قوت کا سرچشمہ ہونے کے دعویدار ہوتے تھے۔"[۸] یہ بیان بازی ملک کے دونوں حصّوں کے درمیان موجود اختلافات میں مزید اضافے کا باعث بنی۔

پاکستان میں آئین سازی کی تاریخ مظہر ہے کہ کوئی آئین اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے تمام صوبوں کی حمایت حاصل نہ ہو۔ آئین محض ایک سادہ اکثریت سے منظور ہونے والا قانون نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت قوم کی اجتماعی امنگوں کی ترجمانی کرنے والی مستقل دستاویز کی ہوتی ہے۔ وفاقی نظامِ حکومت میں آئین سازی کے عمل میں صوبوں کی شمولیت اور تائید کو ناگزیر ضرورت تسلیم کیا گیا ہے۔ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان کے خدشات کا ازالہ کرنے کے بجائے قومی اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر مسودہ آئین منظور کرانے کے لئے دھمکی دی۔ ان کے جواب میں بھٹو نے کہا کہ وہ اس طرح منظور ہونے والے آئین کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔[۹] بھٹو کی طرف سے اقتدار میں شرکت کا ایک پس منظر بھی تھا۔ مجیب الرحمٰن، یوسف ہارون کی وساطت سے قومی اسمبلی میں مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والی چھوٹی جماعتوں اور آزاد اراکین کا تعاون حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ان مساعی کا واضح مقصد بھٹو اور اس کی جماعت کی اہمیت کو کم کرنا تھا۔[۱۰]

---

۸ :۔ دی پاکستان آبزرور، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

۹ :۔ ۱۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل راولپنڈی میں بھٹو کا پی پی پی کے کارکنوں سے خطاب۔

۱۰ :۔ ایضاً ۸ جنوری ۱۹۷۱ء

عدم اعتماد اور خدشات کی اس فضا میں بھٹو نے مجیب الرحمٰن سے بار بار چھ نکات پر مفاہمت کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی اپوزیشن میں نہیں بیٹھے گی کیونکہ پیپلز پارٹی عوام سے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے مزید پانچ سال تک انتظار نہیں کر سکتی[11] پارلیمانی روایت کے نقطۂ نظر سے یہ ایک غیر معمولی بیان تھا۔ بھٹو نے کہا، کہ صوبوں کے لئے خود مختاری کی حد کا فیصلہ عوام میں اکثریت کے بل بوتے پر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح قومی اسمبلی ایسا آئین تیار نہیں کر سکے گی جو دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو[12] انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ مغربی پاکستان کے "واحد ترجمان" ہیں اور یہ کہ "انہیں اقتدار میں شرکت سے محروم" نہیں رکھا جا سکتا۔[13] انہوں نے مزید کہا کہ ان کی جماعت ہر اس سازش کا مقابلہ کرے گی جو اسے اپوزیشن میں بٹھانے کے لئے کی جائے گی[14] بھٹو کے ان بیانات کے نتیجے میں مجیب الرحمٰن کا رویہ مزید سخت ہو گیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ، حکومت بنانے کا حق صرف عوامی لیگ کو حاصل ہے۔[15]

۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو رمنا ریس کورس میں عوامی لیگ کے اراکین قومی اسمبلی نے عوام کے ایک اجتماع کے سامنے حلف اٹھایا کہ "ہم ہر حال میں چھ نکات اور گیارہ نکاتی پروگرام پر عوامی فیصلے کی پاسداری کریں گے[16] مجیب الرحمٰن نے اپنے خطاب میں کہا کہ شہداء

---

[11]:۔ دی پاکستان ٹائمز، ۲۱ دسمبر ۱۹۷۰ء

[12]:۔ ایضاً۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ء

[13]:۔ ایضاً۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

[14]:۔ ایضاً۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۰ء

[15]:۔ ایضاً۔ ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء

[16]:۔ دی پاکستان آبزرور۔ ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

کا خون رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا...... ہم اکثریت کے نمائندے ہیں۔ اس لئے ہم آئین تشکیل دیں گے اور اس راستے میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کو کچل دیا جائے گا۔"[17] رمنا ریس کورس کے اس جلسہ عام میں سٹیج پر بنگلہ دیش کا نقشہ آویزاں کیا گیا۔ جس پر، "جیئے بنگلہ" کے الفاظ درج تھے۔[18] اس تقریب میں کئی سفارت کار بھی شریک تھے۔ یہ تقریب اور مجیب الرحمٰن کی طرف سے مخالفین کو کچلنے کا اعلان ان لوگوں کی خوش فہمی دُور کرنے کے لئے کافی تھا جو اب تک کسی سمجھوتے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد عوامی لیگ کے لب ولہجہ میں مزید شدت آگئی۔ ۴ جنوری کو مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "مغربی پاکستان اس کے دیرینہ چھ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کو روکنے کی مساعی کر رہا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں عوام سے کہوں گا کہ وہ انقلاب کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔"[19] مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے کھلم کھلا "بنگلہ دیش" کے مفادات کا ذکر شروع کر دیا، اور اس بات پر زور دیا کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کہا جائے۔ اخبارات نے مجیب الرحمٰن کی سرگرمیوں کا مواخذہ کرتے ہوئے پاکستان کی سالمیت کو درپیش خطرات کی نشاندہی کی۔ ایک اخبار نے لکھا کہ "مجیب الرحمٰن اپنی تقریروں اور بیانات میں مشرقی پاکستان کی بجائے بنگالی قوم کا ذکر کر رہے ہیں۔"[20] ایک اور مبصر نے کہا، "پاکستان کے ٹوٹنے کے امکانات پیدا ہو چکے ہیں۔ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان

---

17. Bangladesh My Bangladesh (Speeches of Shaikh Mujib), ed. by Ramendu Majumdar, p. 36.

۱۸: ایضاً ص ۳۵۔ مزید ملاحظہ ہو بحوالہ جی۔ ڈبلیو چوہدری ص ۱۲۵۔

19. Globe and Mail, Ottawa, 7 January 1971.

۲۰: دی ٹائمز لندن ۲۳ فروری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

کے بجائے بنگال جمہوریہ کا ذکر شروع کر دیا ہے۔[۲۱] اخبارات نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ پاکستان کی سیاست نہایت تیزی سے تصادم کی طرف بڑھ رہی ہے اور بھٹو کی ہوس اقتدار اور مجیب الرحمٰن کے غیر لچکدار رویے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال پاکستان کے وجود کے لئے خطرے کا باعث بن چکی ہے۔ مشرقی پاکستان کے انتہا پسند گروپوں کی سرگرمیاں بھی مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان مفاہمت میں رکاوٹ کا باعث بنیں۔ آزادی کے لئے ان عناصر کے واویلے نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں حائل خلیج کو مزید وسیع کر دیا۔ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ یہ انتہا پسند مجیب الرحمٰن کے لئے مشکلات پیدا کرنا چاہتے تھے یا ان کا مقصد علیحدگی کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ انہوں نے مجیب الرحمٰن کے لئے افہام و تفہیم سے کام لینے کے امکانات ختم کر دیئے۔ سب سے پہلے مولانا بھاشانی نے ۱۹۴۰ء کی قرار داد لاہور کی بنیادوں پر آزاد بنگال کا مطالبہ کیا۔[۲۲] طلباء کے انقلابی گروپوں نے اس مطالبے کی تائید کی۔ گیارہ نکاتی ہفتہ منانے کے دوران ۱۹ جنوری ۱۹۷۱ء کو بنگالی طلبہ نے بنگلہ دیش کی مکمل آزادی کے نعرے بلند کئے۔[۲۳] طالب علم رہنماؤں نے متنبہ کیا کہ اگر منتخب راہنماؤں نے چھ نکاتی اور گیارہ نکاتی پروگراموں سے سرِمو انحراف بھی کیا تو انہیں بنگال سے باہر نکال دیا جائے گا۔[۲۴] فروری کے اوائل میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سیاستدان ایک دوسرے سے بڑھ کر مطالبات پیش کرنے کی دوڑ میں مصروف ہوں۔ سہروردی کابینہ کے ایک وزیر عبدالمنصور احمد نے "دو ہرے مرکز" کا

۲۱: دی لیورپول ڈیلی پوسٹ۔ ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء

۲۲: دی پاکستان آبزرور دسمبر ۱۹۷۰۔ جنوری اور فروری ۱۹۷۱ء

۲۳: ایضاً۔ ۲۱ جنوری ۱۹۷۱ء

۲۴: ایضاً۔ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

تصور پیش کیا اور اس کے حق میں یہ دلیل دی کہ اس طرح دونوں خطوں کے عوام کو اپنی اپنی سرزمین پر رہتے ہوئے اقتدار میں مساوی طور پر شریک ہونے کا موقع مل سکے گا۔[۲۵] پاکستان نیشنل لیگ کے صدر نے کہا کہ فیڈریشن کی تشکیل کا وقت گزر چکا ہے اور اب اس آئینی بحران کو قرارداد لاہور پر پوری طرح عملی جامہ پہنائے بغیر دور نہیں کیا جا سکتا۔[۲۶] ان بیانات نے علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کی اور مجیب الرحمٰن کے لئے حالات کو مزید مشکل بنا دیا۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ یہ تمام بیانات مجیب الرحمٰن کی رضامندی سے جاری کئے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ مغربی پاکستان کے ساتھ سودے بازی میں اپنی پوزیشن بہتر بنانا چاہتا تھا۔

مجیب الرحمٰن نے یحییٰ خان کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ چھ نکات پر افہام و تفہیم کا امکان موجود ہے۔[۲۷] چنانچہ وہ مجیب الرحمٰن کی تازہ ترین سرگرمیوں سے گھبرا اٹھے اور بھاگم بھاگ ڈھاکہ پہنچے۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان کے درمیان ملاقات ہوئی۔ جو تین گھنٹوں پر محیط تھی۔ فریقین کی طرف سے اس ملاقات پر اظہار اطمینان کیا گیا اور یحییٰ خان نے ملاقات کے بعد مجیب الرحمٰن کو مستقبل کا وزیر اعظم قرار دیا۔[۲۸] لیکن بعد ازاں یہ انکشاف ہوا کہ یحییٰ خان کمرۂ ملاقات سے نہایت مایوسی اور دل شکستگی کی حالت میں نکلے۔ انہوں نے شکایت کی کہ مجیب الرحمٰن انہیں مسودۂ آئین دکھانے کے وعدے سے پھر گیا ہے۔ اور اس نے قومی اسمبلی کا اجلاس جلد منعقد نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی دی ہے۔

---

۲۵ : دی پاکستان آبزرور ۱ . فروری ۱۹۷۱ء

۲۶ : ایضاً ۵ ر فروری ۱۹۷۱ء

۲۷ : دی پاکستان ٹائمز ۲۹ ر جون ۱۹۷۱ء . ملاحظہ ہوں یحییٰ خان کی تقریریں .

۲۸ : دی پاکستان آبزرور ۱۵ ر جنوری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

یحییٰ خان کی مایوسی ڈھاکہ ایئر پورٹ پہ ان کے دیئے گئے اس بیان سے بھی ظاہر ہے جس میں انہوں نے کہا کہ "جب مجیب الرحمٰن اقتدار سنبھالیں گے اس وقت میں وہاں نہیں ہوں گا۔"[29]

ایک مستند اور قابل اعتبار شاہد نے مصنف کو بتایا کہ یہ ملاقات فوج اور عوامی لیگ کی قیادت میں ہم آہنگی کا نقطۂ اختتام ثابت ہوئی۔ مجیب نے یحییٰ خاں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ انہیں تو علامتی سربراہ مملکت کے طور پہ قبول کرنے کو تیار ہیں مگر ان کے پاس فوجی قیادت کے دوسرے اراکین کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مجیب الرحمٰن کے اس طرزِ عمل سے نہ صرف یحییٰ خان کو شدید صدمہ پہنچا بلکہ باقی فوجی قیادت بھی ان کے خلاف ہو گئی۔ انہیں شک پیدا ہو گیا کہ مجیب دفاع کے بجٹ میں تخفیف کر کے فوج کو مفلوج کر دے گا۔ اس صورتِ حال میں انہیں اپنا مستقبل بھی شدید خطرے میں نظر آنے لگا۔ اب انہوں نے اپنی توقعات کا رُخ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ یحییٰ خان اپنے ساتھیوں سمیت ڈھاکہ سے بذریعہ طیارہ سیدھے لاڑکانہ پہنچے۔ یحییٰ خان پہ یہ الزام بالکل درست ہے کہ انہوں نے اپنی بالادستی قائم رکھنے کی نیت سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں آویزش کو فروغ دیا۔ اور افہام و تفہیم کی راہ بند کر دی[30]۔ یحییٰ خان کے ایک ساتھی کے مطابق یحییٰ خان ایک اوسط درجے کے فوجی دکھائی دیتے تھے اور بعض اوقات ان کا طرزِ عمل بھی ایسا ہی تھا۔ تاہم بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ پاکستانی فوج کے چالاک ترین کمانڈر انچیف تھے۔

اس موقع پہ فوج کے سرگرم جرنیلوں نے بھٹو کے ساتھ مل کر یحییٰ خان کو مجیب الرحمٰن

---

[29] ڈان ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء

30. Mascarenhas, op. cit., p. 68.

Marfat.com

کے ساتھ اپنے نرم رویے میں تبدیلی لانے پر مجبور کر دیا۔[۳۱] ان جرنیلوں نے یحییٰ خان کو قائل کیا کہ فوج اپنی "بنیاد اور حلقے" یعنی مغربی پاکستان کے نمائندہ ذوالفقار علی بھٹو کو ناراض کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ یحییٰ خان ذوالفقار علی بھٹو اور فوجی جرنیلوں نے لاڑکانہ میں ہونے والی ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا تھا کہ اگر مجیب الرحمٰن کا رویہ تبدیل نہ ہوا تو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا جائے گا۔[۳۲] لاڑکانہ میں ہونے والی اس میٹنگ کو ڈھاکہ میں شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا گیا اور اس نے مجیب بھٹو ملاقات پر منفی اثرات مرتب کئے۔ اس ضمن میں کچھ اور واقعات کا ذکر ضروری ہے۔ بھٹو کی ڈھاکہ میں آمد سے دو روز قبل خوندکر مشتاق احمد نے ایک بیان میں کہا کہ وقت آگیا ہے کہ مغربی پاکستان کے عوام یہ ثابت کر دیں کہ وہ "علیحدگی پسند" نہیں ہیں[۳۳] یعنی کیا مغربی پاکستان پارلیمانی طرزِ سیاست کے تقاضوں کے مطابق اکثریتی پارٹی کے سامنے جھکنے کے لئے تیار ہے؟ اور یہ کہ کیا مغربی پاکستان انتخابی نتائج اور چھ نکات کو تسلیم کرنے پر رضامند ہے۔ پیشتر ازیں رحمان سبحان بھی اسی قسم کے خیالات

---

[۳۱]: بحریہ کے سابق سربراہ مظفر حسن نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ بھٹو نے جنرل حمید اور پیرزادہ کے ساتھ مل کر لاڑکانہ میں یحییٰ خان پر زور ڈالا تھا کہ مجیب الرحمٰن کو فوجی کارروائی کے ذریعے کچل دیا جائے۔" ہفت روزہ صحافت" لاہور ۲۶ اکتوبر۔۱ نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۱، ۲۲۔ مزید ملاحظہ ہو سلطان خان سابق سیکرٹری خارجہ کا مضمون "دی مسلم" ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء

[۳۲]: راؤ فرمان علی نے ایک مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ یحییٰ خان اور مجیب نے ان کے سامنے اس امر پر اتفاق کیا تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک نہیں بلایا جائے گا جب تک سیاسی راہنماؤں میں اتفاق رائے نہیں ہو جاتا۔ نوائے وقت ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء

[۳۳]: دی پاکستان ٹائمز۔ ۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء

کا اظہار کر چکے تھے۔[۳۴] ڈھاکہ میں یہ افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ بھٹو ملک کے آئندہ صدر ہوں گے۔ ۲۶ جنوری کو عوامی لیگ کے ایک ترجمان نے ان افواہوں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ "بھٹو کے صدر بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ایک ایسے شخص ہیں جو آٹھ سال تک ایوب خان کی آمریت کے خدمت گزار رہے ہیں۔"[۳۵]

۲۷ جنوری کو بھٹو درج ذیل آئینی فارمولا لے کر ڈھاکہ پہنچے۔

۱۔ مشرقی پاکستان کے لئے علیحدہ کرنسی نہیں ہو گی۔ تاہم مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان میں سرمائے کی منتقلی کو روکنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں گے۔

۲۔ بیرونی تجارت جو کہ براہِ راست خارجہ پالیسی سے منسلک ہے مرکز کے پاس رہے گی البتہ ہر صوبے کی برآمدات سے ہونے والی آمدنی سٹیٹ بنک میں کھولے گئے اس کے متعلقہ کھاتے میں مرکزی حکومت کا متعینہ حصہ وضع کرنے کے بعد جمع کرائی جاسکے گی۔

۳۔ دفاع اور امور خارجہ کے محکمے اور ٹیکسیشن کے متعدد یہ اختیارات مرکز کے پاس رہیں گے۔

۴۔ صدر یحییٰ خان کا اقتدار آئین کے تحت منتخب سربراہ کے طور پر قائم رہے گا۔

ڈھاکہ ائیرپورٹ پر مسٹر بھٹو نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان سمجھوتے کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈھاکہ میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے وفود کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا محور چھ نکاتی پروگرام تھا۔ عوامی لیگ اس پر مکمل عملدرآمد کے لئے اس پر اصرار کر رہی تھی جبکہ پیپلز پارٹی کو اس کے کئی پہلوؤں پر اعتراض تھا۔ پیپلز پارٹی کا موقف یہ تھا کہ

۳۴: دی ڈیلی نیوز کراچی۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء

۳۵: روزنامہ "جسارت" کراچی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء۔ مزید ملاحظہ ہو سعید قریشی کا مضمون: پاکستان کا قاتل کون؟

چھ نکات کے تحت وجود میں آنے والا مرکز نہ صرف ملکی سالمیت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ بلکہ اس سے ملک کی بین الاقوامی ساکھ بھی متاثر ہوگی۔ مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان بند کمروں کی ملاقاتوں میں اول الذکر نے صوبوں کے لئے ٹیکسیشن کے مکمل اختیارات پر زور دیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ مشرقی پاکستان کا دفاعی بجٹ میں حصہ مسلح افواج میں اس کی شرکت کے مطابق ہوگا۔ بھٹو نے اس موقف کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ تجویز فوج کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ پیپلز پارٹی نے وفاقی طرز حکومت کے تقاضوں، مرکز میں دو ایوانی مقننہ کی تجویز پیش کی جسے عوامی لیگ نے اس بنیاد پر رد کر دیا کہ اس طرح ملک کے اکثریتی صوبہ بنگلہ دیش اور مرکز پر مغربی پاکستان کی حاکمیت بدستور جاری رہے گی۔[۳۶] اس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اسے بنگلہ دیش کے استحصال کو دوام بخشنے کا عیارانہ حربہ قرار دیا۔[۳۷]

چنانچہ بھٹو اور مجیب الرحمٰن کے مذاکرات ٹیکسیشن، غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد سے متعلق بنیادی اختلافات کی بنیاد پر منقطع ہو گئے۔ بھٹو کا اصرار تھا کہ ان اختیارات کے بغیر مرکز میں اتنا دم خم نہیں ہوگا کہ وہ دونوں صوبوں کو متحد رکھ سکے۔ اس کے جواب میں مجیب الرحمٰن نے صوبوں کے جمع کئے ہوئے محصولات میں مرکز کے حصہ کے لئے ایک مالیاتی کمیٹی تشکیل دینے کی تجویز پیش کی۔ بھٹو نے تجویز پیش کی کہ ملک کے لئے ایک ہی کرنسی رکھتے ہوئے دونوں صوبوں کے لئے علیحدہ علیحدہ سٹیٹ بنک بنا لئے جائیں اور اس موضوع پر مزید پیش رفت کے لئے مذاکرات ملتوی کر کے انہیں مغربی پاکستان میں اپنے ساتھیوں اور دوسرے سیاستدانوں سے مشورے کا موقع دیا جائے۔ مذاکرات کے دوران مجیب الرحمٰن

۳۶۔ ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء کو مجیب کا اخباری بیان۔

۳۷۔ ایضاً۔

Marfat.com

نے اسی امر کا سختی سے اعادہ کیا کہ غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد کو مرکز کی تحویل میں رہنے دینے کا مطلب بنگلہ دیش کے استحصال کو جاری رکھنے کے سوا کچھ نہیں. کیونکہ گذشتہ پچیس برسوں کے دوران زرمبادلہ کی تمام آمدنی کو مغربی پاکستان کی ترقی کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔[۳۸] علاوہ ازیں عوامی لیگ نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ بیرونی قرضوں کی کل رقم ۴۰ ہزار ملین میں سے ۳۸ ہزار ملین مغربی پاکستان ادا کرے۔ پیپلز پارٹی نے اسے مغربی پاکستان کی معیشت کے لئے ناقابل برداشت بوجھ قرار دیا۔[۳۹] مذاکرات کی ناکامی کا نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ نکلا اور ملک کے دونوں حصوں کے درمیان آویزش کی صورت حال مزید سنگین ہو گئی۔

ڈھاکہ سے روانہ ہونے سے پیشتر بھٹو نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے دورے کا مقصد مفاہمت کے امکانات کی تلاش تھی۔ انہوں نے اس امر سے اتفاق کیا کہ قانونی طور پر عوامی لیگ کو آئین سازی کا پورا حق ہے۔ تاہم جیسا کہ انہوں نے کہا پیپلز پارٹی کی شمولیت کے بغیر ایسی کوئی بھی کوشش رائیگاں ثابت ہو گی۔ مجیب الرحمٰن سے اپنی ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ مذاکرات ناکام نہیں ہوئے تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی مشترکہ فارمولا ڈھونڈ کر اس پر دستخط کر کے سر بمہر کر دیا ہے۔ مسٹر بھٹو نے بتایا کہ انہیں ضروری تیاریوں کے لئے تقریباً ۱۵ دنوں کی ضرورت ہو گی اور یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس پندرہ فروری کے بعد بھی بلایا جا سکتا ہے۔

مجیب الرحمٰن نے بھٹو کو مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے[۴۰] ان تمام مساعی کو بے سود

---

[۳۸] :- ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء کو مجیب کا اخباری بیان۔

[۳۹] :- زیڈ۔ اے بھٹو۔ "دی گریٹ ٹریجڈی"، ص ۲۲۔

[۴۰] :- ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن کا بیان۔

Marfat.com

قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ پاکستانی عوام اور تمام دنیا پہ یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ افہام و تفہیم کے خواہاں تھے۔ مگر عوامی لیگ نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔[41]

مجیب الرحمان نے صورت حال سے مایوس ہو کر اعلان کیا کہ وہ مغربی پاکستان کے دوسرے گروپوں اور علاقائی راہنماؤں سے مذاکرات کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "انتخابات کے نتائج کو سبوتاژ کرنے کے لئے ایک سازش کے تحت کام کیا جا رہا ہے۔" بعد ازاں فروری میں جمعیت العلماء پاکستان کے صدر اور قومی اسمبلی کے منتخب رکن شاہ احمد نورانی سے گفتگو کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ بھٹو کا اصل مقصد میرے ساتھ اقتدار میں شریک ہونا تھا اور یہ کہ انہوں نے مجھ سے ڈپٹی پرائم منسٹر کے عہدے اور وزارت دفاع کا مطالبہ کیا تھا۔ مجیب الرحمٰن نے الزام لگایا کہ "بھٹو نے پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ فوج کی نمائندگی کے فرائض بھی سرانجام دیئے ہیں۔"[42] ایک اور روایت کے مطابق بھٹو نے مجیب الرحمٰن سے ملک کی صدارت کے عہدے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ انہیں فوج کے اہم جرنیلوں کی حمایت حاصل ہے۔[43] ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران بھٹو کا استدلال خاصہ معقول دکھائی دیتا ہے۔ چھ نکات پہ تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

۱۔ وفاق اور ملیشیا سے متعلق نکات قابل قبول ہیں۔

۲۔ ٹیکسیشن اور کرنسی سے متعلق نکات بھی بعض نکات کے باوجود قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔

۳۔ غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد کو صوبوں کی تحویل میں دینے کے مطالبے پہ عمل درآمد

---

[41] :۔ ماخذ۔ مجیب کے ایک معتمد ساتھی سے ذاتی ملاقات۔

[42] :۔ یہ اطلاع مصنف کو ایک باخبر ذریعے سے ملی۔

[43] :۔ روزنامہ "نوائے وقت" ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء میں راؤ فرمان علی کا مضمون۔

Marfat.com

مشکل ترین مسئلہ ہے۔ بھٹو کا یہ بیان ان کے اس آئینی فارمولے کے عین مطابق تھا۔ جو وہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ اور درحقیقت انہوں نے غیر ملکی تجارت اور بیرونی امداد سے متعلق آدھے نقطے کے سوا چھ کے چھ نکات تسلیم کر لئے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ بعض شرائط کے اضافے کے بعد اس آدھے نکتے پر بھی سمجھوتہ ہو جائے گا۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملک کی یک جہتی اس اختلاف رائے کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ ڈھاکہ سے واپس آنے پر بھٹو نے گیارہ فروری کو صدر سے ملاقات کی اور انہیں عوامی لیگ سے اپنے مذاکرات کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ انہوں نے صدر سے کہا "ملک کے مغربی حصے میں سیاسی مذاکرات اور بڑے بڑے شہروں میں مفاہمت کے لئے رائے عامہ کی تشکیل کے لئے تین یا چار عام جلسوں کے فوراً بعد قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جائے۔ صدر کو بتایا گیا کہ بنیادی اہمیت کا یہ کام کرنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن سے ایک وسیع تر سمجھوتہ کے لئے ایک آخری کوشش کی جائے گی اور اس کے بعد ہم قومی اسمبلی میں جا سکیں گے۔"[۴۴] چھ نکات کے ضمن میں پیش رفت کے سلسلے میں صدر کو بتایا گیا کہ "ہم چند ہی ہفتوں میں قومی یکجہتی کو قربان کئے بغیر چھ نکات کے متعدبہ حصہ پر مفاہمت کی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ البتہ بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد سے متعلق نکتے کا مشکل مرحلہ مزید وقت کا متقاضی ہے۔"[۴۵] بھٹو کو یقین تھا کہ دونوں فریقوں کے لئے قابل قبول سمجھوتے کا حصول ناممکن ہے۔

اس موقع پر دونوں جماعتوں کے راہنماؤں کا اجلاس طلب کر کے ملک کو مذاکرات کے تعطل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال سے بخوبی نکالا جا سکتا تھا۔ فوج کے لئے

۴۴: زیڈ۔ اے۔ بھٹو۔ "دی گریٹ ٹریجیڈی" ص ۲۴۔

۴۵: ایضاً ص ۲۴۔ ۲۵۔

Marfat.com

یہ فریضہ ادا کرنا کسی اعتبار سے بھی ناممکن نہ تھا۔ کیونکہ مجیب الرحمن نے صدر سے پہلے ہی وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ مغربی پاکستان کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ دوسرے جب فروری کے آخری ہفتے کے دوران مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر فوجوں کی منتقلی کی گئی تو مجیب الرحمن کے ساتھیوں نے یحییٰ خان اور فوجی انتظامیہ کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ چھ نکات پر مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہیں، رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کی تھیں۔

پاکستان میں اختلافات اور کشیدگی کے فروغ اور صورت حال میں پیچیدگی میں اضافے کا باعث بننے والے سیاسی عوامل کی فہرست بے حد طویل ہے۔ سیاسی رہنماؤں کے غیر مفاہمت پسندانہ رویے کے علاوہ خود ساختہ محافظ کے طور پر فوج کے کردار، بیرونی عمل دخل، انتہا پسندوں کے دباؤ اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں کی طرف سے نئے سیاسی حقائق سے روگردانی نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں موجود خلیج کو کشادہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ اس طرح تشکیل دیا گیا تھا کہ اس میں نوکر شاہی کے سیاسی اداروں پر غلبے، مغربی پاکستان کی بالادستی اور فوج کی مالیاتی خود مختاری کے تمام امکانات موجود تھے ہر نئی حکومت نے اس نظام کی حفاظت ضروری سمجھی تھی۔ اب پہلی مرتبہ عام انتخابات کے نتیجے میں ملک کے اقتدار کے اس ڈھانچے کو خطرات کا سامنا تھا۔ دفاعی بجٹ کے سلسلے میں مجیب الرحمن کا رویہ فوجی حکمرانوں کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔

انتخابات کے نتائج میں مختلف جماعتوں کو حاصل ہونے والی نشستوں کے تناسب نے بھی مجیب الرحمن اور بھٹو کے درمیان مفاہمت کے امکانات کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی بلا شرکت غیرے کامیابی اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی غیر متوقع کامیابی نے ملک کو ایک عجیب صورت حال سے دوچار کر دیا۔

Marfat.com

اگر عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں سادہ اکثریت حاصل ہوئی ہوتی تو اسے مفاہمت پسندانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح اگر مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو تمام نشستیں مل جاتیں تو اس کے لئے عوامی لیگ کو بھٹو کے ساتھ کسی معاہدے پر آمادہ کرانا آسان ہو جاتا۔ قومی اسمبلی کی نشستوں پر مغربی پاکستان کی بعض چھوٹی جماعتوں کی کامیابی نے مجیب الرحمٰن کو پیپلز پارٹی کو نظرانداز کرنے کا موقع فراہم کیا۔

دریں اثناء بین الاقوامی سطح پر ظہور پذیر ہونے والے بعض واقعات سے مغربی پاکستان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ مجیب الرحمٰن کی فتح کے بعد بھارت کے پاکستان کے ساتھ رویّے میں سختی آئی اور اس نے بنگال میں منصفانہ انتخابات کے انعقاد کا بہانہ بنا کر مشرقی پاکستان کی سرحد پر اپنی فوج متعین کر دی۔ بھارت کے ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ نے مجیب الرحمٰن کی حمایت میں تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے مشرقی پاکستانیوں کو مرکز کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ کئی ہزار بھارتی باشندے مشرقی پاکستان میں داخل ہو کر امنِ عامہ کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان بھارتی باشندوں نے بنگال میں وسیع پیمانے پر ہتھیار اور اسلحہ تقسیم کیا۔

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو دو نام نہاد کشمیری مجاہدین ایک بھارتی طیارہ اغوا کر کے لاہور لے آئے۔ ہائی جیکروں نے فضائی عملے کو رہا کرنے کے بعد جہاز کو نذرِ آتش کر دیا۔ ان ہائی جیکروں نے حکومتِ پاکستان سے سیاسی پناہ کی درخواست کی۔ چونکہ یہ ہائی جیکر پاکستانی یا بھارتی شہری نہیں تھے۔ لہٰذا ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ بھارت کی حکومت نے پاکستان کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اس حقیقت کے علی الرغم کہ ہائی جیکر پاکستانی باشندے نہیں تھے پاکستان سے معاوضہ طلب کیا گیا۔ اس مطالبے کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی بھارت نے اپنے علاقے پر سے تمام پاکستانی طیاروں کی پروازیں معطل کر دیں، جس کے نتیجے میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان فضائی رابطہ منقطع ہو گیا۔

Marfat.com

بھارت نے پاکستان کی طرف سے معاملے کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کی پیش کش کو مسترد کر دیا۔ بعد ازاں حکومت پاکستان کی طرف سے کی جانے والی تحقیقات کے نتیجے میں یہ ثابت ہو گیا کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ بھارت نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پروازوں کو معطل کرنے کے لئے رچایا تھا۔ شیخ عبداللہ نے بھی جے۔ پی نرائن کے نام ایک خط میں ہائی جیکر ہاشم کو بھارتی ایجنٹ اور ہائی جیکنگ کے واقعہ کو بھارتی حکومت کا منصوبہ قرار دیا۔

حالات کا رُخ تیزی سے ملک کے دونوں خطوں کے درمیان تصادم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اکثریتی پارٹیوں کے راہنماؤں کی طرف سے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی ہر کوشش انہیں ایک دوسرے سے دور لے جا رہی تھی۔

عوامی لیگ کے قانونی ماہرین مسودۂ آئین تیار کرنے میں مصروف تھے۔ جبکہ پیپلز پارٹی واضح طور پر اعلان کر چکی تھی کہ وہ کسی قیمت پر اس آئین کو نافذ نہیں ہونے دے گی۔ فروری میں حالات مزید نازک رخ اختیار کر گئے۔ اور تصادم ناگزیر دکھائی دینے لگا۔ عوامی لیگ کی طرف سے فوری طور پر قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کے لئے دباؤ ہر روز بڑھ رہا تھا۔ مجیب الرحمٰن نے اس بیان کا کئی بار اعادہ کیا کہ بنگالی خون بہانا سیکھ چکے ہیں اور اب کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔[46]

گیارہ فروری کو بھٹو نے یحییٰ خان سے ایک طویل ملاقات کی اور اس سے اگلے روز پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے لاہور میں عوامی لیگ کے دفتر پر حملہ کر کے اس کا جھنڈا جلا دیا اور بورڈ توڑ دیئے۔ بھٹو یحییٰ ملاقات کے دو روز بعد یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ کو ڈھاکے میں ہوگا۔ بھٹو کا ردِ عمل کچھ اس طرح تھا کہ "یہ اعلان ہمارے

---

[46] :۔ ڈان ۱۰ فروری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

لئے انتہائی حیرت کا باعث تھا۔" ہم اس کے لئے پوری طرح تیار نہ تھے۔ ہمارے صلاح مشورے جاری تھے۔ اور ابھی ہم نے مغربی پاکستان کے عوام سے ایک ایسے آئین کے بارے میں ان کی رائے نہیں پوچھی تھی جو غیر معمولی مراعات پر مبنی تھا۔ چنانچہ ہمارے لئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنا ممکن نہیں تھا۔"[۴۷] ۱۵ فروری کو بھٹو نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ان کی پارٹی کے اراکین قومی اسمبلی اس وقت تک اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ جب تک عوامی لیگ کی طرف سے کسی حد تک مفاہمت کا یقین نہیں دلایا جاتا۔ بھٹو نے صاف الفاظ میں کہا۔" ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم محض ایک پارٹی کے پہلے سے تیار کردہ آئین کی توثیق کرنے اور بے عزت ہو کر واپس آنے کے لئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شامل ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ وہاں سمجھوتے اور مفاہمت کی گنجائش موجود ہے تو میں آج وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔ میری جماعت فوری انتقال اقتدار کی از حد خواہاں تھی مگر انتقال پاکستان کی نہیں ...... میں بھارت کے معاندانہ رویے اور چھ نکات کے سلسلے میں اپنی پارٹی کے پیش نظر اپنی پارٹی کے اراکین اسمبلی کو دوہرے یرغمالی نہیں بنا سکتا۔

چھ نکات کے بارے میں مغربی پاکستان میں خدشات بدستور قائم ہیں۔[۴۸] پیپلز پارٹی

---

[۴۷] ۔ زیڈ۔ اے بھٹو "دی گریٹ ٹریجڈی" ص ۲۶ ۔ یہ کتاب ستمبر ۱۹۷۱ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی۔ یحییٰ خان کی حکومت نے اس کے مندرجات کی کبھی تردید نہیں کی۔

[۴۸] ۔ مغربی پاکستان کے ایک سینئر صحافی زیڈ۔ اے سلہری نے مغربی پاکستان پر چھ نکات کے اطلاق کے مضمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون "اے فل سرکل" میں تحریر کیا کہ عوامی لیگ چھ نکات کے مطابق مشرقی پاکستان کے لئے خود مختاری کا مطالبہ کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مغربی پاکستان میں پھر بھی اس کے اطلاق کو روکا نہیں جا سکتا۔ مشرقی پاکستان میں تو جغرافیائی صورتِ حال کے پیشِ نظر اس مطالبے کی حمایت کی جا سکتی ہے لیکن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جہاں تک جا سکتی تھی وہاں تک گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے آگے تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔[۴۹]

اسی روز عوامی لیگ کے اراکین قومی و صوبائی اسمبلی نے ایک مشترکہ اجلاس میں چھ نکات پر اپنے یقین کا اعادہ کیا۔ یحییٰ خان سے اکثریت کا فیصلہ تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے دھمکی دی کہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں جب ہم جیل میں تھے تو کارکنوں اور کسانوں نے ایوب خان کو راہِ فرار اختیار کرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اب جب ہم جیلوں سے باہر ہیں حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعات کیا رخ اختیار کر سکتے ہیں[۵۰] یہ بھی سننے میں آیا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنی پارٹی کے لیڈروں سے کہا کہ "ہم اپنا کام دکھا چکے ہیں۔ اب اسے (بھٹو کو) اس کا کام کرنے دیں۔"[۵۱] چنانچہ اس صورت حال میں تباہی سے بچاؤ کی ہر اُمید دم توڑ چکی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے "ملک سقوط ہسپانیہ جیسے کسی عظیم المیے کی جانب بڑھ رہا ہو۔"[۵۲]

۱۵ فروری کو بھٹو لاہور پہنچے تو بند کمرے کے ایک اجلاس میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اگر حکومت نے مجیب الرحمٰن کا ساتھ دیا تو ان کی پارٹی تحریک چلانے پہ مجبور ہو جائے

بقیہ حاشیہ:۔ مغربی پاکستان میں صورت برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو تو روکا نہیں جا سکتا۔ جبکہ چھ نکات کے اطلاق کے بعد مغربی پاکستان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ دی پاکستان ٹائمز ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء۔

[۴۹]:۔ ڈان ۱۶ جنوری ۱۹۷۱ء

[۵۰]:۔ دی پاکستان آبزرور ۱۶ فروری ۱۹۷۱ء

[۵۱]:۔ ایضاً

[۵۲]:۔ ایضاً

Marfat.com

گی۔ تاہم انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا حکومت ایسا نہیں کرے گی۔ کیونکہ صدر اور ان کے ساتھی ایک متحدہ پاکستان کے نظریے کے حامی ہیں۔ حالات سے نمٹنے کا طریقہ تجویز کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ یا تو مشرقی پاکستان کو آزاد ہونے کی اجازت دے دی جائے یا پھر مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا جائے اور اس کا مواخذہ کیا جائے۔ قومی اسمبلی کے ایک نو منتخب رکن شیخ رشید نے بھٹو کی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو متحد رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مارشل لاء جاری رکھا جائے اور مجیب الرحمٰن کے خلاف اقدام کیا جائے۔[۵۳] دو روز بعد، ۱۵ فروری کو بھٹو نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کے معاندانہ رویے، ملک کے دونوں حصوں کے درمیان فضائی رابطے کے انقطاع، پاکستان کے خلاف مزید اقدامات کی بھارتی دھمکیوں اور پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوج کی نقل و حرکت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ "ان حالات میں اگر پیپلز پارٹی کے تمام اراکینِ قومی اسمبلی ڈھاکہ روانہ ہو جائیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں وہاں کتنا عرصہ رکنا پڑے۔ مزید برآں اگر کوئی ہم پر بنا بنایا آئین ٹھونسنا چاہتا ہے تو اس صورت میں ہم محض ایک تقریب میں شرکت کرنے کے لئے ڈھاکہ نہیں جا سکتے ..... ہم کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں کہ کیا یہ ایک محض افتتاحی اجلاس ہوگا۔ ہمارے اراکین اسمبلی کا تعلق کارکن طبقوں مثلاً وکلاء وغیرہ سے ہے لہٰذا انہیں جانے سے پہلے انتظامات کرنے ہوں گے۔"[۵۴]

مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے کارکن اور بائیں بازو سے منسلک عناصر نے بھٹو کے فیصلے کی مکمل طور پر حمایت کی جبکہ دائیں بازو کے حامیوں نے اس فیصلے پر کڑی تنقید

۵۳: مصنف کی ایک عینی شاہد سے گفتگو۔

۵۴: اخباری بیان - ۱۷ فروری

Marfat.com

کی اور سنگین خدشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر قومی اسمبلی کا اجلاس بر وقت نہ ہوا تو "مشرقی پاکستان اپنا راستہ الگ کر لے گا"[۵۵] دوسری سیاسی جماعتوں خصوصاً قیوم لیگ کے اراکین اسمبلی اجلاس میں شرکت کا پورا ارادہ رکھتے تھے۔ انہوں نے یحییٰ خان سے مطالبہ کیا کہ یہ اجلاس بہر صورت منعقد کیا جائے۔ عوامی لیگ نے بھٹو کے لب و لہجہ کی مذمت کی اور "دوہرے پیمانے" اور پیپلز پارٹی انتقال اقتدار چاہتی ہے، 'انتقالِ پاکستان نہیں" کے الفاظ پر شدید احتجاج کیا۔[۵۶] عوامی لیگ نے اس موقع پر کسی فیصلے کا اعلان تو نہ کیا تاہم ان کے قریبی حلقوں کا خیال یہ تھا کہ "بھٹو کی آئینی طریق سے روگردانی ملک کو ایسے مقام تک پہنچا کر چھوڑے گی جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو گی۔[۵۷] عوامی لیگ کے اس نقطۂ نظر کو کسی بھی صورت میں آنے والے حالات کی غلط تصویر کشی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

رفتہ رفتہ بھٹو عوامی لیگ کے خلاف تصادم کا رویہ اختیار کرتے چلے گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ علیحدگی کا لمحہ قریب سے قریب تر آ رہا ہے۔ ۲۰ فروری تک پورے مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو تحریک چلانے کے لئے ہدایات جاری کی جا چکی تھیں۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ حکومت بھی اس صورت حال کی ساری تفصیلات سے باخبر تھی۔ ۱۹ فروری کو بھٹو نے صدر سے ملاقات کے دوران صورت حال کی کشیدگی اور سنگینی پر گفتگو کی۔ اس ملاقات کی تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں تاہم پیپلز پارٹی کے سربراہ نے اراکینِ

---

۵۵ :۔ روزنامہ جسارت "کراچی، ۱۷ فروری ۱۹۷۱ء اخبار نے اپنے اداریے میں بھٹو کو سازش کی علامت قرار دیتے ہوئے لکھا کہ وہ جمہوریت کا راستہ روکنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اخبار نے مزید کہا کہ اپنی سازشوں کی تکمیل کے لئے مشرقی پاکستان کی علیحدگی قبول کر لیں گے۔

۵۶ :۔ دی پاکستان ٹائمز ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء

۵۷ :۔ دی ہالیڈے ویکلی، ڈھاکہ ۲۱ فروری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

قومی اسمبلی سے استعفے طلب کر کے خیبر سے کراچی تک تحریک کا آغاز کر دیا۔ دریں اثنا، پیپلز پارٹی کے منتخب نمائندوں نے عوامی لیگ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے جماعتی سربراہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ یہ استعفے کسی قانونی حیثیت کے حامل نہیں تھے۔ کیونکہ فریم آرڈر کے مطابق کوئی رکن اسمبلی کے اجلاس اور سپیکر کے انتخاب سے پہلے اپنے عہدے سے مستعفی نہیں ہو سکتا تھا۔ ۲۰ فروری کو لیگل فریم آرڈر میں ایک ترمیم کے ذریعے اراکین اسمبلی کو اجلاس سے پہلے مستعفی ہونے کی اجازت دے دی گئی جس سے بھٹو کا کام مزید آسان ہو گیا۔ اس اقدام سے لوگوں کے ان شبہات کو تقویت ملی کہ بھٹو اور یحییٰ کے درمیان سیاسی ساز باز موجود ہے[۵۸] لوگ پوچھتے تھے کہ یحییٰ خان بھٹو کو اعتماد میں لئے بغیر ۱۳ فروری کو اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کا اعلان کیسے کر سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں ان دونوں کی دو روز پہلے ہونے والی ملاقات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والا اہم واقعہ "سیاسی صورت حال کے پیش نظر" کابینہ کو توڑنے کا اعلان تھا۔

یحییٰ خان نے ۲۲ فروری کو مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا اجلاس طلب کیا۔ اسی اجلاس میں مجیب کی طرف سے چھ نکات میں تبدیلی سے انکار کی صورت میں فوجی اقدام کے منصوبے کی توثیق کی گئی[۵۹] چنانچہ اس اجلاس کے بعد مشرقی پاکستان میں مزید فوجی دستے بھیجے گئے۔ اس فیصلے کے نتیجے میں عوامی لیگیوں کی صفوں میں بے چینی پھیل گئی اور انہوں نے چھ نکات پر اپنے موقف میں تبدیلی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ مشرقی پاکستان کے مارشل لاء حکام نے عوامی لیگ کے رویے میں اس تبدیلی کے پیش نظر صدر یحییٰ خان سے

۵۸: رابرٹ جیکسن بھی اس خیال سے متفق ہیں: "صدر یحییٰ کے بہت سے اقدامات کو بھٹو کے مطالبات کی تائید سمجھا گیا۔" ساؤتھ ایشین کرائسس ص ۲۸۔

۵۹: یہ اطلاع ایک باخبر ذریعے سے مصنف کو ملی۔

Marfat.com

مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کی درخواست کی. مگر یحییٰ خان نے نامعلوم وجوہ کی بناء پر اس درخواست کو مسترد کر دیا۔ اس طرح صورت حال پر قابو پانے کا آخری موقع بھی ضائع کر دیا گیا قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی اور قیوم لیگ جن کے پاس علی الترتیب ۸۱ اور ۹ نشستیں تھیں، کی عدم شمولیت کا مطلب کل اراکین کی ایک تہائی تعداد کا اسمبلی میں شرکت نہ کرنا تھا۔ دوسرے لفظوں میں مغربی پاکستان کے لیے مختص ۱۴۸ نشستوں میں سے ۹۰ نشستیں پیپلز پارٹی اور قیوم لیگ کے پاس تھیں۔ اس طرح یہ جماعتیں مغربی پاکستان کے ۲/۳ عوام کی نمائندگی کر رہی تھیں. ظاہر ہے کہ ان جماعتوں کے تعاون کے بغیر تشکیل پانے والا آئین پوری قوم کی امنگوں کا ترجمان نہیں کہلا سکتا تھا.

جوں جوں بحران میں شدت آتی گئی اختلاف رائے تصادم کی شکل اختیار کرتا گیا. پیپلز پارٹی کے رویے کا اندازہ اس کے ایک رکن کے اخباری مضمون سے لگایا جا سکتا ہے. جو ان دنوں شائع ہوا. مضمون نگار نے عوام سے کہا کہ "اب جبکہ متوقع بحران کے پیش نظر پورے ملک کی حفاظت ان کے بس میں نہیں رہی. وہ ملک کے اس حصے کو بچائیں جسے وہ بچا سکتے ہیں. ہمیں عوامی لیگ سے چھ نکات سے دستبرداری کا مطالبہ ضرور کرنا چاہیئے. تاہم اگر وہ اس مطالبے پر کان نہ دھرے تو ہمیں ہر صورت میں اسے مغربی پاکستان پر چھ نکات ٹھونسنے سے باز رکھنا چاہیئے."[۶۰] مجیب الرحمٰن نے اس مضمون پر فوری ردِ عمل کا اظہار کیا اور کہا کہ "مضمون اس پالیسی کی عکاسی کرتا ہے کہ اگر بنگلہ دیش کو ایک کالونی کے طور پر نہیں رکھا جا سکتا اور اگر اس نے اکثریتی صوبے کے طور پر اپنا کردار ادا کرنا ہے تو مغربی پاکستان کو بچایا جائے مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس سے اور کس کے لیے بچایا جائے؟" ظاہر ہے کہ مضمون نگار اسے بنگالیوں سے بچانا چاہتا ہے." بھٹو کے ۱۵ فروری کے بیان پر اپنے جذبات

۶۰۔ دی پاکستان ٹائمز ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہو رضا کاظم کا مضمون۔

Marfat.com

کا اظہار کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ بھٹو نے یہ کہہ کر کہ مغربی پاکستان کے نمائندے قومی اسمبلی کے اجلاس میں بنگالیوں کے درمیان خود کو یرغمالی محسوس کریں گے۔ اہل بنگال کو دشمن کے روپ میں پیش کیا۔ مزید برآں مسٹر بھٹو نے قومی اسمبلی کو مذبح (SLAUGHTER HOUSE) قرار دے کر بنگالی اراکین کی توہین کی۔[۶۱] مغربی پاکستان پر چھ نکات ٹھونپنے کے الزام کا ذکر کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے وضاحت کی کہ یہ مغربی پاکستان کے صوبوں کی اپنی صوابدید ہے کہ وہ جتنے اختیارات سے چاہیں دستبردار ہو جائیں۔ اس پر بھٹو کا تبصرہ یہ تھا کہ" دو آئینوں پر مشتمل ایک دستاویز عجوبے سے کم نہیں ہو گی"۔[۶۲]

۲۷ فروری کو عوامی لیگ کی پارلیمنٹری پارٹی نے ایک مسودہ آئین منظور کیا[۶۳] جس کے نمایاں پہلو درج ذیل تھے[۶۴]

۱۔ ملک کا نام وفاقی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔

۲۔ مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش اور صوبہ سرحد کا نام پختونستان ہوگا۔

۳۔ ملک کے دو دارالحکومت ہوں گے۔ سرمائی دارالحکومت ڈھاکہ میں اور گرمائی دارالحکومت اسلام آباد میں۔

۴۔ جنگ یا ہنگامی حالت کا اعلان قومی اسمبلی کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جا سکے گا۔

۵۔ آرمی یا پھر بحریہ اور فضائیہ کے مرکزی دفاتر بنگلہ دیش میں ہوں گے۔

۶۔ امور خارجہ، دفاع اور کرنسی مرکز کے پاس رہیں گے۔

۶۱:۔ ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کا مجیب کا اخباری بیان۔

۶۲:۔ دی پاکستان ٹائمز۔ ۱ مارچ ۱۹۷۱ء

۶۳:۔ ڈان ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

۶۴:۔ یہ معلومات ایک باخبر ذریعے سے مصنف کو حاصل ہوئیں۔

Marfat.com

۷. دونوں صوبوں کے لئے دو ریزرو بنک قائم کئے جائیں گے۔

۸. بیرونی قرضوں کی ادائیگی صوبوں میں ان کے استعمال کے تناسب سے کی جائے گی۔

۹. مرکز کے پاس ٹیکسیشن کے کوئی اختیار نہیں ہوں گے۔

۱۰. وفاقی حکومت کے لئے صوبوں سے مالیاتی فراہمی فی کس آمدنی، اخراجات اور درج ذیل فیصد کے مطابق کی جائے گی۔

بنگلہ دیش	۲۷
پنجاب	۳۷
سندھ	۲۱
بلوچستان	۸
پختونستان	۷

۲۸ فروری کو ہونے والے واقعات فیصلہ کن اہمیت کے حامل تھے۔ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستانی اراکین اسمبلی کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی اور ان کی معقول تجاویز کو قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن انہوں نے بھٹو کو چھ نکات کے سلسلے میں کوئی یقین دہانی کرانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ مجیب الرحمٰن کے بقول "چھ نکاتی فارمولا اب سات کروڑ بنگالیوں کی ملکیت بن چکا ہے۔"[۶۵] اسی روز گورنر احسن نے مجیب الرحمٰن سے مل کر قومی اسمبلی کے اجلاس کے التوا کی صورت میں ان کے ردعمل کے بارے میں دریافت کیا۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ وہ اجلاس کے التوا کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے تاہم ان کی شرط یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہونے والے اعلان میں اجلاس کی اگلی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ مجیب الرحمٰن کو یقین دلایا گیا کہ ایسا ہی ہوگا اور صدر کو بذریعہ تار مجیب الرحمٰن کے موقف سے آگاہ کر دیا گیا۔[۶۶]

۶۵:۔ مجیب کا چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری ڈھاکہ سے خطاب ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

۶۶:۔ ذاتی ذریعے سے حاصل شدہ معلومات۔

Marfat.com

دوسری طرف مغربی پاکستان میں سیاسی صورتِ حال دگرگوں شکل اختیار کرچکی تھی۔ ۲۸ فروری کو لاہور میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے اپنی اس دھمکی کو دہرایا کہ اگر قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ کیا گیا تو خیبر سے کراچی تک تحریک چلائی جائے گی۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ "پیپلز پارٹی کو یقین ہے کہ پاکستان کے عوام اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین ڈھاکہ سے واپسی پر بدلہ لیں گے۔ اگر عوام نے یہ بدلہ نہ لیا تو پیپلز پارٹی خود ان اراکین کے خلاف اقدام کرے گی ..... اگر ان کی پارٹی کے کسی شخص نے اجلاس میں شرکت کی تو پارٹی کے کارکن اس سے ضرور حساب چکائیں گے۔ ..... اگر کوئی پاکستان میں مختلف آزاد ریاستیں بنانا چاہتا ہے تو وہ کھل کر اس کا اعلان کرے"[۲۷] انہوں نے مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے یا پھر آئین سازی کے لئے ۱۲۰ دنوں کی شرط واپس لے لی جائے۔ بحران کو ختم کرنے کے لئے بھٹو کا نیا فارمولا ان کے پرانے موقف کے مطابق نہیں تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اس خدشے کا اظہار کیا کہ جونہی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوگا مجیب الرحمٰن اپنی اکثریت کے بل بوتے پر یکطرفہ طور پر تیار شدہ آئینی مسوّدہ منظور کرانے میں کامیاب ہو جائے گا اور پیپلز پارٹی اسے روک نہیں سکے گی۔ اگر بھٹو کے یہ خدشات درست تھے تو آئین سازی کے لئے متعینہ مدت کی شرط کی منسوخی بھی مسئلہ کے حل میں کوئی مدد نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ مجیب الرحمٰن کسی وقت بھی اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اپنی مرضی کا آئین منظور کروا سکتے تھے۔ جیسا کہ حالات و قرائن سے ظاہر تھا کہ اسمبلی کے اجلاس میں التواء سے بھٹو کو تو خوش کیا جا سکتا ہے، مگر اس کا سیدھا سادہ مطلب آئین سازی کے نقطۂ اختتام اور ملک میں ایک نہ ختم ہونے والے بحران کو دعوت دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں یکم مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا اعلان کیا

---

[۲۷] ڈان۔ ۱ مارچ ۱۹۷۱ء

گیا۔ اعلان میں کہا گیا کہ اسمبلی کا اجلاس پیپلز پارٹی کے بائیکاٹ اور بھارتی طرز عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورت حال کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ مجیب الرحمٰن سے کئے گئے وعدے کے برعکس اسمبلی کے اجلاس کے لئے کوئی نئی تاریخ مقرر نہ کی گئی۔

اجلاس کے التوا کا اعلان ریڈیو پر صدر یحییٰ خان کی طرف سے پڑھ کر سنایا گیا۔ جس نے کئی شکوک کو جنم دیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یحییٰ خان نے یہ فیصلہ دباؤ میں آکر کیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس اعلان میں اجلاس کی آئندہ تاریخ دینے سے کون روک سکتا تھا؟ جی۔ ڈبلیو چودھری کے مطابق اعلان کا مسودہ بھٹو اور جنرل پیرزادہ نے تیار کیا تھا اور اس ضمن میں یحییٰ خان کی حیثیت ایک بے بس دستخط کنندہ کے سوا کچھ نہیں تھی[۶۸] اس میں کوئی شک نہیں کہ جنوری ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مجیب یحییٰ ملاقات کے بعد سیاسی امور میں بعض فوجی جرنیلوں کا عمل دخل بہت بڑھ گیا تھا۔ تاہم اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یحییٰ خان مکمل طور پر بے اختیار بنا دیئے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے قومی اسمبلی کے اجلاس کے التوا سمیت اپنے ساتھیوں کے بعض فیصلوں کو پسند نہ کیا ہو تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ جب تک عہدۂ صدارت سے چمٹے رہے کوئی کام ان کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یحییٰ خان کو مذکورہ فیصلوں سے اتفاق نہیں تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ان فیصلوں کی منظوری دینے سے انکار نہیں کر سکتے تھے یا پھر انہیں مستعفی ہونے سے کون روک سکتا تھا۔

جی۔ ڈبلیو چودھری کا موقف یہ ہے کہ یحییٰ خان نے بھٹو کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے مقدور بھر مساعی کیں اور انہیں یقین دلایا کہ مجیب الرحمٰن نے اپنا آئین ٹھونسنے کی کوشش کی تو وہ اجلاس کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے

---

۶۸ :۔ بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری ص۔ ۱۵۶

اگر یحییٰ خان کی درخواست منظور کر لی جاتی تو مجیب الرحمٰن کی علیحدگی کا منصوبہ تمام دنیا پر ظاہر ہو جاتا ہے[۶۹]

پروفیسر جی۔ ڈبلیو چودھری کا خیال ہے کہ بھٹو کو اپنی سودے بازی کی طاقت کا پورا اندازہ تھا اور فوجی حکومت کے اہم اراکین یحییٰ خان کی بجائے ان کے ساتھ تھے[۷۰] چنانچہ انہوں نے صدر کی درخواست کو بھر درخور اعتنا نہ سمجھا۔ یہ طرزِ استدلال زیادہ قرینِ قیاس نہیں۔ یحییٰ خان ۱۱، ۱۹ اور ۲۶ فروری کو بھٹو کے ساتھ تین خفیہ ملاقاتیں کر چکے تھے اور انہیں بھٹو کے عزائم کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہو گا جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے بھٹو کی تقریروں سے اس بات کی واضح نشاندہی ہوتی تھی کہ وہ مجیب الرحمٰن سے پیشگی افہام و تفہیم کے بغیر اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن تھا کہ یحییٰ خان بھٹو کو اعتماد میں لئے بغیر اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان کر دیتے۔ علاوہ ازیں یحییٰ خان نے ۱۶ فروری کو وزارتِ قانون کو اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے لئے مسودہ تقریر تیار کرنے کی ہدایت کی تھی[۷۱] ظاہر ہے کہ وہ اس سے پیشتر اس فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔

۲۰ اور ۲۱ فروری کو یحییٰ خان نے مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے لئے بیانات جاری کریں۔ اس سے پیشتر ۱۳ فروری کو بھٹو اور یحییٰ خان نے ایک طویل ملاقات کی۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے نیپ کے لیڈر ولی خان نے الزام لگایا کہ بھٹو نے یحییٰ خان کو

---

۶۹ :۔ بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری ص ۱۵۶۔

۷۰ :۔ ایضاً ص ۱۵۵۔

۷۱ :۔ ایک عینی شاہد نے مصنف کو یہ اطلاعات فراہم کیں۔

Marfat.com

ڈھاکہ کا اجلاس ملتوی کرنے کا مشورہ دیا ہے۔[۷۲] انہوں نے مزید کہا کہ جنرل عمر نے مغربی پاکستان کے متعدد اراکین قومی اسمبلی سے مل کر انہیں صدر کی طرف سے درخواست کی ہے کہ وہ بھٹو کی بائیکاٹ میں حمایت کریں۔ اگرچہ اس بیان کی صداقت کا کھوج لگانا مشکل کام ہے تاہم واقعاتی شواہد پہ مبنی عمومی تاثر یہی ہے کہ یحییٰ خان نے یہ فیصلہ بھٹو سے مل کر کیا تھا۔

کئی مصنفین کے مطابق اسمبلی کے اجلاس کے التواء کا ایک سبب یحییٰ خان پر جرنیلوں کا دباؤ بھی تھا۔ یحییٰ خان حالات کی خرابی کے بعد اپنے ساتھیوں کے اسیر ہو چکے تھے۔[۷۳] یحییٰ خان کے یہ ساتھی اور فوجی افسروں کی اکثریت مجیب الرحمٰن کے عزائم سے خوفزدہ تھی۔ اور ان کا خیال تھا کہ عوامی لیگ کو اپنے چھ نکات کو عملی طور پہ آئین کی تشکیل دینے سے روکنے کے لئے انہیں مداخلت کرنا پڑے گی۔[۷۴] صرف بھٹو اور قیوم خان نے اسمبلی کے التواء کا خیر مقدم کیا جبکہ عوامی لیگ نے اسے عوامی فیصلے کے خلاف سازش قرار دیا اور کہا کہ ہم اس سازش کا مقابلہ کریں گے۔[۷۵] اجلاس کے التواء کا اعلان ہوتے ہی بنگالی یہ نعرے لگاتے ہوئے گلیوں میں نکل آئے کہ "ہم آزاد بنگال چاہتے ہیں۔"[۷۶]

سول کابینہ پہلے ہی برطرف کی جا چکی تھی۔ اب جنرل احسن کی جگہ جنرل یعقوب کو مشرقی

۷۲۔ ادا کار (ہفت روزہ زندگی) حمود الرحمٰن کمیشن میں ولی خان کا بیان ص ۱۵۔۱۷۔

۷۳۔ ان ساتھیوں سے مراد جنرل حمید، پیرزادہ، گل حسن اور عمر ہیں۔

74. Wayne Wilcox, p. 21. Also see Herbert Feldman, pp. 112-113. Robert Jackson pp. 26-27, and G.W. Choudhury, p. 155.

۷۵۔ تاج الدین احمد کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی تصنیف "پاکستان ڈیوائیڈڈ"۔

۷۶۔ ملاحظہ ہو مشرقی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا مراسلہ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جنرل احسن اپنی میانہ روی کے لئے معروف تھے اور ان کے تعلقات مجیب الرحمٰن کے ساتھ دوستانہ تھے۔ جنرل احسن کی علیحدگی کو مشرقی پاکستان میں غیر دوستانہ اقدام تصور کیا گیا۔ یکم مارچ کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات مکمل ابتری کا شکار ہو چکے تھے۔ یکم مارچ کے بعد مشرقی پاکستان میں حالات پر مکمل بحرانی کیفیت طاری ہو چکی تھی اور مجیب الرحمٰن نے متوازی حکومت قائم کر لی۔ جنرل یعقوب نے واقعات کی رفتار سے محسوس کیا کہ صورت حال پر صرف سیاسی ذرائع سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنرل یحییٰ خان سے درخواست کی کہ وہ ڈھاکہ آ کر مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کریں۔ یحییٰ خان نے یہ درخواست رد کر دی اور جنرل یعقوب نے دانائی سے کام لیتے ہوئے ۴, مارچ کو استعفیٰ دے دیا۔

دریں اثناء مشرقی پاکستان میں قیادت پر انتہا پسندوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مولانا بھاشانی اور پروفیسر مظفر احمد کی قیادت میں سرگرم عمل ان انتہا پسندوں نے کھلم کھلا علیحدگی کا نعرہ لگایا اور تشدد کا پرچار کیا۔ نیپ کے ماسکو نواز گروپ کے سربراہ پروفیسر مظفر نے وسط فروری میں مطالبہ کیا تھا کہ "قومیتوں کو علیحدگی کا حق دیا جائے"[۵۵]

انتہا پسند سیاسی کارکنوں پر مشتمل نیپ کے اس گروپ کو بدلے ہوئے حالات میں مشرقی پاکستان میں بے حد عوامی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ مجیب الرحمٰن اور مرکزی حکومت کے درمیان فاصلے میں اضافے کے بعد اس گروپ نے پارٹی میں اہم پوزیشن حاصل کر لی اور مجیب الرحمٰن ان کے ہاتھوں میں آلۂ کار بن کر رہ گئے۔

مجیب الرحمٰن نے ۲, مارچ کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے خلاف عام ہڑتال کی اپیل کی۔ انہوں نے بنگالیوں سے کہا کہ وہ "عوام دشمن طاقتوں" کے ساتھ عدم تعاون کریں، اور

۵۵۔ ڈان ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء

Marfat.com

بنگلہ دیش کے خلاف سازش کو ناکام بنا دیں۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ قربانیوں کے لئے تیار ہو جائیں اور ہر سطح پر "لبریشن کمیٹیاں" تشکیل دیں۔ ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ سات مارچ کو ایک جلسہ عام کے ذریعے "بنگال" کے عوام کے حقِ خود اختیاری کے حصول کے لئے ایک پروگرام پیش کریں گے[۷۸] عوامی لیگ کی پالیسی، اور مجیب الرحمٰن کے رویے نے سیاسی مبصرین کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مجیب الرحمٰن، "یکطرفہ اعلان آزادی" کا منصوبہ بنا رہے ہیں[۷۹]

ہڑتال کے لئے مجیب الرحمٰن کی اپیل کے فوراً بعد عوامی لیگ کے انتہا پسند کارکن ڈھاکہ کے مختلف حصوں میں پھیل گئے جہاں انہوں نے لوٹ مار، آتشزدگی اور غنڈہ گردی کا بازار گرم کر دیا[۸۰] تمام قصبوں میں انقلابی کونسلیں قائم کر دی گئیں اور کالجوں کی عمارات تخریب کارانہ سرگرمیوں کے لئے تربیتی کیمپوں کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔ متعدد دکانیں لوٹ لی گئیں اور سرکاری ملازموں کو پستول دکھا کر عوامی لیگ کی قیادت کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ ڈھاکہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے نئے گورنر جنرل ٹکا خان کا حلف لینے کے سلسلے میں اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اظہار کیا۔ بھارتی تخریب پسند اور اسلحہ پہلے ہی بڑی مقدار اور بھاری تعداد میں مشرقی پاکستان میں داخل کئے جا چکے تھے[۸۱] نسلی آویزش کو ہوا دینے کے لئے غیر بنگالیوں کے گھروں پر سرخ نشان لگا دیئے گئے اور

۷۸:۔ دی واشنگٹن پوسٹ ۳ ، مارچ ۱۹۷۱ء

۷۹:۔ ڈیلی ٹیلیگراف ۴ ، مارچ ۱۹۷۱ء

۸۰:۔ وائٹ پیپر ص ۲۹ ۔

۸۱:۔ ملاحظہ ہو امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان، پروفیسر غلام اعظم کا انٹرویو روزنامہ "جسارت" کراچی۔ ۲۷ ، نومبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

ان پر حملہ کیا گیا۔[۵۲] ۲ مارچ کو آرمی یونٹوں پر حملے کئے گئے جو بلا شبہ تربیت یافتہ گوریلوں کا کام تھا۔

یحییٰ خاں بحران کی شدت کا صحیح ادراک نہ کر سکے اور انہوں نے ۱۰ مارچ کو سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا۔ مجیب الرحمٰن نے اسے "ظالمانہ مذاق" قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ دعوت نامہ گن پوائنٹ پر دیا گیا ہے۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "ان کے عوام کو نہایت بے رحمانہ انداز میں قتل کیا جا رہا ہے" لہٰذا وہ کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے۔ اگلے روز مسلم لیگ اور جماعت اسلامی نے بھی کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ ۴ مارچ ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن نے سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے صوبے بھر میں پھیل گئی۔ چٹاگانگ میں عوامی لیگ کے بلوائی دستوں کی قیادت میں ایک مشتعل ہجوم نے شہری بستیوں پر حملے کئے اور لوٹ مار، آتشزنی، قتل و غارت اور آبرو ریزی جیسے جرائم کا ارتکاب کیا۔ سات سو گھروں کو ان کے مکینوں سمیت نذر آتش کر دیا گیا۔ ان وارداتوں میں مزید تین سو افراد بھی ہلاک ہوئے۔[۵۳] بلوائیوں نے کئی جیلوں پر حملے کر کے قیدیوں کو رہا کروا لیا۔ صوبے بھر میں سرکاری دفاتر پر حملے کئے گئے اور قومی پرچم کی بے حرمتی کی گئی اور اسے نذر آتش کیا گیا۔ ڈھاکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو بنگلہ دیش کا ترانہ نشر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ۷ مارچ کو محکمہ ٹیلی فون و تار کے ملازمین کی ہڑتال کے نتیجے میں مواصلات کا نظام معطل ہو کر رہ گیا۔ ایک طرف پورا صوبہ خوف اور دہشت گردی کی گرفت میں تھا۔ اور دوسری طرف فوج جو امن عامہ کی نگہداشت کی واحد ضامن تھی، خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔

---

۵۲ :۔ پاکستان آنے والے بنگالیوں کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں۔

۵۳ :۔ وائٹ پیپر ص ۳۱۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو عینی مشاہدات پر مبنی مسعود مفتی کی تصنیف "لمحے"۔

مارچ کے پہلے ہفتے کے دوران ہونے والے واقعات سے ظاہر تھا کہ علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے۔ یحییٰ خان اب بھی بحران کے حل کے لئے مصالحاتی فارمولے کی تلاش میں سرگرم عمل تھے۔ بنگالیوں کی اکثریت کا خیال یہ تھا کہ اسمبلی کا اجلاس بھٹو کی ملی بھگت سے ملتوی کیا گیا ہے اور اب تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ مجیب الرحمٰن کو اعتماد میں لیا جائے علیحدگی جو اب تک محض ایک نعرہ تھی۔ اسمبلی کے التواء کے نتیجے میں حقیقت نظر آنے لگی تھی۔ ۶ مارچ کو صدر یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی ان مساعی پر روشنی ڈالی جو انہوں نے دونوں سیاسی جماعتوں کو قریب لانے کے لئے کی تھیں۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ عوامی لیگ نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ یحییٰ خان نے سختی سے کہا کہ وہ ایک چھوٹی سی اقلیت کو معصوم پاکستانیوں کے ملک کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۵ مارچ کو ہوگا۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ اجلاس کی تاریخ کے تعین سے امن عامہ بحال ہو جائے گا لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ یکم مارچ کے بعد حالات بہت بدل چکے تھے اور صوبے میں بلوؤں، لوٹ مار اور قتل و غارت کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ یحییٰ خان کو اس مرحلے پر بھی اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا، کہ مجیب الرحمٰن کو اعتماد میں لئے بغیر اسمبلی کا اجلاس بلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی صورتِ حال بہتر ہو سکتی ہے۔

مجیب الرحمٰن نے اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے تین شرائط پیش کیں جو درج ذیل تھیں۔ مارشل لاء اور فوج کی فوری واپسی، فائرنگ میں ہونے والی اموات کی تحقیقات اور منتخب نمائندوں کو فوری انتقال اقتدار۔ مجیب الرحمٰن کو انتقال اقتدار اور مارشل لاء ہٹانے کی راہ میں حائل مشکلات سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ مجیب الرحمٰن کی طرف سے پیش کی جانے والی شرائط دراصل مشرقی پاکستان کی آزادی کا اعلان نامہ تھا۔[۵۸]

۵۸: دی ڈیلی ٹیلی گراف لندن ۹ مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

۷، مارچ کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ اختلافات کو پرامن طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے[۵۵] انہوں نے شکایت کی کہ یحییٰ خان نے ڈھاکہ کا دورہ کرنے کی بجائے بھٹو کے ساتھ پانچ گھنٹے تک خفیہ ملاقات کی اور یکطرفہ طور پر اسمبلی کی تاریخ مقرر کر دی۔ عوامی لیگ نے ۱۵ فروری کو اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر اس کی بجائے بھٹو کی ۳، مارچ کی تجویز قبول کر لی گئی۔ اس کے باوجود اقلیتی جماعت نے اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیا اور اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد لیگل فریم آرڈر میں ترمیم کی گئی۔ جب مغربی پاکستان کے دوسرے اراکین قومی اسمبلی نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا تو یہ پارٹی احتجاجی مظاہروں پر اتر آئی اور اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین کی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی۔ پھر اچانک اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے فوجی اقدام شروع کر دیا گیا۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اکثریتی پارٹی اقلیتی پارٹی کے مطالبات نہیں مانتی تو اسے فوج سے لڑنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر یحییٰ خان مخلص ہیں تو انہیں اسمبلی کو آزادانہ کام کرنے کا موقع دینا چاہیئے اور فوجی اقدام فوری طور پر روک دینا چاہیئے[۵۶]

۷، مارچ کو مجیب الرحمٰن نے متوازی حکومت چلانے کے منصوبے کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں متعدد ہدایات جاری کیں۔ اس روز ان کے گھر پر بنگلہ دیش کا جھنڈا آویزاں رہا۔ مجیب الرحمٰن کے اس تاریخی بیان کا مفہوم مکمل آزادی کے اعلان کے مترادف تھا[۵۷] اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان تقریباً "علیحدگی کے کنارے"[۵۸] پر پہنچ گیا۔ تمام تعلیمی ادارے، عدالتیں اور

---

۵۵ :۔ ڈان ۸، مارچ ۱۹۷۱ء

۵۶ :۔ ایضاً۔

۵۷ :۔ دی ڈیلی ٹیلی گراف ۴، مارچ ۱۹۷۱ء

۵۸ :۔ ایضاً۔

Marfat.com

سرکاری دفاتر بند کر دیئے گئے اور اعلان کیا گیا کہ حکومت کو کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا جائے گا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کو ہدایت کی گئی کہ وہ عوامی لیگ کی سرگرمیوں کی پوری تشہیر کریں دونوں حصوں کے درمیان ٹیلی فون کا رابطہ منقطع کر دیا گیا اور بنک کو ہدایت دی گئی کہ وہ مغربی پاکستان کو رقوم کی منتقلی بند کر دیں[۸۹]

مارچ کے پہلے پندرھواڑے میں صوبے بھر میں ناقابلِ بیان مظالم روا رکھے گئے۔ ضلع بوگرہ کے سانتا ہار کے علاقے میں پندرہ ہزار افراد کو گھیرے میں لے کر نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ عورتوں کے ننگے جلوس نکالے گئے اور ماؤں کو اپنے بیٹوں کے خون پینے پر مجبور کیا گیا۔ چٹاگانگ کے ایک چھوٹے سے علاقے میں دس ہزار افراد کو جن میں ساڑھے سات سو عورتیں اور بچے شامل تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا گیا پبنہ کے نزدیک سراج نگر میں ۳۵۰ عورتوں اور بچوں کو ایک ہال کمرے میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا۔ میمن سنگھ میں دو ہزار خاندانوں پر مشتمل ایک بستی کو مکمل طور پر ملیامیٹ کر دیا گیا[۹۰] مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں سے بھی اسی طرح کی رپورٹیں منظرِ عام پر آئیں۔ بیرونی اخبارات نے بھی عوامی حقوق کے نام روا رکھے جانے والے ان مظالم کی دلدوز تفصیلات شائع کیں[۹۱]

مارچ کے تیسرے ہفتے میں ڈھاکہ کی گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر لگے تھے۔ شہر غذائی قلت کا شکار ہو چکا تھا اور مسلح نوجوانوں کے گروہ

---

۸۹ :۔ وائٹ پیپر ص ۳۳۔

۹۰ :۔ ایضاً۔

۹۱ :۔ ملاحظہ ہوں واشنگٹن پوسٹ، واشنگٹن ایوننگ سٹار ۱۲ رمئی ۱۹۷۱ء، نیویارک ٹائمز ۱۲ رمئی۔ فار ایسٹرن اکنامک ریویو ہانگ کانگ ۲۴ راپریل اور سیلون ڈیلی نیوز ۱۵ رمئی ۱۹۷۱ء

Marfat.com

غیر بنگالیوں کے گھروں پر حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر رہے تھے ۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ڈھاکہ مکمل خانہ جنگی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے ۔ جب ڈھاکہ کی گلیوں میں غیر بنگالیوں کو ہلاک کیا جاتا تو مکتی باہنی کے کارکن اپنی بربریت کے ثبوت کو چھپانے کی زحمت بھی گوارا نہ کرتے ۔ قتل و غارت کے ایک ایسے ہی مظاہرے کے بعد ایک عوامی لیگی نے کہا کہ " ان لاشوں کو یہیں پڑا رہنے دو ..... عبرت کے نشان کے طور پر ..... "

خود مختاری کے لئے چلائی جانے والی تحریک کے داعیوں نے پہلے ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن بعد میں مجیب الرحمٰن نے مختلف انواع کے دباؤ کے پیش نظر " متوازی حکومت کے قیام " کا اعلان کر دیا ۔[۹۲] مارچ اپریل کے دوران " بنگالی قومیت کا مدتوں سے رکا ہوا سیلاب کنارے توڑ کر بہہ نکلا اور تمام صوبوں میں غیر بنگالیوں کے خلاف تشدد آمیز نفرت کی لہر دوڑ گئی "[۹۳] ڈھاکہ میں بنگالیوں نے انگریزی زبان میں لکھے ہوئے بورڈ توڑ ڈالے اور غیر بنگالیوں کی دو کالونوں کو تباہ کر دیا ۔ وہ کئی مقامات پر " پنجابیوں اور بہاریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے موت کے منہ میں لے گئے ۔ غیر بنگالیوں کو زندہ جلا دیا گیا ۔ ان کے گلے کاٹے گئے ۔ ایسا کرنے میں مرد عورت اور بچوں کی کوئی تفریق روا نہ رکھی گئی ۔ میمن سنگھ میں ایک پوسٹ ماسٹر نے صحافیوں کو اپنے جسم پر چھروں سے لگائے گئے زخم دکھاتے ہوئے بتایا کہ وہ بنگالی بلوائیوں کے قتل عام کا نشانہ بننے والے پانچ ہزار غیر بنگالیوں میں سے بچ رہنے والے ۲۵ افراد میں سے ایک ہے ۔ انتھونی ماسکارنہاس ANTHONY MASCARENHAS کے مطابق ہلاک ہونے والے غیر بنگالیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو سکتی ہے ۔ اس نے آبرو ریزی ، اذیت کوشی ، اعضاء

---

92. David Loshak, op. cit., p. 99.

۹۳ : ایضاً ص ۱۰۰ ۔

Marfat.com

بربریت اور مردوں اور عورتوں کو سرعام کوڑے مارنے کے واقعات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ انتھونی کے مطابق کئی مقامات پر تشدد کا شکار ہونے والی خواتین کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں۔ چٹاگانگ میں ملٹری اکیڈمی کے کرنل کمانڈنٹ کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کی آٹھ ماہ کی حاملہ بیوی کی آبروریزی کے بعد پیٹ میں چھرا گھونپ دیا گیا۔ متعدد غیر بنگالی نوجوان لڑکیوں کی لاشیں اس حالت میں برآمد ہوئیں کہ ان کی شرمگاہوں میں بنگالی جھنڈے نصب تھے۔ بعض اطلاعات کے مطابق ماؤں کو اپنے ہی مقتول بیٹوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔[۹۴]

دریں اثناء اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے درخواست کی گئی کہ بنگلہ دیش کو اس عالمی تنظیم کا رکن بنا لیا جائے۔ بنگالی انتہا پسندوں نے لندن اور نیویارک میں مظاہرے کئے اور اقوام متحدہ کے مراکز کے سامنے پاکستانی پرچم کو نذرِ آتش کیا گیا۔ بعض بنگالی طلبہ نے لندن میں پاکستانی سفارت خانے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے عوامی لیگ بغاوت کے راستے پر گامزن ہو چکی تھی۔

دوسری طرف یحییٰ خان نے سیاستدانوں کو جس طرح دھوکے میں رکھا اس کی ایک جھلک حمود الرحمٰن کے سامنے ولی خان کے بیان سے ملتی ہے۔[۹۵] ولی خان نے کہا کہ ۲۳ مارچ کو جب وہ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر ان سے ملے تو مجیب الرحمٰن نے انہیں یحییٰ خان کا خط دکھایا جس میں مجیب الرحمٰن سے کہا گیا تھا کہ وہ ڈھاکہ میں ان کی آمد کا انتظار کریں۔ صدر نے مجیب الرحمٰن کو یقین دلایا تھا کہ بنگالی عوام کو چھ نکات سے بھی بڑھ کر حقوق

---

[۹۴]: ایضاً۔ مزید ملاحظہ ہو ڈاکٹر حسن زمان کی تصنیف "ایسٹ پاکستان کرائسز اینڈ انڈیا" ص ۳۔

[۹۵]: یہ کمیشن بھٹو حکومت نے ۱۹۷۲ء میں قائم کیا تھا اور اس کا مقصد مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی وجوہ کی تحقیقات کرنا تھا۔ کمیشن کے سربراہ اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس حمود الرحمٰن تھے۔

Marfat.com

دیئے جائیں گے[۹۶]۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ چھ نکات کا مقصد مشرقی پاکستان کی علیحدگی تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یحییٰ خان اس سے بڑھ کر مشرقی پاکستان کو کیا دینا چاہتے تھے۔ اس امر کے مضبوط شواہد موجود ہیں کہ مجیب الرحمٰن ۷ مارچ کو یک طرفہ اعلان آزادی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ایک نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "پاکستان اپنی موجودہ حالت میں خاتمہ تک پہنچ چکا ہے۔ اب سمجھوتے کی کوئی امید باقی نہیں[۹۷]۔" ٹائمز نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "محسوس ہو رہا تھا کہ مجیب الرحمٰن اپنے بنگلہ دیش کے لئے آزادی کی منزل پر پہنچ چکا ہے[۹۸]۔" غیر ملکی پریس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ مشرقی پاکستان بالآخر علیحدہ ہو جائے گا۔ سرکاری ذرائع سے بھی یحییٰ خان کو اسی قسم کی رپورٹیں موصول ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان حالات میں انہوں نے چھ مارچ کی رات کو مجیب الرحمٰن کو وہ پیغام بھیجا جس کا حوالہ ولی خان نے کمیشن کے سامنے دیا تھا۔ اس خط کا مقصد مجیب الرحمٰن کو اعلان آزادی سے باز رکھنے کے سوا کچھ نہیں تھا اور یہ سوچنا مناسب نہ ہوگا کہ یحییٰ خان اپنی مذکورہ پیش کش میں سنجیدہ تھے۔ یحییٰ خان کے طرز سیاست کے تفصیلی جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ خان اس طرح کے شاطرانہ حربوں کی پوری اہلیت رکھتے تھے۔

۱۰ مارچ کو بھٹو نے مجیب الرحمٰن کو ایک تار بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ "پاکستان کو ہر قیمت پر بچایا جانا چاہیئے۔ میں ڈھاکہ آنے کے لئے تیار ہوں تاکہ اسمبلی آئین سازی کا کام کر سکے[۹۹]۔" بھٹو کی اس کوشش کو بعد از وقت قرار دیا گیا اور مغربی پاکستان میں اسے

---

[۹۶]: بحوالہ ادا کار (ہفت روزہ زندگی) ص ۱۷۔

[۹۷]: دی ٹائم میگزین ۵ مارچ ۱۹۷۱ء ص۔ ۲۱۔

[۹۸]: ایضاً۔

[۹۹]: دی پاکستان آبزرور ۱۱ مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

فریب کاری کا نام دیا گیا۔ عوامی لیگ نے اس پیشکش کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ جبکہ بھاشانی نے حکومت کو الٹی میٹم جاری کیا کہ مجیب الرحمٰن کے مطالبات ۲۵ مارچ سے پیشتر تسلیم کر لئے جائیں۔

۱۲ مارچ کو عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل قمر الزماں نے بعض لوگوں کے پیدا کردہ اس تاثر پر اظہار افسوس کیا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ناگزیر ہو چکی ہے۔ اس روز بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ دونوں صوبوں میں اکثریتی جماعتوں کو انتقال اقتدار کے مطالبے سے ان کی مراد دو وزیر اعظم یا دو پاکستان نہیں تھے۔ اس ضمن میں ایک اہم پیشرفت ہوئی کہ جماعت اسلامی، کونسل مسلم لیگ، جمعیت العلمائے اسلام، جمعیت العلمائے پاکستان اور کنونشن مسلم لیگ کے پارلیمانی گروپوں نے ایک مشترکہ بیان میں مجیب الرحمٰن کے مطالبات کی حمایت کا اعلان کر دیا۔[۱۰۰] جماعت اسلامی نے راہنماؤں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ بھٹو کو صرف پنجاب میں اکثریت حاصل ہے۔ وہاں وہ اپنی حکومت بنا سکتے ہیں۔ اور یہ کہ بھٹو کی ہوس اقتدار نے ملکی یکجہتی کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔[۱۰۱]

وقت کے ساتھ ساتھ بحران کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۱۴ مارچ کو بھٹو نے مطالبہ کیا کہ اگر انتقالِ اقتدار کا عمل کسی آئینی سمجھوتے سے پیشتر ہوتا ہے" تو پھر اقتدار مشرقی اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعتوں کو منتقل کر دیا جائے۔[۱۰۲] بھٹو کے اس بیان کو عوامی لیگ نے

---

[۱۰۰]: نوائے وقت ۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء چنانچہ یوں قیوم لیگ اور پی پی پی کے علاوہ قومی اسمبلی میں نمائندگی رکھنے والی مغربی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے مجیب کے لئے اپنی حمایت کا اعلان کیا۔

[۱۰۱]: ایضاً۔ مزید ملاحظہ ہو۔ روزنامہ جسارت کراچی۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء میں احمد سعید قریشی کا مضمون "پاکستان کا قاتل کون"

[۱۰۲]: ڈان ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء۔

Marfat.com

"ملک کو تقسیم کرنے کی خواہش" قرار دیا[۱۰۳] جی ۔ڈبلیو چودھری کے مطابق بھٹو کا یہ مطالبہ پاکستان کے اندر دو قومی نظریے کو بروئے کار لانے کے مترادف تھا[۱۰۴] تاہم بھٹو اس امر پر مُصِر تھے کہ ان کی تجویز کی یہ توجیہہ کسی طور بھی درست نہیں ۔انہوں نے کہا کہ" موجودہ حالات میں مشرقی پاکستان کی اکثریتی جماعت مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت کے ساتھ مل کر ہی ملک کی جمہوری انداز میں ترجمانی کر سکتی ہے ۔پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مغربی حصے کی اکثریت کی رائے کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے[۱۰۵] تاہم یہاں بھٹو کے ایک اور بیان کا حوالہ مناسب ہوگا جس میں انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ کنفیڈریشن کے انتظامات کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کے اور وہ خود مغربی پاکستان کے وزیر اعظم بن سکتے ہیں[۱۰۶]

بھٹو کے اس بیان پر مغربی پاکستان میں شدید ردِعمل کا اظہار کیا گیا اور کراچی میں سات سیاسی جماعتوں کے ایک مشترکہ جلسہ عام میں بھٹو کے اس "ناپاک منصوبے" کی مذمت کی گئی ۔جلسے میں انتقال اقتدار کے لئے تحریک چلانے کا اعلان کیا گیا ۔دریں اثنا یحییٰ خان مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کے لئے ۱۵ ،مارچ کو ڈھاکہ پہنچے ۔ لوگ اس امر پر حیران تھے کہ یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان کے دورہ میں تاخیر کیوں کی ۔جبکہ وہاں حالات تیزی سے خراب ہو رہے تھے ۔اور ہر آنے والا دن ملک کے دونوں حصوں کے درمیان فاصلے کا باعث بن رہا تھا ۔ لوگ

---

103. David Dunbar, "Pakistan: The Failure of Political Negotiations," Asian Survey, Mary 1972, p. 458.

۱۰۴ :۔ بحوالہ جی ۔ڈبلیو چودھری ص ۱۶۵

۱۰۵ :۔ ڈان، ۱۶ ،مارچ ۱۹۷۱ء

۱۰۶ :۔ ویکلی کرنٹ ،کراچی ۱۱ ،تا ۱۸ دسمبر ۱۹۷۷ء

Marfat.com

پوچھتے تھے کہ وہ جنرل یعقوب کی درخواست پر ڈھاکہ کیوں نہ پہنچے۔ انہوں نے اسمبلی کے اجلاس کے التواء کے اعلان کے ساتھ ہی نئی تاریخ کا اعلان کیوں نہ کیا۔ اگر یہ اقدامات ہو جاتے تو شاید صورت حال بہتر ہو جاتی۔ بہت سے لوگوں کی رائے کے مطابق مشرقی پاکستان کے بحران کو سنگین تر بنانے میں یحییٰ خان کے تاخیری اقدامات کا بھی ہاتھ تھا۔ ۱۷ مارچ کو پروفیسر غلام اعظم[۱۰۷] کا یہ کہنا کہ یحییٰ خان نے بھٹو کو غیر معمولی اہمیت دے کر اپنا تاثر خراب کر لیا ہے۔ دراصل اس خام خیالی کی ترجمانی کر رہا تھا کہ یحییٰ خان بھٹو کے مشورے پر سب کچھ کر رہے ہیں[۱۰۸]

مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ صدر یحییٰ خان کا استقبال بنگلہ دیش کے مہمان کی حیثیت سے کیا جائے گا۔ لیکن یحییٰ خان نے بعد میں انکشاف کیا کہ انہیں ڈھاکہ پہنچنے پر گرفتار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا گیا تھا۔[۱۰۹] یحییٰ خان کے ڈھاکہ پہنچنے کے بعد ایک ابتدائی سمجھوتہ تشکیل دیا گیا مجیب الرحمٰن، یحییٰ خان اور بھٹو کے درمیان ڈھاکہ میں کیا گفتگو ہوئی کسی کو خبر نہیں۔ تاہم بھٹو اور یحییٰ خان نے سمجھوتے کے بعض نمایاں پہلوؤں کا انکشاف کیا جن کی تائید تاج الدین احمد کے بیان سے بھی ہوتی ہے[۱۱۰] سمجھوتہ ان نکات پر مبنی تھا۔

۱۔ مارشل لاء فوری طور پر اٹھا لیا جائے۔

۲۔ وفاقی اور صوبائی وزارتیں قائم کرنے کے لئے انتظامات کئے جائیں۔

۳۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون سازی کے اختیارات دیئے جائیں۔

۱۰۷: پروفیسر غلام اعظم مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کے امیر تھے۔

108. Herbert Feldman, p. 114.

۱۰۹: دی پاکستان ٹائمز ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

110. David Dunbar, op. cit. p.4

Marfat.com

۴۔ مشرقی پاکستان کے لئے مزید خودمختاری کا اعلان کیا جائے۔[111]

بعدازاں فریقین نے ایک مشترکہ اعلامیہ کے مسودہ پر اظہار اتفاق کیا جس کی قانونی حیثیت تاحال غیر متعین تھی۔[112] اعلامیہ کی بعض شقیں فریقین کے درمیان نزاع کا باعث بن گئیں اور مذاکرات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ سمجھوتے کے مطابق مرکز میں انتقال اقتدار نہیں ہونا تھا۔[113] یحییٰ خان نے عہدۂ صدارت پر فائز رہ کر تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل کابینہ تشکیل دینی تھی۔ ظاہر ہے یہ تجویز قابلِ عمل نہیں تھی۔ مجیب الرحمٰن اکثریتی پارٹی کا قائد ہوتے ہوئے مرکز میں دوسری جماعتوں خصوصاً پیپلز پارٹی کو اقتدار میں کیوں شریک کرتے۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ صوبوں میں اقتدار اکثریتی جماعتوں کو منتقل کیا جائے گا اور مارشل لاء اسی روز اٹھا لیا جائے گا جس روز صوبوں میں وزارتیں حلف اٹھائیں گی۔ صدر کے اختیارات ۱۹۶۲ء کے آئین کے مطابق تجویز کئے گئے تھے۔ اعلامیہ کے تحت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے اراکین اسمبلی نے علیحدہ علیحدہ اسلام آباد اور ڈھاکہ میں اکٹھے ہو کر آئین میں شامل کرنے کے لئے خصوصی تصریحات اور تجاویز تشکیل دینا تھیں۔[114]

جب یہ مسودہ بھٹو کو دکھایا گیا تو انہوں نے مارشل لاء ہٹانے کی تجویز پر اعتراض کیا۔ ان کا موقف تھا کہ مارشل لاء ہٹانے کی صورت میں ایک آئینی خلا پیدا ہو جائے گا۔

---

۱۱۱ :۔ ایضاً

۱۱۲ :۔ وائٹ پیپر ص ۱۹۔ ۲۰ (یہ مسودہ وائٹ پیپر کے جدول اے میں دیا گیا ہے)

۱۱۳ :۔ "جسارت" کراچی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۷ء

114. "Prelude to an Order for Genocide" by Rahman Sobhan, Manchester Guardian, 5 June 1971. Also see Dawn, 25 March 1971.

Marfat.com

اور اعلامیہ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ اعلامیہ میں یہ شق بھی شامل کر دی جائے کہ منظور ہونے والے آئین کو دونوں حصوں کے اراکین قومی اسمبلی کی اکثریت کی حمایت حاصل ہونا ضروری ہے۔ بھٹو نے سب سے زیادہ تنقید اراکین اسمبلی کے علیحدہ علیحدہ اجلاسوں پر کی۔ جس کے جواب میں تاج الدین نے کہا کہ اعلامیہ میں یہ شق خود بھٹو کے لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے رکھی گئی جو کئی دفعہ اس خدشہ کا اظہار کر چکے ہیں کہ مجیب الرحمٰن قومی اسمبلی میں ان کی طاقت کو نظر انداز کرنے کے لئے اقلیتی گروہوں کے اراکین کی مدد حاصل کریں گے۔[۱۱۵] اس کے برعکس بھٹو نے اس تجویز کو دو پاکستانوں کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔[۱۱۶] مجیب الرحمٰن کی تجویز کے مطابق وجود میں آنے والی اسمبلی "دو جماعتی اسمبلی" کی بجائے "دو قومی اسمبلی" ہوتی۔[۱۱۷] بھٹو کا بیان ہے کہ ان ملاقاتوں کے درمیان مجیب الرحمٰن نے ان سے کہا تھا کہ وہ مغربی پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں جبکہ مشرقی پاکستان کا انتظام میں خود چلا لوں گا۔[۱۱۸] مجیب الرحمٰن نے اپنے اس موقف کا اظہار اس سے پہلے ٹائمز کے نامہ نگار کے ساتھ ایک انٹرویو میں بھی کر چکے تھے۔ جس میں انہوں نے کہا تھا، مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے علیحدہ علیحدہ آئین ہونے چاہئیں۔[۱۱۹]

۱۱۵:- نگوشی ایشن فار بنگلہ دیش، اے پریکٹیکل ولیو" مضمون از رحمان سبحان ساؤتھ ایشین ریویو جولائی ۱۹۷۱ء ملاحظہ ہوں بنگلہ دیش ڈاکومنٹس منسٹری آف ایکسٹرنل افیئر دہلی۔ II ۱۹۔ مزید ملاحظہ ہو مانچسٹر گارڈین ۵ رجون ۱۹۷۱ء میں رحمان سبحان کا مضمون۔

۱۱۶:- بحوالہ زیڈ۔ اے بھٹو ص ۴۱۔

117. David Loshak, op. cit., p. 56.

۱۱۸:- بحوالہ زیڈ۔ اے بھٹو ص ۴۳۔

۱۱۹:- دی ٹائم (میگزین)، نیویارک ۱۵، مارچ ۱۹۷۱ء

آخرکار وہ لمحہ آگیا جس نے مزید مذاکرات کے تمام امکانات کو بالکل معدوم کر دیا۔ ۲۲ مارچ کو مجیب الرحمٰن اور تاج الدین نے بغیر کسی پروگرام کے یحییٰ خان سے ملاقات کی جس میں انہوں نے صدر کو صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ عوامی لیگ کسی مرکزی یا قومی کابینہ کے قیام کی تجویز پر صاد نہیں کہہ سکتی۔ اس کی بجائے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اقتدار دونوں صوبوں کو منتقل کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ " وہ باقاعدہ طور پر ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔"[120] پیشتر ازیں بھٹو بھی مشرقی اور مغربی حصوں میں اکثریتی جماعتوں کو اقتدار کی منتقلی کا ایسا ہی مطالبہ کر چکے تھے۔ بہرحال اس طرح سہ فریقی مذاکرات اپنے انجام کو پہنچے۔

۲۳ مارچ کو ڈاکٹر کمال حسین نے یحییٰ خان کے ساتھیوں سے ملاقات کی اور انہیں عوامی لیگ کا مسودہ آئین پیش کیا۔ اس آئین کے نفاذ کا سیدھا سادھا مطلب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو آئینی حیثیت دینا تھا۔ اس مسودہ میں ملک کے لئے دو آئین تشکیل دینے کا طریق کار تجویز کیا گیا تھا۔[121] تاج الدین نے اعلان کیا کہ مذکورہ مسودہ کو ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر اعلامیہ کی شکل میں جاری کر دیا جائے۔

عوامی لیگ کے رہنماؤں نے دوسرے کئی سیاستدانوں کی طرح یحییٰ خان کو مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار گردانا۔ عوامی لیگ نے الزام لگایا کہ یحییٰ خان نے جان بوجھ کر پیپلز پارٹی کے سامنے عوامی لیگ کے ساتھ اپنے مذاکرات کی غلط تصویر پیش کی اور انہیں یہ تاثر دیا کہ مجیب الرحمٰن طاقت کا مظاہرہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور ہر روز اپنے مطالبات میں اضافہ کر رہے ہیں۔[122] مغربی پاکستان کے ایک سینئر صحافی

---

۱۲۰ :۔ بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری ص ۱۶۹۔

۱۲۱ :۔ مسودہ وائٹ پیپر میں موجود ہے۔

۱۲۲ :۔ تاج الدین احمد کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی تصنیف "پاکستان ڈیوائیڈڈ"۔

Marfat.com

مظہر علی خان نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا۔[۱۲۳] مجیب الرحمٰن انتہاپسندوں کے غیر معمولی دباؤ کی زد میں تھے۔ ان انتہاپسندوں میں مولانا بھاشانی اور پروفیسر مظفر بھی شامل تھے۔ موخر الذکر نے قومیتوں کے لئے علیحدگی کے حق کا نعرہ بلند کیا جبکہ مولانا بھاشانی نے مشرقی پاکستان کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے عوامی لیگ کے لئے ووٹ کو مشرقی پاکستان کی آزادی کا ووٹ قرار دیا۔[۱۲۴] ۲۵ مارچ تک صورت حال اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ مشرقی پاکستان کے فعال سیاسی عناصر مکمل علیحدگی سے کم کسی سمجھوتے پر رضامند ہونے پر تیار نہ تھے۔[۱۲۵]

ایک طرف مجیب الرحمٰن پر علیحدگی کے لئے دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان کے بعض سیاستدانوں کو یہ خوف لاحق تھا کہ اگر عوامی لیگ برسرِ اقتدار آگئی تو وہ ماضی کی ناانصافیوں کا انتقام لے گی۔ ان میں سے کچھ مشرقی پاکستان کو ایک قسم کا بوجھ تصور کرتے تھے اور اب نئے نظام کے لازمی نتیجے کے طور پر مشرقی پاکستان کی مستقل بالادستی سے خائف تھے۔ امریکی پروفیسر وائین ولکاکس کا تجزیہ بالکل درست ہے کہ "عوامی لیگ کے بعض اراکین ہر قیمت پر مشرقی پاکستان کی آزادی کے کھلم کھلا داعی تھے۔ جبکہ دوسروں کا خیال تھا کہ اگر سمجھوتہ سود مند ثابت نہ ہوا تو حقیقی خود مختاری کی راہ سے آزادی کی منزل حاصل کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ کئی مغربی پاکستانی راہنما اپنی نجی

---

۱۲۳ :۔ ہفت روزہ ویو پوائنٹ لاہور کے مدیر مظہر علی خاں نے جو ان دنوں ڈھاکہ میں تھے بعد ازاں ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ ہمیں جلد ہی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یحییٰ خان اور ان کے ترجمان پی پی پی کو معاہدے کے بارے میں غلط معلومات مہیا کر رہے ہیں اسی طرح عوامی لیگ کو بھی پی پی پی کا موقف توڑ مروڑ کر پہنچایا جا رہا ہے۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۲ء

۱۲۴ :۔ دی پاکستان آبزرور ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۵ء

۱۲۵ :۔ بحوالہ ظفراللہ خاں ۔ ص ۱۴۱۔

Marfat.com

گفتگوؤں میں اسی خیال کا اظہار کر چکے تھے کہ مغربی پاکستان کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ مشرقی پاکستان کو پروانہ رخصتی دے دیں۔ کیونکہ اس کی حیثیت ایک بوجھ سے زیادہ نہیں ہے اور اسمبلی میں ۵۵ فیصد نشستوں کے حصول کے بعد اس بوجھ میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔[۱۲۶] لگتا تھا کہ علیحدگی پاکستان کا مقدر بن چکی ہے ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنے کا جذبہ اور خواہش دم توڑ چکی تھی اور ملک پر برسر اقتدار فوجی حکمران اور منتخب سیاستدان جو ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے امیدوار تھے دونوں تعاون کے اس وسیع تر جذبے سے کام لینے پر آمادہ نہیں تھے۔ جن کو بروئے کار لاکر شاید؟ لیکن صرف شاید ...... ملک کے دونوں حصوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو پاٹا جا سکتا تھا۔[۱۲۷]

دسمبر ۱۹۷۰ء سے مارچ ۱۹۷۱ء کے واقعات خصوصاً قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء کا انداز اس امر کے غماز تھے کہ فوج سیاسی قوت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ دوسری طرف مشرقی پاکستانی عوام کے تیور بتاتے تھے کہ وہ اقتدار کو بزور بازو چھین لینے کا عزم کر چکے ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بعد ہونے والی ہر پیشرفت کی نفی کرنے کے درپے ہیں۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں نے جن کے ذمے دونوں علاقائی رہنماؤں کے درمیان مصالحت کا کام تھا، ایک کے بعد ایک غلطی کی۔ فوجی حکومت کے عزائم ہمیشہ مشکوک رہے اور مصالحت کے حصول میں ان کی ناکامی نے دونوں صوبوں کے درمیان خلیج کو ناقابلِ عبور بنا دیا۔ تاج الدین کے اس بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کئی شواہد موجود ہیں کہ یحییٰ خان نے جان بوجھ کر بھٹو کو حقائق کی غلط تصویر پیش کی۔ فوجی اقدام کا منصوبہ حکومت

---

126. Wayne Wilcox, op. cit., pp. 19-22.

127. David Dunbar, op. cit., p. 444.

Marfat.com

نے بہت پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور مجیب کے علیحدگی پسندانہ کردار کو منظرِ عام پر لا کر اس منصوبے پر عمل درآمد آسان ہو گیا۔

۲۳ مارچ کو مجیب الرحمٰن کی ہدایت پر مشرقی پاکستان میں یوم مزاحمت منایا گیا۔ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرایا گیا اور شہر میں مسلح جلوس نکالے گئے۔ مظاہرین نے قرارداد لاہور کی اکتیسویں سالگرہ پاکستان کی بے حرمتی کر کے اور سیکرٹریٹ سمیت تمام عمارتوں پر بنگلہ دیش کے نئے جھنڈے کو لہرا کر منائی۔[۱۲۸] برطانوی ہائی کمشنر اور روسی کونسلر جنرل نے بھی اپنے دفاتر پر بنگلہ دیشی جھنڈا لہرایا۔ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کا جھنڈا لہراتے ہوئے کہا کہ "ہماری جدوجہد کا مقصد عوام کی فلاح اور آزادی ہے"۔[۱۲۹] اسی روز عوامی لیگ کے ترجمان روزنامہ "دی پیپل" کے دفتر میں بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرانے کا اہتمام کیا گیا۔[۱۳۰] مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیشی جھنڈے کے سامنے کھڑے ہو کر سلامی لی۔ جھنڈے پر جلی حروف میں یہ عبارت تحریر تھی: "آج دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک ابھرا ہے"۔ دھان منڈی میں مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ کے آہنی گیٹ پر بھی بنگلہ دیش کا جھنڈا کندہ کیا گیا تھا۔ روزنامہ "دی پیپل" نے اپنے ۲۳ مارچ کے شمارے میں صفحہ اول پر بنگلہ دیش کے نقشے کی تصویر شائع کی۔ جس کے نیچے یہ عبارت درج تھی: "آج ہم عصر دنیا کی مختلف ریاستوں اور قوموں کی ترجمانی کرنے والے پرچموں کی فہرست میں ایک اور پرچم کا اضافہ ہو گیا۔ یہ آزاد بنگلہ دیش کا پرچم ہے"۔[۱۳۱] ۲۴ مارچ کو اخبار نے تقریبِ پرچم کشائی

---

[۱۲۸]: دی پاکستان ٹائمز راولپنڈی ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

[۱۲۹]: وائٹ پیپر ص ۲۷۔

[۱۳۰]: یہ اطلاع ایک عینی شاہد نے مصنف کو فراہم کی۔

[۱۳۱]: دی ڈیلی پیپل ڈھاکہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

Marfat.com

کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "ایک نئی قوم کی تخلیق عمل میں آچکی ہے۔ تمام عمارتوں پر ایک نیا پرچم لہرا رہا ہے۔ آزادی بنگلہ دیش کی سرزمین کا مقدر بن چکی ہے"[۱۳۲] کچھ لوگ اب بھی مشرقی پاکستان کو پاکستان کا حصہ سمجھ رہے تھے؟

دریں اثنا مجیب الرحمٰن نے کرنل عثمان کو انقلابی افواج کا کمانڈر مقرر کیا اور میجر جنرل ماجد کو سابق فوجیوں کی فہرستیں تیار کرنے کا حکم دیا۔ بھارت سے ہتھیاروں اور بارود سے بھری ہوئی ٹرینیں دھڑا دھڑ مشرقی پاکستان پہنچ رہی تھیں۔ صرف ڈھاکہ کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ۱۵ ہزار رائفلوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز کی مختلف چوکیاں انتہا پسندوں کی آماجگاہ بن چکی تھیں۔ اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ وائرلیس پر رابطہ قائم تھا۔ الغرض بھارتی تخریب کاروں کی مدد سے مسلح بغاوت کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ۳۱ مارچ کو کولمبیا براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے نامہ نگار نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ "اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ مجیب الرحمٰن اور ان کی کالعدم عوامی لیگ نے بہت پہلے ایک سوچا سمجھا فوجی منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔ باور کیا جاتا ہے کہ مجیب الرحمٰن کو ایک عرصے سے بیرونی ذرائع سے ہتھیار موصول ہوتے رہے ہیں۔ متعدد سفارت کاروں کا یہ خیال ہے کہ ان ہتھیاروں کا منبع صرف بھارت ہی ہو سکتا تھا۔"[۱۳۳] بہار کے وزیر اعلیٰ نے کھلے لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا جسے بھارتی حکومت خفیہ رکھے ہوئے تھی۔ انہوں نے عوامی لیگی لیڈروں کی مدد کے بارے میں اپنے عزائم کا برملا اظہار کیا اور کہا کہ "میں بنگلہ دیش کو اسلحے اور گولہ بارود کی فراہمی کی ضرورت پر پورا یقین رکھتا ہوں۔"[۱۳۴]

---

[۱۳۲] :۔ دی ڈیلی پیپل ڈھاکہ۔ ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء

[۱۳۳] :۔ مساوات ۳ اپریل اور نوائے وقت ۲ اپریل ۱۹۷۱ء

[۱۳۴] :۔ دی انڈین نیشن بمبئی ۷ اپریل ۱۹۷۱ء

Marfat.com

مشرقی پاکستان کو علیحدگی کے دھانے پر چھوڑ کر یحییٰ خاں اور بھٹو علی الترتیب ۲۵ اور ۲۶ مارچ کو پاکستان واپس آ گئے۔ بھٹو نے ڈھاکہ سے اپنی واپسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا اب دوسرے فریق کی جانب سے مفاہمت کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور یہ کہ عوامی لیگ جس خود مختاری کا مطالبہ کر رہی ہے وہ آزادی کے مترادف ہے۔[۱۳۵] مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کی حمایت کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کو بچا لیا گیا ہے۔[۱۳۶] یحییٰ خان کے لئے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہر محب وطن پاکستانی کو چاہیئے کہ وہ یحییٰ خان حکومت پر تنقید کرنے والوں کے بارے میں قریبی پولیس اسٹیشن پر اطلاع دیں۔[۱۳۷] بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام دراصل متحدہ پاکستان کے خاتمے کے مترادف تھا۔ بھٹو یحییٰ سازباز کا ثبوت بھٹو کے اس اعتراف سے بھی ملتا ہے کہ انہوں نے یحییٰ خان کو ہلکے فوجی اقدام کا مشورہ دیا تھا جو کہ ان کے خیال میں علیحدگی کو روکنے کے لئے ضروری تھا۔[۱۳۸] کیا بھٹو اس سے بے خبر تھے کہ موجودہ صورت حال میں فوجی اقدام نہ تو ہلکا ہو سکتا ہے اور نہ محدود؟[۱۳۹] ۲۵ مارچ

---

[۱۳۵]:- دی پاکستان آبزرور ڈھاکہ ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

[۱۳۶]:- دی مارننگ نیوز کراچی ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

[۱۳۷]:- ویکلی کرنٹ کراچی ۱۱-۱۸ دسمبر ۱۹۷۷ء

[۱۳۸]:- سٹیٹس مین نیو دہلی ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء۔ ملاحظہ ہو بھٹو کا کلدیپ نیر کو انٹرویو اور قومی اسمبلی میں بیان ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء

[۱۳۹]:- پروفیسر غلام اعظم نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ بھٹو نے ان سے ایک علیحدہ ملاقات میں اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے یحییٰ خان کو محدود پیمانے پر فوجی کارروائی کی تجویز پیش کی تھی۔ ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" لاہور ۲۵ ستمبر ۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۱۶۔

Marfat.com

کو مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے کہا کہ وہ عظیم قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے عوام کو متعدد ہدایات جاری کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ علیحدگی کی منزل بہت دور نہیں ہے۔ ۲۶ مارچ کو مشرقی پاکستان میں بہت بڑے پیمانے پر بغاوت کا آغاز ہو گیا اور ایک خفیہ ریڈیو نے چٹاگانگ، میسور، کمیلا، سلہٹ، باریسال اور کھلنا میں جھڑپوں کی خبر نشر کی اور دعویٰ کیا کہ ان مقامات پر پاکستانی افواج کو ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس فورس نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ریڈیو نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اس وقت تک اپنی آزادی کی جنگ جاری رکھیں گے جب تک دشمن کا آخری سپاہی بھی ختم نہیں ہو جاتا۔ نشریے میں مجیب الرحمٰن کو جو کہ بعض اطلاع کے مطابق زیر زمین جا چکے تھے "آزاد بنگلہ دیش کا واحد راہنما" قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ ملک کو "مغربی پاکستان کی سفاکانہ آمریت" سے بچانے کے لئے مجیب الرحمٰن کے ہر حکم کو تسلیم کیا جائے۔ ایک اور خفیہ نشریے میں کہا گیا کہ بنگلہ دیش نے اقوام متحدہ اور ایفرو ایشیائی ممالک کو اپنی "آزادی کی جدوجہد" میں مدد دینے کی درخواست کی ہے۔ ملک اس وقت تک تقسیم کے دہانے تک پہنچ چکا تھا اور کوئی حکومت اپنے ملک کو ٹوٹنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ظاہر ہے کہ پاکستانی فوج کی تعداد کی کمی اور مغربی پاکستان کی دوری کی بنا پر اپنے بچاؤ کے لیے سخت اقدام کرنا پڑا۔[۱۴۰]

بعد ازاں مجیب الرحمٰن نے اس امر کا اعتراف کیا کہ اس نے ۲۶ مارچ کو گرفتاری سے پہلے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔[۱۴۱] اسی روز خفیہ ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کیا گیا

---

140. Interview of Mr. John Wilkinson, British M.P., The Telegraph and Argus, London, 17 September 1971.

۱۴۱ : بنگلہ دیش آبزرور ڈھاکہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء (ملاحظہ ہو مجیب کی تقریر)

کہ "بنگلہ دیش اب ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔"[۱۴۲] یہ تھے وہ حالات جن میں فوجی اقدام کا فیصلہ کیا گیا اور مجیب الرحمٰن کی گرفتاری عمل میں آئی۔

۲۶ مارچ کو یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار دیتے ہوئے پاکستان بھر میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے اور اخبارات پر مکمل سنسرشپ کے نفاذ کا اعلان کیا۔ مجیب الرحمٰن کی تحریک عدم تعاون کی مذمت کرتے ہوئے یحییٰ خان نے اسے "بغاوت کا اقدام" قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجیب الرحمٰن اور ان کی جماعت پاکستان کے دشمن ہیں اور ملک سے مکمل طور پر علیحدگی کے خواہاں ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ مجیب الرحمٰن کا یہ جرم معاف نہیں کیا جائے گا۔ مجیب الرحمٰن کے لئے یہ اقدام غیر متوقع نہیں تھا۔ عوامی لیگ ہر سب ڈویژن میں متعدد کمانڈروں کی قیادت میں اپنی تنظیم کو لڑائی کے لئے تیار کر چکی تھی[۱۴۳]۔ کرنل عثمانی نے بھی ایک انٹرویو میں بتایا کہ، مجیب الرحمٰن نے انہیں ہدایات جاری کی تھیں کہ وہ آرمی ایکشن کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار رکھیں[۱۴۴]۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو میجر ضیا کی جانب سے چٹاگانگ پر قبضے اور عبوری حکومت کے اعلان کے فوری اقدام میں پیش بندی اور منصوبہ سازی کی جھلک صاف واضح تھی[۱۴۵]۔ گویا یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا نہ کہ فوری ردِ عمل کا نتیجہ۔

یہ کہنا کہ مکتی باہنی راتوں رات معرضِ وجود میں آ گئی تھی حقائق کا منہ چڑانے کے

۱۴۲۔ ایضاً

۱۴۳۔ ۱۸ جنوری ۱۹۷۴ء کو عوامی لیگ کونسل کے اجلاس میں مجیب کی تقریر۔

۱۴۴۔ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا بمبئی ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء ص ۴۴ اور ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء ص ۲۲۔

145. Muhammad ayoob and A.K. Subrahmanyam, The Liberation War, pp. 151-52.

Marfat.com

مترادف ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مکتی باہنی کی تشکیل جولائی ۱۹۷۱ء سے پہلے ہو چکی تھی ۔ اس کی کمانڈ کرنل عثمانی کے پاس تھی جنہوں نے شہید مینار کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اس کی سلامی لی تھی ۔ انتخابات سے پہلے ایسی تنظیم کی تشکیل بذات خود ایک غیر معمولی اقدام کی حیثیت رکھتی ہے ۔ متحدہ پاکستان کی حدود میں تشکیل دی گئی اس تنظیم کے بارے میں عوامی لیگی راہنماؤں نے یہ چھپانا کبھی ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اسے استحصال کی زنجیریں توڑنے کے لئے قائم کیا گیا ہے ۔ اس امر کی ٹھوس شہادتیں دستیاب ہیں کہ ۱۹۷۰-۷۱ء کے درمیان مشرقی پاکستان میں بھارت سے اس کی سرحدی سیکورٹی فورس کی نگرانی میں مسلح افراد اور اسلحے کی آمد زوروں پر تھی ۔ اس عرصے میں مکتی باہنی کی تنظیم میں وسعت آئی اور اس کے لئے فوجی تربیت کا اہتمام کیا گیا ۔ ادھر خفیہ اطلاعات بہم پہنچانے کے ذمہ دار ادارے جن کی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ تھی ، ۱۹۷۱ء کے اوائل تک مکمل طور پر ناکارہ ہو گئے ۔ چنانچہ مرکزی حکومت کو مشرقی پاکستان کے بارے میں صحیح معلومات کا حصول ممکن نہ رہا ۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام سے پیشتر امنِ عامہ کی صورت حال مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی اور اگر اس معاملے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو غیر بنگالی آبادی مکمل طور پر نیست و نابود کر دی جاتی ۔ لیکن اس عام اور سیدھے سادھے سوال کا جواب کیا ہے کہ حالات کو اس حد تک خراب ہونے کی اجازت کیوں دی گئی کیا اس کا مقصد فوجی اقدام کے لئے جواز پیدا کرنا تھا ؟ کیا یحییٰ خان کو حالات کی خرابی سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے ؟

صورت حال کا بہترین حل یہ ہو تا کہ فوجی اقدام کو امن عامہ بحال کرنے تک محدود رکھا جاتا اور یہ بات واضح کر دی جاتی کہ فوجی اقدام کا واحد مقصد ایک قابلِ قبول حل کے حصول کے لئے پر امن حالات کی بحالی کے سوا کچھ نہیں ۔ یا ہو سکتا ہے

Marfat.com

اس طرح[۱۴۶] ملک تباہی سے بچ جاتا۔ یحییٰ خان کی بے حسی کا اندازہ نیویارک ٹائمز کے ساتھ ان کے انٹرویو سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ فوج کی زیادتیوں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ڈھاکہ میں جو کچھ ہوا وہ کوئی فٹ بال میچ نہیں تھا۔ لڑنے والے ایک دوسرے پر پھول نہیں پھینکتے[۱۴۷]۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فوجی اقدام کے دوران زیادتیاں روا رکھی گئیں اور متعدد محب وطن افراد کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔[۱۴۸] اگرچہ فوج کی تادیبی کارروائی غیر بنگالیوں اور فوجی افسروں کے ساتھ بنگالیوں کے سلوک کی روح فرسا خبروں کا نتیجہ تھی تاہم شہری آبادی کے غیر ضروری طور پر ہلاک کرنے کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے کئی سیاستدانوں نے فوج اور ٹکا خان کو حالات کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیا۔ بلکہ ان کے سخت رویے کی مذمت بھی کی۔ پروفیسر غلام اعظم نے الزام لگایا کہ ٹکا خان نے خالص فوجی انداز میں فیصلے کئے جس کے نتیجے میں فوج اور بنگلہ دیش کے درمیان عناد میں اضافہ ہوا اور یوں عوامی لیگ کے مقاصد کی تکمیل میں مدد دی گئی۔[۱۴۹]

مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کی وسیع پیمانے پر مذمت کی گئی جو اپنی جگہ بجا تھی مگر یہ امر بھی حقیقت ہے کہ فوج کی زیادتیوں اور فوجی اقدام میں ہلاک ہونے والوں کے بارے میں اعداد و شمار کے بارے میں غیر معمولی مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا۔ ڈھاکہ کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کی بالکونیوں سے کی گئی رپورٹنگ میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا

۱۴۶؎: بحوالہ محمد ظفر اللہ خان ص ۱۴۱۔

۱۴۷؎: دی نیویارک ٹائمز "یحییٰ خان سپیکس" ۲۹ ستمبر ۱۹۷۱ء

۱۴۸؎: تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر غلام اعظم کا انٹرویو اسلامی جمہوریہ ص ۱۷۔

۱۴۹؎: ایضاً۔

Marfat.com

کہ "فوجی اقدام کا زیادہ تر ہدف عام شہریوں کی بجائے مسلح افراد تھے۔ جو کہ درحقیقت مجیب الرحمٰن کی فوج کا حصہ تھے۔ پہلے پہل مرنے والوں میں اکثر سپاہی تھے"[۱۵۰]

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ فوجی اقدام کا نتیجہ پاکستان کی تقسیم کی شکل میں برآمد ہوا اور سیاسی مبصرین کی یہ رائے بالکل درست تھی کہ "مشرقی پاکستان میں ہونے والے مظالم اتنے سنگین ہیں کہ اب مشرقی اور مغربی پاکستان کا ایک ملک کی صورت میں اکٹھے رہنا ناممکن ہو چکا ہے"[۱۵۱] مشرقی پاکستان میں فوجی حکومت کی یہ کارروائی اونٹ کی پشت پر آخری تنکا ثابت ہوئی۔ اس کارروائی کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں موجود پاکستان دشمن عناصر نے بھی معاندانہ رویہ اختیار کر لیا اور دنیا بھر میں پاکستان کے وقار کو شدید دھچکا لگا۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ فوجی کارروائی کے ذریعے تصوّرِ پاکستان کی وحدت کا تحفظ ممکن ہو سکے گا۔ مگر اس کے برعکس یہ کارروائی متحدہ پاکستان کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

---

150. Wayne Wilcox, op. cit., p. 29.

151. The Tablet, London, 19 June 1971 (See "Genocide by Terrorism").

Marfat.com

باب ۶

بھارتی مداخلت

پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارت کی مداخلت کے عمل کو سمجھنے کے لئے اس کے صحیح تاریخی پس منظر کا مطالعہ ضروری ہے۔ کیونکہ حال عام طور پر ماضی کی عکاسی کرتا ہے۔

پاکستان کے خلاف بھارت کے معاندانہ جذبات کی جڑیں ہندوستان کو متحد رکھنے میں کانگرسی قیادت کی کوششوں کی ناکامی میں بخوبی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان کے لئے پاکستان کی تخلیق دراصل بھارت ماتا کو ذبح کرنے کے مترادف تھی اور ہندوؤں نے تقسیم ہند کے نظریے کو کبھی بھی دل سے قبول نہیں کیا۔ اکھنڈ بھارت کا خواب ہمیشہ سے ان کا اجتماعی آدرش رہا تھا۔ چنانچہ پاکستان میں پیدا ہونے والے ۱۹۷۱ء کے بحران نے بھارت کو اپنے اس دیرینہ خواب کی تکمیل کے لیے بہترین موقع فراہم کر دیا۔ بھارت کو یقین تھا کہ "ایسا موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔"[1] چنانچہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھارت نے تمام مسلّمہ اقدار کو خیر باد کہہ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے تقسیم کو اس امید کے ساتھ قبول کیا تھا کہ پاکستان کی نوزائیدہ ریاست حالات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور "تھوڑے ہی عرصہ میں" دم توڑ جائے گی۔[2]

جواہر لال نہرو نے کہا کہ پاکستان کی تخلیق ایک عارضی اقدام ہے اور یہ آخرکار متحدہ

---

[1] دی ہندوستان ٹائمز دہلی۔ یکم اپریل ۱۹۷۱ء

2. M.A.K. Azad, India Wins Freedom, p. 242.

Marfat.com

ہندوستان پر منتج ہوگی۔[۳] جوزف کاربل سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان ناقابلِ عمل مذہبی، نظریے کی حامل قرونِ وسطیٰ کی ایک ریاست ہے۔[۴] ایک وقت آئے گا کہ بھارت کے ساتھ اس کا الحاق ضروری ہو جائے گا۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے ۱۴ر جون ۱۹۴۷ء کو ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قرار داد میں کہا تھا کہ ہندوستان کی صورت گری اُس کے جغرافیے، پہاڑوں اور سمندروں نے کی ہے اور کوئی انسانی کوشش اس کی ہیئت میں تبدیلی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کی حتمی منزل کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے ہندوستان کا جو نقشہ ہمارے خوابوں کی سرزمین ہے وہ ہمارے دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی دیانتداری سے یہ سمجھتی ہے کہ جب جذبات کا یہ طوفان کم ہوگا تو ہندوستان کے مسئلے کا اس کے صحیح پس منظر میں جائزہ لیا جائے گا اور دو قوموں کے باطل نظریے کا کوئی حامی نہیں مل سکے گا۔[۵] آل انڈیا کانگرس کی اس قرار داد نے پاکستان کے ساتھ ہندوستانی رہنماؤں کے رویّے کی تشکیل میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا۔ اس قرار داد پر تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا کہ تقسیم کے عمل سے صرف ہندوستان کا نقشہ متاثر ہوا ہے لوگوں کے دل تقسیم نہیں ہوتے اور مجھے یقین ہے کہ یہ انتظام عارضی ثابت ہوگا۔[۶] گاندھی نے کہا کہ "کانگرس پاکستان کی مخالف تھی اور وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تقسیم کی ثابت قدمی سے مخالفت کی۔"[۷]

---

3. Nehru's Speech on 3 June, Quoted by H.V. Hodson, The Great Divide, p. 315.

4. Josef Korbel, Danger in Kashmir, pp. 127-30.

5. V.P. Menon, The Transfer of Power in India, p. 384.

6. —do—

7. —do—

Marfat.com

قیام پاکستان کے بعد بھی بھارتی رہنما "متحدہ ہندوستان" کا راگ الاپتے رہے اس وقت کے کانگرس کے اچاریہ کرپلانی نے کہا کہ کانگرس اور قوم دونوں متحدہ ہندوستان کے دعویٰ سے دستبردار نہیں ہوتے۔ پٹیل دور کی کوڑی لائے کہ "جلد یا بدیر ہم سب اپنی ارضِ وطن کی خدمت کے لئے متحد ہو جائیں گے۔"[شہ] ۲۱ نومبر کو مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ کا آغاز کرنے سے چند گھنٹے قبل ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران اندرا گاندھی نے نہایت جذباتی انداز میں پاکستان کے وجود کو چیلنج کیا۔ انہوں نے کہا کہ "بھارت نے پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی رہنماؤں کا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ پاکستان کی تخلیق ایک غلط اقدام تھا اور پاکستانی قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"[شہ] جنوبی ایشیائی برعظیم کے تمام غیر ملکی ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ "ہندو رہنماؤں نے پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کا گلا گھونٹنے کے لئے ہر وہ اقدام کیا جو اُن کے اختیار میں تھا۔"[نلہ] نرادسی چودھری اس موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۰ء تک پاکستان کو اپنی مختلف نشیب و فراز سے بھرپور زندگی کے دوران بھارت کی مسلسل معاندانہ پالیسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ پالیسی انتخابات کے ساتھ اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس کے بعد بھارت عملی اقدام کے لئے صرف مناسب حالات کی تلاش میں تھا۔ جو روسی امداد کی شہ ملتے ہی اسے میسر آ گئے۔[للہ] بھارتی پارلیمنٹ کے رکن سبرامنیم سوامی نے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ "بھارت کا سوادِ اعظم ہندوستان کی تقسیم کو کالعدم کرنے کے حق میں ہے۔ بھارتی قوم پرست بچے کھچے پاکستان کو

شہ بحوالہ ایوب خان۔ "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" ص ۱۱۵

شہ "دی ٹیلیگراف"۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء

نلہ "دی نیویارک ہیرالڈ ٹریبیون" ۱۶ جون ۱۹۴۸ء

للہ "دی ٹائمز" لندن۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

بھی توڑنا چاہتے ہیں۔ اکھنڈ بھارت کا حصول اسی طرح ممکن ہے"[۱۲] بھارتی عوام کے ذہنوں میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ پاکستان کو توڑے بغیر بھارت سپر پاور کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔[۱۳] ہندوستانی وزیر شوکلا کے اس بیان کو کہ "مجیب الرحمٰن ہندوستان کی جنگ لڑ رہا ہے"[۱۴] اس پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سورن سنگھ کے بقول "ہر بھارتی مشرقی پاکستان میں اپنے ہمسایوں اور بھائیوں کی جدوجہد میں برابر کا شریک تھا۔"[۱۵] بھارت کے عزائم کا اندازہ جن سنگھی کے رہنما ٹھاکر پرشاد کے اس انٹرویو سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے ایک غیر ملکی نامہ نگار کو دیا تھا۔ ٹھاکر پرشاد نے کہا کہ "ہم اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پاکستان تباہ ہو کر بھارت میں شمولیت اختیار نہیں کر لیتا۔"[۱۶]

مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی اور شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری پر بھارت نے فوری ردِعمل کا اظہار کیا۔ بھارتی "خوش تھے کہ ان کا دشمن پاکستان مصیبت میں مبتلا ہے۔"[۱۷] بنگالی تارکین وطن کی آمد کی بنا پر بھارت کی تشویش کو بجا قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ۲۷ مارچ کو بھارتی وزیرِاعظم اندرا گاندھی نے سرکاری طور پر بنگالیوں سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اور اس وقت تک ایک بھی بنگالی مہاجر سرحد پار کر کے بھارت نہیں پہنچا تھا۔ بھارتی

---

12. Subrahmanyam Swamy, M.P., Organiser, Delhi, 13 July 1974.

13. S. Swamy, Mother land, New Delhi, 15 June 1971.

۱۴ دہلی میں آل انڈیا کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۴ اپریل ۱۹۷۱ء میں کے کے شوکلا کی تقریر۔ "دی ہندو" مدراس۔ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء۔

۱۵ ایضاً۔ سورن سنگھ کا اے آئی سی سی کو انٹرویو۔ نیو دہلی، ملاحظہ ہو "دی ہندو" مدراس۔ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء

۱۶ "دی نیشنلسٹ"، تنزانیہ، ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء

17. Kuldip Nayyar, Distant Neighbours, p. 145.

Marfat.com

مداخلت کے پس پشت کارفرما عزائم اور جذبات کا اظہار ۲۷ مارچ کو لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں اندرا گاندھی کے خطاب سے ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "مشرقی بنگال میں حالات بدل چکے ہیں۔ ہم نے نئی صورتِ حال کو خوش آمدید کہا ہے۔ ہم حالات پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہیں اور ہم نے ممکنہ حد تک رابطہ قائم رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ معزز ممبران بخوبی سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر حکومت کے لئے اس سے زیادہ کہنا ممکن نہیں ہے۔ میں ان فاضل اراکین کو جنہوں نے سوال کیا ہے کہ کیا فیصلے بر وقت کئے جائیں گے، یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اس وقت ہمارے لئے اہم ترین کام یہی ہے۔ اس مرحلے پر ہمارا ردِ عمل صرف نظری نہیں ہونا چاہیئے۔"[18] مختصراً "مشرقی بنگال" میں اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں اس امر کا اظہار کیا کہ بھارتی حکومت مناسب وقت پر عملی اقدامات سے گریز نہیں کرے گی۔ وقت آنے پر اندرا گاندھی نے اپنے الفاظ کو سچ کر دکھایا۔

۳۱ مارچ کو بھارتی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد کے ذریعے مشرقی پاکستان کے واقعات پر شدید غم و غصہ اور تشویش کا اظہار کیا۔ ایوان نے اس یقین کا اظہار کیا کہ "مشرقی پاکستان کے ۷۵ ملین عوام کی تاریخی جدوجہد فتح سے ہمکنار ہوگی" اور ہنگامی تحریک کے لئے بھرپور مدد کی پیشکش کی۔[19] کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کے بعض اراکین کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور پاکستان کے خلاف اعلانِ جنگ کا مطالبہ کیا۔[20] تاریخ ایک خود مختار ملک کے اندرونی معاملات میں کسی دوسرے ملک کی طرف سے ایسی دیدہ دلیرانہ اور کھلم کھلا

---

18. Bangladesh Documents, op. cit., I, pp. 669-70. Also see India and Bang-ladesh Selected Speeches and Statements of Indira Gandhi, pp. 9-14

۱۹ ایضاً، ص ۶۶۲

20. Pubodh Sanardra, Bloodbath in Bangladesh, p. 4

Marfat.com

مداخلت کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔[21] ان ایام میں آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر مسلسل نشر ہوتی رہی کہ مجیب الرحمٰن نے اعلانِ آزادی کر دیا ہے اور بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ اس موقع پر پاکستان نے اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت پر احتجاج کیا جسے بھارت نے مسترد کر دیا۔ وسط اپریل میں حکومتِ پاکستان نے دعویٰ کیا کہ مشرقی پاکستان میں صورتحال بہتر ہو چکی ہے۔ سفارت کاروں نے ڈھاکہ اور چٹاگانگ کا دورہ کیا اور بی بی سی نے اعتراف کیا کہ مشرقی پاکستان میں زندگی معمول پر آچکی ہے۔[22] مگر یہ خاموشی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ فوجی کارروائی نفرت کے سیلاب پر عارضی بند ثابت ہوئی اور اس نے پاکستان دوست عناصر کو بھی علیحدگی پسند بنا دیا۔ عوام صورتِ حال سے اس قدر مایوس ہو چکے تھے کہ "وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے شیطان کو بھی گلے لگانے کے لئے تیار تھے۔"[23] جنرل حمید، جنرل پیرزادہ اور جنرل عمر اور فوجی جنتا کے دیگر اہم ارکین کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل کر لیا گیا ہے۔ فوجی حکومت نے جسٹس کارنیلیس کو ایک ایسے آئین کی تیاری کا کام سپرد کیا جس میں مشرقی پاکستان کو بعض حدود میں رہتے ہوئے خود مختاری دی گئی ہو۔[24] اس صورتحال پر ایک مصری صحافی کا یہ تبصرہ کہ "پاکستان کا برسرِاقتدار طبقہ اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکتا۔"[25] ہر اعتبار سے

---

21. See G.W. Choudhyry, Last Days of United Pakistan, p. 204.

۲۲ بی۔بی۔سی عالمی سروس ۸، اپریل ۱۹۷۱ء مزید ملاحظہ ہو روزنامہ "جنگ" اور "ڈان" ۷، اور ۵، اپریل ۱۹۷۱ء

۲۳ بحوالہ جی۔ ڈبلیو چودھری ص ۱۸۸

۲۴ ایضاً۔ ص ۱۹۱۔

25. Muhammad Hasnain Haykal, "The General Who was Defeated", quoted by G.W. Choudhury, op. cit , p. 193.

Marfat.com

درست تھا کئی سیاسی مبصرین نے اس موقع پر مشرقی پاکستان کے افق پر امنڈنے والے طوفان کی نشاندہی کی۔

فوجی کارروائی کے دوران بھارتی مداخلت کے ناقابلِ تردید شواہد منظرِ عام پر آئے۔ کئی مقامات سے بھارتی اسلحہ اور گولہ بارود کی برآمدگی محض پراپیگنڈہ نہیں تھی۔[۲۶] بعدازاں اس امر کے واضح ثبوت منظرِ عام پر آئے کہ سادہ کپڑوں میں ملبوس بھارتی فوجی بڑی تعداد میں مشرقی پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔[۲۷] ایک معروف بھارتی مبصر نے انکشاف کیا کہ "انڈین بارڈر سیکورٹی فورس کو باغیوں کو مدد کے لئے سپاہی اور اسلحہ بھیجنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور بھارتی فوج کو ہر طرح کے نتائج سے نمٹنے کی ہدایات جاری کی جاچکی تھیں۔[۲۸] دراصل عوامی لیگ کے رہنما بہت پہلے سے بھارتی حکومت سے قومی رابطہ قائم کئے ہوئے تھے، اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے سرگرم تھے۔[۲۹] کلدیپ نیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بنگلہ دیش کے رہنماؤں نے یحییٰ خان کے ساتھ اپنے مذاکرات ناکام ہونے کے فوراً بعد ہی بھارتی حکومت سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔[۳۰]

تقسیم کے بعد پاکستان کی سیاسی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ بھارتی حکومت نے ایک لمحہ کے لئے بھی پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا۔[۳۱] چنانچہ اس نے پاکستان میں ہر اس تحریک کی

---

۲۶ "پاکستان ٹائمز" ۱۶راپریل، "نوائے وقت" ۱۴راپریل، "جنگ" ۱۳راپریل ۱۹۷۱ء

۲۷ "جنگ" ۸راپریل ۱۹۷۱ء

۲۸ بحوالہ کلدیپ نیر صـ ۱۵۵

29. Arun Bhattacharjee, Dateline Mujibnagar, pp. 194-95.

۳۰ بحوالہ کلدیپ نیر صـ ۱۵۵

۳۱ بھارت کے حقیقی عزائم جاننے کے لئے ملاحظہ ہوں مضمون از سبرامنیم، "آرگنائزر" (رسالہ) دہلی ۱۳رجولائی ۱۹۷۷ء

Marfat.com

حمائت کی جس کا مقصد ملکی سالمیت اور یک جہتی کو گزند پہنچانا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے دگرگوں حالات نے وہ زریں موقع فراہم کر دیا جس کا بھارت کو برسوں سے انتظار تھا۔ بھارتی پارلیمنٹ کے رکن سبرامنیم سوامی نے پاکستان کے بارے میں بھارتی روّیہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حالات کے معروضی مطالعہ سے ظاہر ہو گیا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو مہاجرین کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا۔ یہ ایک لغو تصور ہے۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف جنگ کا آغاز قوم پرستوں کی تشفی اور اس معقول نقطۂ نظر کے پیشِ نظر کیا تھا کہ پاکستان کی تقسیم بھارت کے طویل المیعاد مفاد میں ہے۔"[۳۲]

بھارت نے پراپیگنڈہ کے محاذ پر بھی پاکستان سے سبقت لے جانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور غیر ملکی پریس کی مدد سے بنگالیوں کے نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا۔ بھارت کی بہتر پراپیگنڈہ مشینری کے علاوہ کئی اور عوامل بھی پاکستان کے لئے کامیابی سے اپنا موقف پیش کرنے کی مساعی میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ ان میں سے بعض عوامل یہ تھے۔ (i) بھارت سب سے بڑا ایشیائی جمہوری ملک تھا۔ جبکہ پاکستان میں فوجی حکومت قائم تھی۔ (ii) مغرب میں ذرائع ابلاغ کے بڑے حصے پر قابض صیہونی لابی نے بھارت کا کھل کر ساتھ دیا۔

"دراصل تل ابیب (اسرائیل) نے مغربی دنیا میں بسنے والے اپنے پیروکاروں کو یہ پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ بنگالی علیحدگی پسندوں کی اخلاقی اور مادی مدد کریں اور اس ضمن میں بھارت سے تعاون کریں۔"[۳۳]

---

۳۲ بھارت کے حقیقی عزائم جاننے کے لئے ملاحظہ ہوں مضمون از سبرامنیم، آرگنائزر (رسالہ) دہلی۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۷ء

33. Qutbuddin Aziz, Mission to Washington, p. 57.

Marfat.com

(iii) سیاسی مسائل کے حل کے لئے فوجی کارروائی کے خلاف عمومی نفرت (vi) عوامی لیگ کے رہنماؤں کے غیر ملکی نامہ نگاروں سے ذاتی مراسم اور سب سے بڑھ کر (vii) فوجی حکومت کا غیر ملکی نامہ نگاروں کے ساتھ غیر دانش مندانہ سلوک اور ڈھاکہ کی فوجی انتظامیہ کی طرف سے انہیں شہر چھوڑ دینے کا حکم۔"

غیر ملکی نامہ نگاروں کی ذاتی رنجش اور غصے کا عکس "فوجی کارروائی کے بارے میں ان کی مبالغہ آمیز رپورٹنگ" میں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔[۳۴] جنرل ٹکا خاں کا یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ "دنیا آج بھی یہ سمجھتی ہے کہ آغاز ہماری طرف سے ہوا تھا۔ یہ تاریخ کے ساتھ سنگین ترین مذاق ہے۔ مجیب الرحمٰن بہر صورت طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں جنم لینے والے تصادم میں ہنگامی ہلاک شدگان کی تعداد کو ہزار فی صد اور بعض اوقات اس سے بڑھ کر پیش کیا گیا۔ مجیب الرحمٰن کہتا ہے کہ فوجی کارروائی کے دوران آبرو ریزی کے دو لاکھ ۲۰ ہزار واقعات رونما پذیر ہوئے۔ جبکہ ایک رومن کیتھولک تنظیم کے مطابق جس کا ذکر اخبارات نے مناسب نہیں سمجھا۔ یہ تعداد چار ہزار تھی ہمیں پراپیگنڈہ کا شکار بنایا گیا ہے۔"[۳۵] فوجی کارروائی کے بعد عوام کے جذبات بُری طرح بھڑک چکے تھے اور عوامی لیگ کی پراپیگنڈہ مشینری حقائق اور صداقت پر پوری طرح غالب آچکی تھی جذبات کا یہ طوفان تھمنے کے بعد غیر ملکی اخبارات میں مشرقی پاکستان میں ہلاک شدگان کی مبالغہ آمیز تعداد کے بارے میں تردیدی رپورٹیں شائع ہونے لگیں۔ ایسی ہی ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ "میں نے بنگلہ دیش کا تفصیلی دورہ کیا ہے اور دیہی عوام اور دیہی کارندوں سے بے شمار ملاقاتوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تیس لاکھ افراد کی ہلاکت کا دعویٰ ایک لغو مبالغہ آمیزی ہے۔ بنگلہ دیش کی وزارت داخلہ

---

۳۴ ایضاً

۳۵ انٹرویو جنرل ٹکا خاں۔ "نیوز ویک" ۱۰ اپریل ۱۹۷۲ء

Marfat.com

کی تحقیقات کے دوران شہریوں نے پاکستانی فوج کے ہاتھوں تقریباً ۲ ہزار افراد کی ہلاکت کی اطلاعات فراہم کی تھیں [۳۶]

جدید دور میں جنگ کے دوران پراپیگنڈہ کو نفسیاتی ہتھیار کے طور پر غیر معمولی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ بھارت نے اس حقیقت کے پیش نظر اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو نہایت مہارت اور کامیابی سے استعمال کیا۔ اس نے نہ صرف بنگلہ دیش کے کاز کے لئے دنیا بھر کی ہمدردیاں جیت لیں بلکہ وہ عالمی رائے عامہ کو بے بنیاد خبروں اور خود ساختہ داستانوں پر یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ مثال کے طور پر آل انڈیا ریڈیو نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں پٹ سن کی تیاری اور برآمدات سمیت تمام اقتصادی سرگرمیاں مکمل طور پر معطل ہو چکی ہیں جبکہ ڈیلی ٹیلیگراف [۳۷] کے ڈپلومیٹک نمائندے نے اپریل میں اپنے اخبار کو یہ رپورٹ ارسال کی کہ پٹ سن کی ملوں میں کام بدستور جاری ہے اور برآمدات کا سلسلہ بحال ہو چکا ہے۔ اسی طرح آل انڈیا ریڈیو نے متعدد پروفیسروں کی ہلاکت کی خبر نشر کی جس کی تردید ان پروفیسروں نے خود ڈھاکہ ٹیلیویژن پر آکر کی [۳۸]۔ پروفیسر رحمان سبحان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں پاکستانی فوج نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ مگر بعد ازاں پتہ چلا کہ وہ امریکہ میں زندہ و سلامت موجود ہیں [۳۹]۔ بھارت نے ایک منظم منصوبے کے تحت مبالغہ آمیز خبریں پھیلائیں کہ مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کو باہر دھکیلا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ غیر ملکی

۳۶؎ "دی گارجین" لندن - ۶ جون ۱۹۷۲ء

۳۷؎ "ڈان" یکم مئی ۱۹۷۱ء

۳۸؎ "نوائے وقت" ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء

۳۹؎ "دی پاکستان ٹائمز" ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء

Marfat.com

اخبارات نے ہندو اساتذہ اور دانشوروں کے قتلِ عام کو خاص طور پر نمایاں انداز میں شائع کیا تھا۔ لیکن مشرقی پاکستان کے ایک سابق سیکرٹری تعلیم نے ۱۹۷۴ء میں انکشاف کیا کہ مارچ کی کارروائی کے فوراً بعد تمام ہندو پروفیسر اور استاد اپنی ڈیوٹیوں پر واپس آگئے تھے اور یہ کہ حکومت نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے ۲۵ ہندو پروفیسروں کے مطالبے پر انہیں حفاظت مہیا کی تھی۔[۴۰] بھارت نے تخریب کاروں کو اسلحے کی فراہمی کے الزام کو بار بار غلط قرار دیا۔ مگر پاکستان کی فوج کارروائی کے دوران کئی مقامات سے اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کرنے میں کامیاب ہوگئی۔[۴۱] کلکتہ ریڈیو سٹیشن سے مشرقی پاکستان سے فرار ہونے والے پروفیسروں کے لئے شاندار ملازمتوں کا اعلان کیا گیا۔ راجشاہی یونیورسٹی اور زرعی یونیورسٹی میمن سنگھ کے ۸۲ فیصد اساتذہ نے بھارتی پراپیگنڈہ کی اس مہم کی بھرپور مذمت کی۔[۴۲] مگر یہ تمام حقائق بھارتی پراپیگنڈہ کے اثرات کو زائل نہ کر سکے۔ بنگلہ دیش کی تحریک اب ایک قانونی اور اخلاقی جدوجہد آزادی کا رُخ اختیار کر چکی تھی۔ جس کے نتیجے میں دنیا بھر کے دانشور، سماجی بہبود کی تنظیمیں اور سیاستدان کھلم کھلا پاکستان کی مخالفت پر اتر آئے۔ پاکستان کے خلاف تعصب کو فروغ دینے کے لئے یہ حقیقت کافی تھی کہ بنگالیوں کے منتخب راہنما مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان کی قوم پرستانہ تحریک کو فوجی طاقت کے زور پر نہایت بے دردی سے کچلا جا رہا ہے۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے واقعات کی حقیقی تصویر سے کوئی باخبر نہیں تھا۔ غیر ملکی اخبارات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں بتائی گئی جو کہ بلاشبہ

---

[۴۰] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مضمون از مسعود مفتی، سابق سیکرٹری تعلیم مشرقی پاکستان ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۳۵۔

[۴۱] "دی پاکستان ٹائمز" ۸-۲۰ اپریل، ۵ مئی، ۲ جون ۱۹۷۱ء

[۴۲] "دی پاکستان آبزرور" ۳ جون ۱۹۷۱ء۔ "دی پاکستان ٹائمز" ۴ جون ۱۹۷۱ء

مبالغہ آمیزی تھی۔ اس صورتِ حال میں ستم ظریفی تھی کہ پنجاب کو تمام تنقید اور نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ حالانکہ فوجی حکومت کے فیصلہ کُن کرداروں یا مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے رہنماؤں میں سے کسی کا تعلق پنجاب سے نہیں تھا۔

مارچ اور اپریل کے درمیان انتہاپسندوں اور بھارتی تخریب کاروں کی پیدا کردہ دہشت کے نتیجے میں مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد سرحد عبور کر کے بھارت میں چلی گئی۔ عوامی لیگ اور بھارتی حکومت کے پراپیگنڈہ سے متاثر مغربی پریس نے پاکستانی فوج پر "قتلِ عام" کا الزام تو عائد کیا مگر کسی نے یہ سوال نہ کیا کہ مغربی پاکستانی تاجروں، صنعتی کارکنوں سرکاری ملازموں اور دیہی علاقوں میں متعین فوجی افسروں کا قاتل کون تھا۔ اگر مہاجروں کی نقلِ مکانی کی وجہ پاک فوج کے مظالم تھے تو مارچ اور اپریل کے درمیان بے شمار مغربی پاکستانیوں نے سرحد پار کر کے بھارتی جیلوں میں سڑنے کو کیوں ترجیح دی؟ پاکستانی فوج کی زیادتیاں اپنی جگہ لیکن شہری آبادی کو بھارت میں پناہ لینے پر مجبور کرنے کا بنیادی سبب عوامی لیگی غنڈوں اور بھارتی تخریب کاروں کا وہ دہشت انگیز رویّہ تھا جس کی مذمت بعد میں خود بنگالی رہنماؤں نے کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بھارتی ذرائع ابلاغ کی گھڑی ہوئی روح فرسا داستانوں اور واقعات کی دہشت ناک تصویر سے خوفزدہ ہو کر اپنے گھربار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔[۴۳] سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے فوج کے سرحدی علاقوں پر پہنچنے سے پہلے بنکوں کو لوٹا۔ گندم، چاول اور پٹ سن کی بڑی مقدار سمگل کر کے کلکتہ پہنچائی اور متعدد مسلم لیگی رہنماؤں، سابق اراکین اسمبلی اور پارلیمانی سیکرٹریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے؟ ظاہر ہے کہ عوامی لیگ کے تعاون سے تشکیل پانے والے بھارتی پراپیگنڈہ کی اس مہم کی منصوبہ بندی فوری طور پر ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عوامی لیگ نے ہر چیز کی سوچی سمجھی منصوبہ بندی

---

۴۳ اداریہ "دی پاکستان آبزرور" ۶ جون ۱۹۷۱ء

Marfat.com

بہت پہلے کر رکھی تھی۔

فوجی اقدام اور تخریب کاروں کی کارروائیوں سے پیدا ہونے والی دہشت آمیز فضا کے نتیجے میں تقریباً دو لاکھ ہندو اور مسلمان مشرقی پاکستانی باشندے سرحد پار کر کے مغربی بنگال اور آسام میں داخل ہو گئے۔ ۲۱ اپریل کو بھارتی حکومت نے اعلان کیا کہ ۲۵۸۷۳۴ مہاجر سرحد پار کر کے بھارت میں آ چکے ہیں۔ نائیجیریا کی خانہ جنگی کے دوران اس کے کسی ہمسایہ ملک نے باغیوں کو سرحدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن بھارت نے جس کے پاس اتنی طاقتور فوج تھی کہ وہ مشرقی پاکستان کو فتح کر سکے ان مہاجروں کو کیوں نہ روکا؟ اس کے برعکس بھارت نے مہاجروں کے لئے کیمپ قائم کئے۔ انہیں ملازمتیں مہیا کیں اور انہیں پاکستان کے خلاف لڑانے کے لئے فوجی تربیت دلائی۔ مہاجروں کے مسئلے کو پاکستان پر حملے کے لئے ایک بہانہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔[۴۴] بھارتی رویے کی وضاحت میں انڈین انسٹی ٹیوٹ فار ڈیفنس سٹڈیز کے ڈائریکٹر کا بیان خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ بھارتی حکومت نے سرحدیں بند کرنے کی بجائے مہاجروں کو اپنے ملک میں در آنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک لحاظ سے یہ فیصلہ بنگلہ دیش کی آزادی کے بارے میں بھارتی ہمدردیوں کا عکاس تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بنگلہ دیش میں مزاحمت کی تحریک کو برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا۔"[۴۵] کیا یہ بیان بھارت کے حقیقی عزائم کی نشاندہی کے لئے کافی نہیں؟ اس امر میں شک کی بہت کم گنجائش ہے کہ بھارت نے بہت پہلے سے

۴۴۔ "دی سیلون ڈیلی نیوز" ۲۶ فروری ۱۹۷۱ء

45. Muhammad Ayoob and K.Subr..hmanayan, The Liberation War, op. cit., p. 156.

Marfat.com

ہر چیز کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ مہاجروں کے مسئلے کو مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کے لئے محض جواز کے طور پر استعمال کیا گیا۔ بھارتی حکومت نے پاکستان کی ہر اس کوشش کو ناکام بنا دیا جس کا مقصد اس مسئلے کو خوش اسلوبی سے نپٹانا تھا۔

اس کے برعکس ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران بھارت کے سرحدی دستوں نے کم از کم ۳۰۹۰۰۰ افراد کو جو سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے واپس بنگلہ دیش دھکیل دیا۔[۲۶] بھارتی حکومت نے اعلان کیا کہ لاکھوں بنگلہ دیشی بھارت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے جن میں سے ایک بڑی تعداد سرحد پار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ کلکتہ کے اخبارات کے مطابق ان مہاجروں کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ بھارتی حکومت نے امید ظاہر کی کہ بنگلہ دیش اپنے شہریوں کو بھارت میں داخل ہونے سے روکنے اور تمام مہاجرین کی واپسی کے کام میں تعاون کرے گا۔[۲۷] بھارتی حکومت کا یہ بیان اس لحاظ سے حیرت انگیز تھا، کہ ۱۹۷۱ء میں مہاجرین کو خوش آمدید کہنے والا ملک ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران اپنے دیرینہ مہمانوں کی واپسی پر کیوں مُصر تھا؟

مہاجرین کیمپوں میں بھارتی رضاکاروں نے یہ پراپیگنڈہ پوری شدت سے کیا کہ اگر مہاجروں نے اپنے وطن واپس جانے کی کوشش کی تو انہیں وہاں موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس پراپیگنڈہ کے علی الرغم واپسی پر آمادہ مہاجرین کو زبردستی بھارت میں روک لیا گیا۔ جان بچا کر واپس پہنچنے والے مہاجرین نے انکشاف کیا کہ بھارتی فوج نے ان کے قافلوں

---

[۲۶] "دی پاکستان ٹائمز" راولپنڈی، ۱۰ مئی ۱۹۷۵ء۔ بھارتی ڈپٹی وزیر خارجہ کا بیان۔

[۲۷] ایضاً

[۲۸] "دی پاکستان ٹائمز"، ۲ جون ۱۹۷۱ء (ملاحظہ ہو نمائندہ ڈھاکہ کی رپورٹ) مزید ملاحظہ ہو "پاکستان ٹائمز"، ۲ جولائی ۱۹۷۱ء

Marfat.com

پر فائرنگ سے بھی دریغ نہیں کیا۔[۴۹] خود اندرا گاندھی نے فرانسیسی ٹیلی ویژن سے ۸ رنومبر ۱۹۷۱ء کو ایک انٹرویو کے دوران اعتراف کیا کہ مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا حل "بنگلہ دیش کی آزادی" کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آزاد بنگلہ دیش ایک ناگزیر حقیقت تھا..... بھارت مجیب الرحمٰن کی رہائی تک مہاجرین کی واپسی کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔[۵۰] پاکستان کے خلاف جنگ کی بھارتی حکمتِ عملی اس کے "قومی مفاد کا حصہ تھی۔[۵۱] عالمی رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بھارت نے یہ مطالبہ پورے زور شور سے جاری رکھا کہ پاکستان مہاجرین کی واپسی کو ممکن بنانے کے لئے سیاسی فضا تیار کرے لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ بھارتی حکومت بہت دیر پہلے مشرقی پاکستان میں کارروائی کی تیاریوں میں مصروف تھی اور اس کا منصوبہ تھا کہ اس کارروائی کو مکتی باہنی کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔"[۵۲] تارکینِ وطن کو جنگ کے جواز اور مکتی باہنی کے گوریلوں کو بھارتی فوج کے "نمائشی روپ" کے طور پر استعمال کیا گیا۔[۵۳] جگ جیون رام نے اگست میں وعدہ کیا تھا کہ مہاجرین کو یحییٰ خان کے پاکستان کے بجائے مجیب الرحمٰن کے آزاد بنگلہ دیش بھیجا جائے گا۔ یہ وعدہ بالآخر دسمبر ۱۹۷۱ء میں پورا کر دیا گیا۔ دریں اثنا تارکینِ وطن کو پاکستانی اخبارات اور ریڈیو تک رسائی حاصل نہیں تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ پاکستانی حکومت کی طرف سے کئے گئے عام معافی کے اعلان سے مکمل طور پر بے خبر رہے۔ علاوہ ازیں

---

۴۹ ملاحظہ ہو "نوائے وقت" ۱۲رجون ۱۹۷۱ء میں واپس آنے والے ایک تارکِ وطن کا بیان۔

۵۰ کچھ تفصیلات "ڈان" ۹رنومبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئیں۔

۵۱ اندرا گاندھی کی تقریر ہمالن پل اسٹیشن رانی کوٹ (اترپردیش ریاست) کے ریڈیو سے ۱۹رمئی ۱۹۷۱ء کو نشر کی گئی۔

۵۲ "دی ٹائمز۔ لندن، ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء

۵۳ "دی آئرش ٹائمز ۲۹ مارچ ۱۹۷۲ء

مارچ میں جیلوں سے فرار ہو کر سرحد پار کر جانے والے والے گیارہ ہزار قیدی سزا کے خوف سے واپس جانے پر آمادہ نہیں تھے۔

پاکستان نے براہِ راست مذاکرات کے ذریعے مہاجرین کے مسئلے کے حل کی پیش کش کی جسے بھارت نے نامنظور کر دیا۔ پاکستان کی طرف سے اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں مہاجروں کی واپسی کی پاکستانی تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ پاکستان نے او تھان کے ثالثی کردار پر رضامندی کا اظہار کیا مگر بھارت نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ پاکستان نے پاک بھارت سرحد پر اقوامِ متحدہ کے مبصرین کی تعیناتی کی تجویز تسلیم کر لی۔ مگر بھارت کو اس پر بھی اعتراض تھا اپنی مؤثر اور منظم پراپیگنڈہ مہم کے نتیجے میں بھارت ایک "مظلوم، مقہور اور استحصال زدہ" قوم کے حقوق کا چیمپئن بننے میں کامیاب ہو گیا۔ مہاجروں اور مصیبت زدہ عوام کی مدد کے "خوشنما دعوؤں" کے پیچھے دراصل پاکستان کے" اندرونی معاملات میں مداخلت کی برسوں پرانی پالیسی" پنہاں تھی۔[۵۵] انڈیا کا یہ طرزِ عمل ہر اعتبار سے خطرناک رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کوئی بھی طاقتور ملک زیادتی کا نشانہ بننے والے عوام کی فلاح کو جواز بنا کر اپنے ہمسایہ ملک پر حملہ کر سکتا ہے۔ مہاجرین کے مسئلے کو بھارت نے حالات کو مزید بگاڑنے اور امدادی کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔ مہاجرین کے بارے میں اعداد و شمار بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے۔ مبالغہ آمیزی کی اس مہم میں پراپیگنڈہ کے بھارتی ماہرین اکثر تضاد بیانی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بھارتی وزیرِ اعظم اور ان کی وزارتِ بحالیات کی طرف سے دیئے گئے اعداد و شمار میں زمین و آسمان کا فرق ہے مسز گاندھی کے مطابق مشرقی پاکستان سے بھارت میں داخل ہونے والے مہاجروں کی تعداد

---

۵۵ "دی سٹیٹسمین"، نیو دہلی ۱۰ اگست ۱۹۷۱ء

55. The Gristan (Stockholm), 25 January 1972.

بیس ہزار سے تیس ہزار فی ہفتہ یعنی ۲۹۰۰ سے ۴۳۰۰ یومیہ تھی۔ جبکہ وزارتِ بحالیات کے اعداد و شمار میں اس تعداد کو ۱۰۰۰۰ یومیہ قرار دیا گیا تھا۔ ان دونوں بیانات میں کم از کم ایک سے دس کا تفاوت ہے۔ بعد ازاں مسز گاندھی نے دعویٰ کیا کہ مہاجرین کی تعداد دس لاکھ ہے۔ جبکہ دیہی علاقوں کے تفصیلی سروے کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ مہاجرین کی اصل تعداد دو سے تین لاکھ کے درمیان تھی۔ بصورتِ دیگر بھی بھارت کی مسلسل بمباری اور سرحدوں کی کڑی نگہداشت کے پیشِ نظر ایک ہفتہ میں بیس ہزار مہاجرین کا سرحد پار کرنا ممکن نہیں تھا۔[۵۶]

مئی ۱۹۷۱ء میں بھارتی انسٹی ٹیوٹ آف ڈیفنس سٹڈیز کے ڈائریکٹر سبرامنیم نے یہ نظریہ پیش کیا کہ لاکھوں مہاجرین کو غیر معینہ مدت تک پالنے کی بجائے اقتصادی نقطۂ نظر سے بہتر ہوگا کہ بنگلہ دیش کا مسئلہ جنگ کے ذریعے حل کر دیا جائے۔[۵۷] ان کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان زیادہ دیر تک بھارت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ جنگ کے دوران بھارتی صنعتوں کو پاکستان کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا، اور یہ کہ بنگلہ دیش کے مسئلہ کا جنگی حل بھارت کی استعداد سے باہر نہیں ہے۔ انہوں نے پیش گوئی بھی کی کہ پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں چین مداخلت نہیں کرے گا۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ پاکستان کی فوجی حکومت بھارت کے ہاتھوں شکست کو مجیب الرحمٰن کے ساتھ سیاسی سمجھوتے پر ترجیح دیگی تاہم انہوں نے بھارت کو مغربی محاذ سے اچانک پاکستانی حملے کے امکانات سے خبردار کیا۔[۵۸]

---

[۵۶] "دی اکانومسٹ" لندن ۲۰-۲۶ نومبر ۱۹۷۱ء

[۵۷] یہ مقالہ انڈین کونسل آف ورلڈ آفیئرز کے بند کمرے میں منعقد ہونے والے اجلاس میں پڑھا گیا اور ۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء کے "دی ٹائمز لندن" میں شائع ہوا۔ مزید ملاحظہ ہو دیباچہ از ڈی کے پلیٹ، برائے سبرامنیم، بنگلہ دیش اینڈ انڈیاز سیکورٹی۔ ڈیرہ دون، ۱۹۷۲ء۔

[۵۸] ایضاً

Marfat.com

سبرامنیم کے ان خیالات کو بھارت کے سرکاری حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور دہلی میں ہونے والے کئی فیصلے ان خیالات کے زیرِ اثر کئے گئے ۔

یہاں ایک سیمینار میں پیش کئے گئے سبرامنیم کے اس مقالے کا حوالہ غیر ضروری نہ ہوگا جس میں انہوں نے کہا کہ "اس حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ پاکستان کا ٹوٹنا ہمارے مفاد میں ہے ۔"[۵۹] انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش میں جدوجہد آزادی کی طوالت بھارت کے لئے سنگین خطرات کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ اس جدوجہد کا فوری خاتمہ اور عوامی لیگی قیادت کے تحت بنگلہ دیش حکومت کا قیام ہمارے وسیع تر مفاد میں ہے ۔[۶۰] بھارت کئی برسوں سے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف رہا ہے کہ ایک فوجی طور پر مضبوط پاکستان کی موجودگی میں جنوب مشرقی ایشیا میں توازن اور امن کا حصول ممکن نہیں ہے ۔ اسی بنیاد پر بھارت نے ہمیشہ پاکستان کے لئے فوجی امداد کی مخالفت کی ہے ۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت کے جواز میں ایک بھارتی مصنف نے اس مؤقف کا سہارا لیتے ہوئے لکھا ہے کہ "بھارتی کارروائی کا مقصد برصغیر میں مستقل امن کا قیام تھا ۔ جس کا حصول پاکستان کی فوجی مشینری کو ٹکڑے ٹکڑے کئے بغیر ممکن نہیں ۔"[۶۱] کوئی بھی غیر جانبدار مبصر اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ "ایک بہت بڑے علاقے کی علیحدگی کے ذریعے اپنے ہمسائے ملک کو کمزور کرنے کی خاموش خواہش کو بھارتی پالیسیوں میں روحِ رواں کی حیثیت حاصل تھی ۔"[۶۲] اور وہ پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے صورتِ حال سے سیاسی و جغرافیائی فائدے اٹھانے کے درپے تھے ۔"[۶۳]

---

۵۹ ۔ "دی ہندوستان ٹائمز" دہلی یکم اپریل ۱۹۷۱ء

۶۰ ۔ بحوالہ کے سبرامنیم ص ۱۴۲

۶۱ ۔ ارون بھٹہ چارجی، ص ۱۹۴ ۔ ۹۵

۶۲ ۔ "دی ٹائمز" ویکلی ۱۳ دسمبر ۱۹۷۱ء ص ۹ ۔ ۱۱

۶۳ ۔ ایضاً

Marfat.com

ممتاز بھارتی رہنماؤں کی کئی تحریروں اور تقریروں سے بھارت کے اس دعویٰ کی نفی ہوتی ہے کہ مشرقی پاکستان پر اس کے حملے کا مقصد مصیبت زدہ عوام کی امداد تھی۔ جے پرکاش نرائن نے بنگلہ دیش کے موضوع پر بند کمرے میں ہونے والے ایک سیمینار میں انکشاف کیا کہ "بھارت نے مشرقی پاکستان کی آزادی کے لئے مداخلت کا فیصلہ خدائی فوجدار کے طور پر نہیں کیا تھا بلکہ اس فیصلے کا واحد محرک ہمارا قومی مفاد تھا۔"[۶۴] ظاہر ہے کہ بنگالیوں کی ہلاکت اور اُن کی جدوجہد کے بارے میں بھارتی پراپیگنڈے اور تارکین وطن سے اظہارِ ہمدردی کا ڈرامہ محض مشرقی پاکستان پر حملے کے لئے رچایا گیا تھا۔

"دی ٹائمز (لندن) نے درست لکھا تھا کہ مارچ سے لے کر نومبر میں فوجی حملے تک بھارتی مداخلت میں ایک سُست رو اور مسلسل عمل کے تحت اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بھارت نے بہت پہلے سے مشرقی پاکستان پر حملے کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔"[۶۵] کلدیپ نیر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بھارت کا ارادہ مئی جون میں پاکستان پر حملہ کرنے کا تھا۔ مگر چیف آف سٹاف نے مشرقی بنگال میں مون سون کے نتیجے میں وسیع تر فوجی کارروائی کے لئے نامناسب حالات کے پیشِ نظر اس منصوبے کو غیر موزوں قرار دیا۔ ان کے خیال میں "اس مقصد کے لئے سردیوں کا موسم بہترین ہو گا۔"[۶۶] کلدیپ نیر نے مزید انکشاف کیا کہ درحقیقت بھارت نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی "مشرقی پاکستان پر قبضے کا ایک پندرہ روزہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ یہی وہ منصوبہ تھا جسے اب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔"[۶۷]

---

[۶۴] جے پی نرائن کا کونسل آف ورلڈ آفیئرز کے تحت سیمینار منعقدہ ۳۰ جولائی ۱۹۷۱ء میں صدارتی خطاب۔

[۶۵] "دی ٹائمز" لندن، ۱ دسمبر ۱۹۷۱ء

[۶۶] بحوالہ کلدیپ نیر۔ ص ۱۵۵ - ۵۶

[۶۷] ایضاً ص ۱۷۵

مئی ۱۹۷۱ء میں مکتی گوریلوں نے جنہیں اندرا کے ترجمانوں اور "افسرانِ تعلقاتِ عامہ[۶۸] کی حیثیت حاصل تھی اور جنہیں بھارتی سرزمین پر رقوم خرچ کر کے تربیت دی گئی تھی،[۶۹] نہایت سرگرمی سے ذرائع مواصلات اور عمارات کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ اگلے دو ماہ کے دوران ان گوریلوں کی سرگرمیاں مزید زور پکڑ گئیں اور انہوں نے کئی مقامات پر ریلوے کی پٹریاں بموں کے ذریعے اڑا دیں اور متعدد سیاسی رہنماؤں کو ہلاک کر دیا۔ اگرچہ بھارت نے ابتدا میں تخریب کاری کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے انکار کیا۔ تاہم بعد ازاں ٹھوس شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ بھارت نے نہ صرف مکتی باہنی کے گوریلوں کو فوجی تربیت دی اور اسلحہ مہیا کیا بلکہ اس کی مسلح افواج کے ارکان نے مکتی باہنی کے شانہ بشانہ قتل و غارت میں حصہ لیا۔ سبرامنیم نے اس سلسلے میں بھارتی حکومت کے "جرأت مندانہ" فیصلے کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔[۷۰] بھارت کے ایک معتدد رہنما مرارجی ڈیسائی نے معروف اطالوی صحافی اوریانا فلاسی کے ساتھ انٹرویو میں مکتی باہنی کے اصلی رُخ پر سے نقاب اُٹھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "اپریل سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک بھارتی فوج کے باقاعدہ سپاہی مکتی باہنی کے روپ میں پاکستانی فوج کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اس خفیہ کارروائی میں پانچ ہزار جانوں کے ضیاع کے بعد اندرا نے پاکستان کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کر دیا۔ اندرا جنگ جیتنے میں کامیاب ہو گئی کیونکہ یحییٰ بے وقوف تھا۔[۷۱]

حقیقت یہ ہے کہ جنگ سے بہت عرصہ پہلے ڈھاکہ کے گرد و نواح میں سادہ کپڑوں

---

۶۸ "دی آئرش ٹائمز" ۲۹ مارچ ۱۹۷۱ء

69. Robert Payne, Massacre, p. 106.

۷۰ بحوالہ محمد ایوب خاں اور سبرامنیم ص ۱۵۶

۷۱ بحوالہ "دی پاکستان ٹائمز" ۱۴ اگست ۱۹۷۷ء

میں ملبوس بھارتی فوجی دیکھے گئے۔ بعد ازاں مسز گاندھی نے خود اپنے بیان میں کہا کہ گوریلوں کی تربیت اور انہیں بھارتی اسلحے کی فراہمی ہی "مشرقی پاکستان" کے بحران کا حتمی حل ہے" اور یہ حل "آزاد بنگلہ دیش کے سوا کچھ نہیں"[۴۲]۔ ایک بنگالی ہندو صحافی ایس ہراتا کے انکشافات مزید حیران کن ہیں۔ جن کے بقول مکتی باہنی دراصل بھارتی سپاہیوں ہی کی ایک تنظیم تھی اور یہ کہ " اگر وہ اپنے بھارت کے قیام کے دوران یہ بات کہتے تو انہیں یقیناً گرفتار کر لیا جاتا"[۴۳]

اس امر کی واضح شہادتیں موجود ہیں کہ مکتی باہنی تمام نہیں تو اس کا بڑا حصہ بھارتی فوجیوں پر مشتمل تھا۔ "ٹائمز (لندن) کا یہ تبصرہ بالکل بجا تھا کہ" فوجی کارروائی کے بعد بھارت سے اسلحے کی فراہمی رک گئی۔ اب بھارت کا اگلا اقدام یہ تھا کہ پاک فوج کے اقدام میں رکاوٹ کے لئے ذرائع مواصلات کو سبوتاژ کرنے اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی غرض سے مشرقی پاکستان میں تخریب کار بھیجے جائیں"[۴۴]۔ ابتداء میں بھارت نے مکتی باہنی کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا لیکن جب یہ بات واضح ہوگئی کہ متعینہ مقاصد کا حصول تنہا مکتی باہنی کے بس کا کام نہیں تو بھارتی فوج بھی میدان میں کود پڑی۔ "دی ٹیلیگراف" نے اپریل میں شائع ہونے والی ایک خبر میں کہا کہ "قرائن بتاتے ہیں کہ بھارتی اسلحہ سے بھری ہوئی ایک ٹرین مداری پور کے قریب علیحدگی پسندوں کے پاس پہنچ چکی ہے"[۴۵]۔ ایک غیر ملکی اخبار کے مطابق انڈیا میں مشرقی سرحد کے ساتھ چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ جہاں سے بھارتی اسلحہ مشرقی پاکستان میں پہنچایا جاتا تھا"[۴۶]۔ ایسی کئی اور رپورٹوں

۴۲۔ فرانسیسی ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام میں ایڈیٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے اندرا کا بیان ۸ نومبر ۱۹۷۱ء۔ ملاحظہ ہو دی نیوٹائمز (راولپنڈی)

۴۳۔ "دی گارجین" ۱۸ ستمبر ۱۹۷۱ء

۴۴۔ "دی ٹائمز" لندن یکم دسمبر ۱۹۷۱ء

۴۵۔ "دی ٹیلیگراف ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء

۴۶۔ "دی نائیجیرین ٹریبیون، لاگوس ۱۴ مئی ۱۹۷۱ء

Marfat.com

میں اس امر کی تصدیق کی گئی کہ بھارت تخریب کاروں کو براہِ راست اسلحہ فراہم کر رہا تھا۔[۷۶] گوریلا سرگرمیوں کے مراکز زیادہ تر ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز میں موجود تھے۔

طالب علموں خصوصاً مکتی فوج میں شمولیت کے خواہش مند ہندو نوجوانوں[۷۷] میں سے رضاکار بھی بھرتی کیے گئے۔ جن کا اہم مقصد سبوتاژ کی کارروائیاں کرنا تھا۔ ان رضاکاروں کو بھارتی فوج کے قائم شدہ پچاس سے زیادہ تربیتی مراکز میں تربیت دی گئی۔[۷۹] دوسری طرف بائیں بازو کے نیشنل عوامی پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کے گوریلا گروپ نے بھارتی سپاہیوں کے تعاون سے مشرقی پاکستان کے اندرونی علاقوں کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ بھارت نے مکتی باہنی کے چھاپہ ماروں کو پناہ دینے کے علاوہ اس کے رضاکاروں کی تربیت کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ اس نے بعض موقعوں پر انہیں توپیں اور مارٹر فائر بھی مہیا کیے۔[۸۰]

پاکستانی فوج کے خلاف سرگرم عمل گوریلوں کی تعداد کے بارے میں مختلف اندازے پیش کیے گئے۔ "گارڈین" کے مطابق "غیر جانبدارانہ تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ گوریلا تنظیم کے اراکین کی تعداد سات ماہ کے دوران صفر سے بڑھ کر ۸۰ ہزار سے ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ یہ تعداد ان گوریلوں کے خلاف سرگرم عمل باقاعدہ پاکستانی فوجیوں کی تعداد کے تقریباً برابر ہے۔"[۸۱] ڈیلی ٹیلیگراف کے ایک اور تخمینے کے مطابق ان گوریلوں کی تعداد ۵۰ ہزار تھی جبکہ انہیں ڈیڑھ لاکھ سرگرم حامیوں

---

[۷۶] "دی واشنگٹن پوسٹ" ۱۳ ستمبر ۱۹۷۱ء اور "دی نیویارک ٹائمز" ۱۰ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء

[۷۷] دی ٹیلیگراف ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء

[۷۹] ایضاً

[۸۰] "دی نیویارک ٹائمز" ۱۰ اکتوبر اور ۱۱ نومبر ۱۹۷۱ء

[۸۱] "دی گارجین" ۳ نومبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

کا تعاون بھی حاصل تھا۔[۸۲]

مکتی باہنی نے مال بردار جہازوں اور دریائی بیڑوں پر بھی حملے کئے۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ میں ۱۵ اور ۱۶ اگست کے درمیان تین بحری جہاز اور ایک تیل بردار جہاز ڈبو دیا گیا۔ جبکہ ریڈیو پاکستان نے ۲۸ ستمبر کو دعویٰ کیا کہ بحریہ نے ۱۰ ایسے تخریب کاروں کو ہلاک کر دیا جنہیں چٹاگانگ اور کھلنا کی بندرگاہوں میں بحری جہازوں کو بارودی سرنگوں کے ذریعے تباہ کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔

گوریلا سرگرمیوں کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان مواصلات کو پہنچا۔ ۱۲ ستمبر کی اطلاعات مظہر ہیں کہ ڈھاکہ، کومیلا، جیسور اور کشتیا سے ملانے والی سڑکوں پر نوے فیصد آبی راستے اور چھوٹے پلوں کو تباہ کیا جا چکا تھا۔ سڑکوں اور ریل کے ذریعے سامان کی ترسیل کم ہو کر ۱۰ فیصد رہ گئی۔ اقتصادی سرگرمیاں غیر معمولی طور پر متاثر ہو چکی تھیں اور فیکٹریوں کی پیداوار کل استعداد کے ۳۵ فیصد سے زائد نہیں تھی۔ ایک اندازے کے مطابق نومبر کے اوائل میں ڈھاکہ میں روزی کمانے والی آبادی کا ۶۰ فیصد حصہ بے روزگار تھا۔ ستمبر کے آخری ہفتہ میں بھارت نے امدادی کام میں مصروف غیر ملکیوں کو فارغ کر دیا۔ جس کی "حقیقی وجہ یہ تھی کہ بھارت نہیں چاہتا تھا کہ مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی میں اس کی مداخلت بیرونی دنیا کے سامنے آئے۔"[۸۳]

ڈھاکہ شہر میں مصروف کار گوریلا گروپ نے ستمبر کے اوائل میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پر بم پھینکا۔ اکتوبر کے آخر تک گروپ کی سرگرمیاں اپنے عروج پہ پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ ان گوریلوں نے ڈھاکہ ائرپورٹ کو بم سے اڑا دینے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی، ۳ نومبر کو مکتی باہنی کے چند گوریلوں نے پاکستانی فوجیوں کے بھیس میں شہر کے بڑے بجلی گھر میں داخل ہو کر چار میں سے تین جنریٹروں کو تباہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ۳۰ میل کے علاقے میں صنعتی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اس عرصہ

۸۲؎ "دی ڈیلی ٹیلیگراف" ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء

۸۳؎ "دی یارکشائر پوسٹ" ۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

میں گوریلوں نے فوج کی نگرانی میں چلنے والے تعلیمی اداروں پر حملے کئے اور کئی بینکوں کو لوٹ لیا۔ مکتی باہنی تخریبی سرگرمیوں کے ذریعے نومبر ۱۹۷۱ء تک تین مقاصد حاصل کر چکی تھی۔ اولاً پاکستان دوست قوتوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ثانیاً معیشت کی بنیادیں مکمل طور پر ہل چکی تھیں، اور ثالثاً گزشتہ نو مہینوں میں مصروف پاکستانی فوج تھک کر دل شکستہ ہو گئی تھی۔ بھارتی حملے کے لئے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا؟

بھارت کی جنگی تیاریوں اور اس کے دھمکی آمیز رویّے سے نمایاں تھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہے۔ اندرا نے اپنے غیر ملکی دورے کے دوران واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر عالمی رائے عامہ بنگالیوں کے مسئلہ کے حل کے لئے فوری طور پر حرکت میں نہ آئی تو بھارت اپنی مرضی کا قدم اٹھائے گا۔[۸۴] بعض اطلاعات کے مطابق بھارتی وزراء کی اکثریت پاکستان پر حملے کے حق میں تھی۔[۸۵] بھارتی فوج مشرقی پاکستان پر حملے کے لئے پہلے ہی ضروری منصوبہ بندی اور تیاریاں کر چکی تھی۔[۸۶] ستمبر تک بھارتی بکتر بند دستوں کی سرحدوں کی طرف نقل و حرکت شروع ہو چکی تھی۔[۸۷] ۲ نومبر کو جب جیون رام نے اس فیصلے کا اعادہ کیا کہ بھارت اپنی فوجوں کو سرحدوں سے نہیں ہٹائے گا۔ اور اس امر کی تصدیق کی کہ بھارتی دستے پاکستانی سرحدوں پر جنگی پوزیشنیں لے چکے ہیں۔[۸۸] بھارت اس حقیقت سے بخوبی باخبر تھا کہ دورِ حاضر میں کسی چھوٹے ملک پر حملہ کے لئے ایک بڑی طاقت کا تعاون اور حمایت ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس نے اگست میں روس کے

---

۸۴ "دی فنانشل ٹائمز" یکم نومبر ۱۹۷۱ء

۸۵ ایضاً

۸۶ "دی ایوننگ سٹار" واشنگٹن ۲۶ جولائی ۱۹۷۱ء

۸۷ "دی گارجین" ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء

88. Keesing's Contemporary Archives, 18-25 December 1971, pp. 24989-92.

Marfat.com

ساتھ ۲۰ سالہ دفاعی معاہدہ پر دستخط کئے۔ اگرچہ دونوں سپر طاقتیں یعنی امریکہ اور روس ایک طویل عرصے سے بھارت کا دل جیتنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مگر بالآخر کامیابی روس کے حصے میں آئی کیونکہ امریکہ پاکستان کے خلاف کھلم کھلا معاندانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

۱۲ نومبر ۱۹۷۱ء کو بھارت نے دہلی میں اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کے ایک معاہدہ پر دستخط کئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلحہ امریکی ساخت کا تھا۔ اسلحہ کی اس فراہمی پر امریکہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہ کیا گیا نہ ہی روس نے جو کہ مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کی حمائت کر رہا تھا اس پر احتجاج کیا۔
لیکن جب اردن اور سعودی عرب نے پاکستان کو فوجی ساز و سامان دینے پر آمادگی ظاہر کی تو امریکہ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ پاکستان اپنی تاریخ کے سنگین ترین بحران سے گزر رہا تھا اور اسے نامساعد حالات سے نکالنے کے لئے باصلاحیت سیاسی قیادت کی اشد ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے بھارتی سیاستدانوں کے مقابلے میں پاکستان کی عنانِ حکومت ایک کوتاہ بین فوجی آمر کے ہاتھوں میں تھی۔ جس پر انہوں نے نہایت آسانی سے سبقت حاصل کر لی۔ ایک غیر ملکی جریدے کے مطابق یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے بحران اور جنگ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کو "خالص شاف کالج کے انداز میں" حل کرنے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ پاکستان کی تباہی کی شکل میں برآمد ہوا۔[۹۹]

Marfat.com

Marfat.com

باب ۷

عالمی طاقتوں کا کردار

عالمی سیاست کی بساط پر ترقی پذیر ممالک کا مستقبل بڑی حد تک سپر طاقتوں کے رحم و کرم پر منحصر ہوتا ہے۔ بنگلہ دیش اُنہی طاقتوں کی شاطرانہ چالوں کا جیتا جاگتا شاخسانہ ہے۔ کسی ملک کی اندرونی صورت حال کو اس انداز میں ایک بین الاقوامی مسئلہ بنا دینا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ اور سیاست کے زور پر ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آجائے بڑی طاقتوں ہی کا کارنامہ ہے۔

رُوس

روس نے بھارت کے ساتھ مل کر بنگلہ دیش کے قیام میں اہم بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۱ء کے بحران کے بارے میں روسی رویہ کا تجزیہ صحیح تاریخی تناظر کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے دوران روس نے بین الاقوامی امور میں اپنے نظریاتی طرزِ عمل کے تحت لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا۔[۱] روس کا خیال تھا کہ پاکستان کا قیام برطانیہ کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کا آئینہ دار ہے۔ نیو ٹائمز نے تقسیم ہند کے فیصلے کو ہندو مسلم مناقشت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس فیصلے سے ہندوستان کے اندرونی معاملات میں برطانوی مداخلت میں مدد ملے گی۔[۲]

روس کے نزدیک اسلامی مملکت کا تصور یا اسلامی بلاک کے قیام کی تجویز کسی طور پر بھی پسندیدہ نہیں تھی۔ اس کے خیال میں ایسی تمام مساعی اُس کے نظریے کو چیلنج کرنے کے

---

[۱] "پراودا" ۱۲ اور ۱۹ مئی ۱۹۴۷ء

[۲] "نیو ٹائمز" ۴ جولائی ۱۹۴۷ء

Marfat.com

مترادف تھیں۔[3] روس کی یہ سوچ نظریاتی رقابت کی عکاسی کرتی تھی۔

پاک روس تعلقات کی سرد مہرانہ ابتدار کا بنیادی سبب دونوں ملکوں کا نظریاتی تضاد تھا۔ اس کے برعکس نہرو آزادی سے قبل ہی روس کے لئے اپنی گرمجوشی کا اظہار کر چکے تھے۔ ان تعلقات کو مزید وسعت دینے کے لئے نہرو نے اپنی بہن وجے لکشمی پنڈت کو روس میں اپنا سفیر مقرر کیا۔[4] جبکہ ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگی وزیر لیاقت علی خاں نے سرے سے ماسکو میں سفیر مقرر کرنے کی تجویز ہی کی مخالفت کی۔[5] چنانچہ روس نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے قیام پر قائداعظمؒ کو مبارکباد کا کوئی پیغام ارسال نہ کیا بلکہ اس نے نئی مملکت کو تسلیم کرنے میں بھی نیم دلانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔

مئی ۱۹۴۹ء میں نہرو کو دورۂ امریکہ کی دعوت موصول ہوئی جسے نہرو نے قبول کر لیا۔ لیاقت علی خان کے غیر معمولی مغرب نواز رویّے کے باوجود امریکہ نے انہیں دورے کی دعوت دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جسے لیاقت علی خاں نے اپنی توہین تصور کیا۔ روس نے پاکستان کے احساسات کا اندازہ لگانے میں کوئی دیر نہ کی اور لیاقت علی خاں کو دورۂ روس کی دعوت بھیج دی جسے ۸ جون کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ مگر وزارتِ خارجہ کے مغرب نواز بنر جمہروں کے طفیل یہ دورہ غیر معینہ طور پر ملتوی کر دیا گیا۔[6] پاکستان کا یہ اقدام پاک روس تعلقات میں گہری مغائرت

---

3. "Borderlands of South Central Asia - India and Pakistan" Central Asian Review, No. 2, pp. 163-209.

۴ وجے لکشمی نے اپنے کاغذات نامزدگی ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو روسی صدر کو پیش کئے۔

5. Alan Cambell-Johnson, Mission with Mountbatten, p. 114.

6. G.W. Choudhury, India, Pakistan, Bangladesh and Major Powers, pp. 12-13

Marfat.com

کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ بدقسمتی سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں پیدا ہونے والا یہ رخنہ کبھی دور نہ ہو سکا۔ دریں اثنار لیاقت علی خاں کو امریکی صدر کی طرف سے مئی ۱۹۵۰ء میں دورۂ امریکہ کا ذاتی دعوت نامہ موصول ہوا۔ اس دورے کے دوران امریکیوں کے لئے لیاقت علی خان کی طرف سے غیر معمولی گرمجوشی کے اظہار نے روس کو مزید ناراض کر دیا۔ دوسری طرف ایک غیر وابستہ قوم کے طور پہ ہندوستان کے کردار اور خصوصاً کوریا کے بحران میں اس کے طرزِ عمل کے نتیجے میں بھارت روس تعلقات میں مزید پختگی آگئی۔ نہرو کا ترقی پسندانہ اور غیر جانبدارانہ مؤقف بھی بھارت اور روس کے تعلقات کو مضبوط بنانے کا باعث بنی۔ جون ۱۹۵۵ء میں نہرو نے روس کا دورہ کیا۔ جہاں اُن کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ نہرو روس کی مہمان نوازی سے اتنے متاثر ہوئے کہ روس سے لوٹتے ہوئے انہوں نے بیان دیا کہ وہ اپنے دل کا ایک حصہ وہیں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اسی سال روسی رہنماؤں بلگانن اور خروشیف نے بھارت کا جوابی دورہ کیا۔ روسی رہنماؤں نے نہ صرف بھارت کی صنعتی ترقی کے لئے امداد کا وعدہ کیا۔ بلکہ اس امر پر اظہارِ افسوس بھی کیا کہ "سامراجی طاقتیں ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔"[ھ] روانگی سے پیشتر خروشیف نے نہرو سے کہا کہ "میں بھی اپنے دل کا ایک ٹکڑا بھارتی عوام کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔"[ڤ]

امریکہ اور بھارت کے نقطہ ہائے نظر میں تفاوت نے بھی بھارت روس تعلقات کو گہرا کرنے میں مدد دی۔ امریکہ کمیونزم کو عالمِ انسانیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف سرگرمِ عمل تھا۔ جبکہ بھارت کے نزدیک دنیا کا بنیادی مسئلہ "نوآبادیاتی نظام" تھا۔ نہرو دونوں عالمی بلاکوں کی مدد حاصل کرنے کے علاوہ کشمیر کے مسئلے پر روس کا ٹھوس تعاون حاصل کرنے

ھ؎ این۔اے بلگانن اور این ایس خروشیف، وزٹ آف فرینڈشپ ٹو انڈیا اور افغانستان ص۱۳

ڤ؎ این۔ایس راجن، انڈیا اِن ورلڈ افیئرز ۱۹۵۴ء، ۵۶، ص۳۲۴

Marfat.com

میں بھی کامیاب ہو گئے۔ بھارت کے برعکس پاکستان مغربی بلاک کی طرف جھکتا چلا گیا اور ۵۰ء کے عشرے کے وسط میں اس کی حیثیت مغربی بلاک کے ایک مسلمہ اتحادی کی ہو چکی تھی۔ وہ دوسرے بلاک کے لئے دلچسپی کے تمام امکانات کھو چکا تھا۔ حالات کی ستم ظریفی یہ تھی کہ اگرچہ پاکستان کو امریکی اسلحہ اور جنگی ساز و سامان ملنا شروع ہو گیا تھا مگر وہ کشمیر کے مسئلے پر امریکی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خارجہ امور میں طرزِ عمل کے باعث پاکستان نہ صرف روس بلکہ مسلم عرب دنیا کے بعض ممالک سے بھی دور ہوتا چلا گیا۔ ۱۶ فروری ۱۹۵۷ء کو روس نے مسئلہ کشمیر پر بھارت کے حق میں اپنا پہلا ویٹو استعمال کیا۔ سنٹو اور سیٹو میں پاکستان کی شمولیت کے بعد روس نے پاکستان کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ پاکستان امریکہ کو روس کے خلاف اپنے علاقے استعمال کرنے کی اجازت دے دے گا۔[۹] چنانچہ اس نے پاکستان کو بار بار متنبہ کیا کہ امریکہ کو پاکستان میں فوجی اڈے بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ مذکورہ معاہدوں میں شمولیت کے بعد روس کی طرف سے مسئلہ کشمیر پر بھارت کی حمایت اور افغانستان کے مطالبہ "پختونستان" کی سرپرستی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ ۱۹۶۰ء میں یو۔ ٹو کے واقعہ نے پاک روس تعلقات میں بگاڑ کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس موقع پر روس نے دھمکی دی کہ وہ پشاور میں امریکی اڈے کو نیست نابود کر دے گا۔[۱۰] ان تمام عوامل کے باوجود روس نے مفاہمت کے دروازے کھلے رکھے، ۱۹۶۰ء میں بین الاقوامی صورتِ حال نے ایک نئی کروٹ لی۔ عالمی سیاست کے اس نئے موڑ پر روس اور امریکہ عوامی جمہوریہ چین کی مخالفت میں ہم آواز پائے گئے۔ ادھر جنوب ایشیا میں چین روس مناقشت نے روس کو پاکستان کے بارے میں اپنا رویہ نرم کرنے کی ضرورت کا

---

۹ "دی نیو ٹائمز" ۹ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۱۸

۱۰ "پراودا" (ماسکو) ۱۴ مئی، ۲۲ جون ۱۹۶۰ء

Marfat.com

احساس دلایا۔ اُسے خدشہ تھا کہ پاکستان مکمل طور پر چین کے زیرِ اثر آجائے گا حالات کی تبدیلی کے ساتھ پاک سوویت تعلقات میں بہتری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ جسے ایوب خان کی "دوطرفہ تعلقات" کی پالیسی نے مزید سہارا دیا۔ مارچ ۱۹۶۱ء میں روس اور پاکستان کے درمیان تیل سمجھوتہ عمل میں آیا۔ تاہم پاک روس تعلقات میں اضافے کے باوجود روس کے بھارت کے ساتھ تعلقات میں کوئی فرق نہ آیا۔[۱۱] اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ہوا بازی کے معاہدے اپریل ۱۹۶۳ء میں مال کے بدلے مال کے معاہدے اور جون ۱۹۶۴ء میں ثقافتی معاہدے کے نتیجے میں روس اور پاکستان کے درمیان دوستانہ تعلقات کی راہ ہموار ہو گئی۔ اپریل ۱۹۶۵ء میں ایوب خان نے ماسکو کا دورہ کیا۔ وہ روس کا دورہ کرنے والے پہلے پاکستانی سربراہ تھے۔ یہ پاک روس دوستی کے عروج کا زمانہ تھا۔

۱۹۶۲ء میں چین اور بھارت کے درمیان جنگ بھی پاک روس مفاہمت کے عمل کو تیز کرنے کا باعث بنی۔ جنگ سے پہلے بھارت کو صرف امریکہ سے امداد مل رہی تھی مگر جنگ کے نتیجے میں بھارت کو دھڑا دھڑ مغربی اسلحہ کی فراہمی شروع ہو گئی۔ اس صورتِ حال میں پاکستان نے آزادانہ خارجہ پالیسی کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا۔ جس نے اسے روس کے لئے مزید قابلِ قبول بنا دیا۔ علاوہ ازیں بھارت کے لئے امریکہ کی فوجی امداد نے بھارت روس تعلقات کو بھی متاثر کیا۔ پراودا نے لکھا کہ رجعت پسند طاقتیں چین بھارت تصادم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے "بھارت کو غیر جانبداری کے رستے سے ہٹا کر مغربی دنیا کے سیاسی اور فوجی بلاکوں کی طرف دھکیلنا چاہتی ہیں۔[۱۲]" ان واقعات کے نتیجے میں کشمیر کے تنازعے کے بارے میں سوویت رویّہ میں واضح تبدیلی محسوس کی گئی۔ ۱۹۶۴ء میں سیکورٹی

---

[۱۱] "دی ٹائمز" (لندن)، ۲۴ر فروری ۱۹۶۱ء

[۱۲] "پراودا" ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۳ء

Marfat.com

کونسل میں روسی نمائندے نے بیان دیا کہ یہ مسئلہ پُرامن طریقے سے حل کریں[13]۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران امریکہ نے پاکستان اور بھارت دونوں کی امداد بند کر دی۔ جس سے اوّل الذکر کو بے حد نقصان پہنچا۔ روس نے اس موقع پر غیر جانبدار پالیسی اختیار کی۔ چین کے ساتھ جو کہ پاکستان کی بھرپور امداد کر رہا تھا تصادم سے احتراز کرتے ہوئے روس نے امریکہ کے ساتھ مل کر اقوامِ متحدہ کے تحت جنگ بندی کی مساعی میں شرکت کی۔ روس کی یہی غیر جانبدار پالیسی تھی جس کی وجہ سے وہ مستقبل میں معاہدہ تاشقند میں ثالث کا کردار ادا کر سکا۔ روس کی اس ثالثی کے نتیجے میں پاک چین تعلقات پر کچھ عرصہ کے لئے سرد مہری کی کیفیت طاری رہی۔ روس نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور وہ اپنی سفارتی مساعی کے ذریعے پاک روس تعلقات کو مزید مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب روس نے کشمیر کے مسئلہ پر زیادہ متوازن رویّہ اختیار کیا[14]۔ ستمبر ۱۹۶۸ء میں ایوب خاں نے دوسری بار ماسکو کا دورہ کیا اور واضح الفاظ میں کہا کہ پاکستان میں امریکی اڈّے ختم کر دیئے جائیں گے[15]۔ اپریل ۱۹۶۸ء میں کوسیجن نے پاکستان کا جوابی دورہ کیا۔

دریں اثناء بھارت کے لئے روس کی فوجی اور اقتصادی امداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس امداد کی مقدار ۳۰۰ ملین ڈالر سالانہ تھی، اور اس میں جدید ترین جنگی ساز و سامان شامل تھا۔ روس اور چین کے مابین ۱۹۶۹ء کی جھڑپوں کے بعد روس نے پاکستان پر واضح کر دیا کہ وہ چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی کو پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ دور تھا جب روس کا بنیادی مسئلہ علاقہ میں چین کے پھیلاؤ کے امکانات کو ختم کرنا تھا۔

۱۳؎ سیکیورٹی کونسل آفیشل ریکارڈ، اجلاس ۱۴ر فروری ۱۹۶۲ء

۱۴؎ "پراودا" ۴ر اگست ۱۹۶۵ء

15. G.W. Choudhury, India, Pakistan, Bangladesh and Major Powers, p. 57.

روس کے وزیرِ دفاع اندری گریشیکو نے فروری ۱۹۶۹ء میں پاکستان کے دورہ کے دوران خارجہ امور کے سیکرٹری ایس ایم یوسف سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "آپ بیک وقت روس اور چین سے دوستی نہیں رکھ سکتے۔" پاکستان کی طرف سے پیش کی گئی دلیل کے جواب میں روسی وزیر خارجہ کا مختصر ردِ عمل یہ تھا کہ "ایک سپر پاور کے لئے جو کچھ روا ہے وہ پاکستان جیسے ملک کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔"[۱۶] روس نے چین کی پیش بندی کے لئے اپنی سرپرستی میں علاقائی اقتصادی اتحاد کا تصور پیش کیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو کوسیجن نے یحییٰ خان سے ملاقات کے دوران مذکورہ اتحاد کی اہمیت پر زور دیا۔ لیکن پاکستان نے چین کے خلاف کسی محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔[۱۷] روس چین کے ساتھ پاکستان کے گہرے دوستانہ مراسم، اجتماعی تحفظ کے روسی معاہدہ میں شرکت سے انکار اور چین اور امریکہ کے تعلقات بہتر بنانے کے لئے اس کی مساعی کی بناء پر پاکستان سے سخت ناراض تھا۔ ان عوامل نے ۱۹۷۱ء کے عشروں میں روسی رویہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا نیز ۱۹۷۰ء میں اندرا کی کامیابی کے بعد روس اور بھارت کے باہمی مراسم مزید گہرے ہو چکے تھے۔ روس پاکستان کے اندرونی بحران میں دلچسپی کا اظہار کرنے والی پہلی عالمی طاقت تھا۔ ۲۸ مارچ کو روس نے کراچی میں متعین اپنے قونصل جنرل کے ذریعے پاکستان سے غیر سرکاری طور پر فوجی حکمرانوں کے آئندہ ارادوں کے بارے میں معلومات طلب کیں۔[۱۸] ۲ اپریل کو پڈگورنی نے یحییٰ خان کو اپنے ایک مکتوب میں مشورہ دیا کہ پاکستانی عوام کے اس آزمائشی دور میں ہم آپ کو مخلص دوستوں کی طرح مشورہ ہی دے سکتے ہیں کہ حال ہی میں پاکستان

---

۱۶ ایضاً۔ ص ۶۱

۱۷ "پاکستان ٹائمز" ۱۱ جولائی ۱۹۷۱ء

18. Robert Jackson: South Asian Crisis, p. 39.

Marfat.com

میں جن پیچیدہ مسائل نے سر اُٹھایا ہے ان کا حل طاقت کے استعمال کے بغیر سیاسی طور پر ہی ممکن ہے اور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے"۔ اس پر یحییٰ خاں کا مختصر جواب یہ تھا کہ" پاکستان کسی ملک کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔[19]

پڈگورنی کے مکتوب کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ روس اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی کو ترک کر چکا ہے اور اب ۶۶-۱۹۶۵ء کی طرح مصلح کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ روس اور بھارت کے درمیان دفاعی معاہدے کے بعد روس کی جانبدارانہ پالیسی مزید واضح ہوگئی۔ اس معاہدے کا مسودہ روس نے ۱۹۶۹ء میں ASIAN COLLECTIVE SECURITY کے منصوبے کے سلسلے میں تیار کیا تھا۔[20] ہنری کسنجر کے خفیہ دورہ پیکنگ اور ۱۵ جولائی کو چین امریکہ مفاہمت کے بارے میں نکسن کے ڈرامائی اعلان کے بعد بھارتی خود غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس پیش رفت کے نتیجے میں ایک امریکہ، چین، پاکستان محور وجود میں آچکا ہے۔ ان حالات میں روس ہی وہ واحد عالمی طاقت تھا جو بھارت کو ضروری تحفظ مہیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ بھارت نے ASIAN COLLECTIVE SECURITY SYSTEM کی روسی تجویز پر جسے وہ ۱۹۶۹ء میں مسترد کر چکا تھا صاد کہنے میں ذرا بھی توقف نہ کیا۔ بھارت روس دوستی کا معاہدہ دراصل ASIAN COLLECTIVE SECURITY کی تجویز ہی کا نیا روپ تھا۔[21] معاہدے کی شق نمبر ۹ کے مطابق فریقین میں سے کسی پر بیرونی حملے کی دھمکی کی صورت میں دونوں فریق صورت حال سے نمٹنے کے لئے فوری طور پر باہمی مشاورت کے ذریعے اپنی سالمیت اور امن کے تحفظ کی غرض سے مناسب اور مؤثر اقدام کریں گے۔

---

[19] یحییٰ کا ۱۳ر اپریل کا جواب۔

[20] بحوالہ رابرٹ جیکسن، ص۱۰۔

[21] جے اے نائیک نے اپنی تصنیف انڈیا، ایشیا، چائنا اور بنگلہ دیش میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

Marfat.com

بھارت روس معاہدے کے بعد روسی پریس اور روس نے پاکستان کے خلاف ایک بھرپور پراپیگنڈہ مہم کا آغاز کر دیا۔ تصادم کے آغاز ہی میں روس نے پاکستان کو صورتِ حال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے دھمکی دی کہ روس موجودہ صورتِ حال سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ واقعات جس انداز میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں اس سے روس کی اپنی سلامتی خطرے میں ہے۔ روس نے دوسرے ملکوں کو خبردار کیا کہ وہ جنگ سے باہر رہیں[۲۲]۔ ظاہر ہے کہ اس تنبیہہ کا ہدف چین تھا۔ بحران کے دوران تمام عرصہ روس نے بھارت کا کھل کر ساتھ دیا جبکہ امریکہ نے پاکستان کی صرف "محدود" مدد کی۔

روس کا جانبدارانہ کردار اس کی بین الاقوامی پالیسی کا حصہ تھا۔ روس کا بنیادی مسئلہ چین کی پیش بندی کے لئے اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھا۔ روس کو بحرِ ہند میں بحری اڈے قائم کرنے کا اپنا پرانا خواب رو بہ تعبیر نظر آ رہا تھا۔ تیسرے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد روس کے لئے جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے پاؤں جمانا زیادہ آسان تھا۔ پاک بھارت جنگ میں بھارت روس کے باہمی اتحاد نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ بھارت کے لئے روس کا فوجی اور سفارتی تعاون اور سیکیورٹی کونسل میں اس کے کردار نے بھارت کو ایک بار ایسا سائبان مہیا کر دیا جس نے اُسے مشرقی پاکستان پر کامیاب حملہ کرنے کے لئے مکمل تحفظ مہیا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کو اس حملے کے لئے روس کی پیشگی منظوری اور اس کی رہنمائی دونوں حاصل تھیں[۲۳]۔ بین الاقوامی کالم نگار اینڈرسن کے انکشافات کے مطابق بھارت میں روس کے سفیر نکولائی ایم پیگاف نے ۱۳ دسمبر کو بھارت سے وعدہ کیا کہ روس چین کی توجہ ہٹانے کے لئے اس کے خلاف سنکیانگ میں اقدام کرے گا اور یہ کہ ساتویں

---

[۲۲] "دی ڈیلی ٹیلیگراف" لندن، ۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

[۲۳] "دی سنڈے ٹائمز" لندن، ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء (ملاحظہ ہو ہنری برانڈسن کی رپورٹ)

Marfat.com

بیڑے کو مداخلت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ روس نے بھارت کو ۳۰، ملین ڈالر کی مالیت کے ٹینک، لڑاکا طیارے، میزائل، آبدوزیں، میزائل بردار کشتیاں اور بھاری جنگی سامان بھی فراہم کیا۔[۲۴] نومبر میں روسی سامان بردار جہازوں کے ذریعے جدید ترین اسلحہ اور سام میزائلوں کی ایک بہت بڑی کھیپ روسی ماہرین کی معیت میں بھارت پہنچی۔[۲۵] اس کے بعد بھی بھارت کو مزید ٹینک، مگ طیارول راکٹوں اور جنگی طیاروں کی فراہمی کا سلسلہ جاری رہا۔ روسی ہوابازوں کو جنگ کے دوران بھارت کے جنگی طیارے اڑاتے دیکھا گیا۔ اس طرح بھارتی میزائل بردار کشتیوں پر روسی فوجیوں کی تعیناتی کی اطلاعات بھی منظر عام پر آئیں۔[۲۶] روس نے مگ ۲۱ اور ٹی یو ۱۶ ار بمبار طیاروں کی مصر سے بھارت میں منتقلی پر بھی رضامندی کا اظہار کیا۔[۲۷]

سلامتی کونسل میں بھی روس کا پاکستان کے ساتھ رویہ معاندانہ تھا۔ وہ جنگ بندی کی قراردادوں میں اس وقت تک رکاوٹیں ڈالتا رہا جب تک مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوجوں نے ہتھیار نہ ڈال دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ سلامتی کونسل میں روسی نمائندے نے بھارتی نمائندے سے دریافت کیا تھا کہ وہ ڈھاکہ تک پہنچنے میں کتنا وقت لیں گے۔[۲۸] روس کو جنگ میں بھارتی پیش رفت کی سست روی پر اتنی تشویش تھی کہ اس نے صورتِ حال کی مکمل آگاہی کے لئے اپنے فرسٹ ڈپٹی وزیر خارجہ کو بھارت بھیجا جہاں وہ جلد ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ" پاکستانی فوجیں اپنا

---

۲۴ امریکی کانگرس میں صدر نکسن کی خارجہ پالیسی کے بارے میں رپورٹ، ۹ فروری ۱۹۷۱ء

۲۵ "دی ٹائمز" لندن ۹ نومبر ۱۹۷۱ء

۲۶ "ڈان" ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سوویت یونین نے اس الزام کی تردید کی مگر پاکستانی فضائیہ کے سربراہ نے ایک پریس کانفرنس میں اس الزام کا اعادہ کیا۔ ملاحظہ ہو" دی ٹیلیگراف لندن ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء

۲۷ "دی نیویارک ٹائمز" ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء مزید ملاحظہ ہو" دی ہیرالڈ ٹریبیون" پیرس، ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء

۲۸ سیکیورٹی کونسل میں موجود ایک اعلیٰ سرکاری اہلکار سے انٹرویو۔

Marfat.com

حوصلہ ہار چکی ہیں اور وہ آئندہ تین یا چار روز میں ہتھیار پھینک دیں گی۔"[۲۹] حالات نے ثابت کر دیا کہ روس پر بنگلہ دیش کی فوج کے ڈرامے کا حقیقی ڈائریکٹر ہونے کا الزام بالکل بجا تھا۔[۳۰]

امریکہ سرد جنگ کے عرصے کے دوران امریکی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد کمیونزم کے بڑھتے ہوتے خطرات کو روکنا تھا۔ جبکہ جنوب مشرقی اقوام بین الاقوامی معاملات کو کسی اور نقطۂ نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ ان اقوام کی تشویش کا مرکز کمیونزم سے بڑھ کر نو آبادیاتی نظام تھا۔ نقطۂ نظر کے اس تفاوت کے باوجود امریکہ نے اپنے بین الاقوامی مقاصد کے پیشِ نظر جنوب ایشیا کی ابھرتی ہوئی جمہوری ریاستوں کو اقتصادی امداد فراہم کی۔[۳۱] چنانچہ بھارت غیر وابستگی کی تحریک کا حامی ہونے کے باوجود امریکہ سے معتدبہ امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

پاکستان کا برسر اقتدار طبقہ مختلف وجوہ کی بنا پر مغرب نواز رجحانات کا حامل تھا۔ کمیونزم کے لادینی نظام کے خلاف مسلمانوں کی فطری نفرت کے نتیجے میں پاکستان نے نظریاتی طور پر خود کو مغرب سے قریب تر محسوس کیا۔ مثالاً پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن فضل الرحمان کے بقول "پاکستان نظریاتی طور پر مغرب سے قریب ہے۔ یہاں کمیونزم کبھی نہیں آسکتا۔"[۳۲]

پاکستان میں امریکی دلچسپی کا آغاز جنوب مشرقی ایشیا، مشرقِ وسطیٰ اور اس کے اہم جغرافیائی محلِ وقوع کا مرہونِ منت ہے۔ امریکیوں کے نزدیک پاکستان سے کمیونزم کے خلاف ایک

---

۲۹ بحوالہ کلدیپ نیر ص ۱۸۱

۳۰ "ڈان" کراچی ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

31. Documents on International Affairs 1950 (London: Royal Institute of International Affairs) pp. 25-28.

۳۲ دی نیویارک ٹائمز، ۱۵ اکتوبر، ۱۹۴۹ء

Marfat.com

مضبوط بند کا کام لیا جا سکتا ہے۔[۳۳] پاکستان کی دفاعی ضروریات نے اسے امریکہ کے ایما پر قائم ہونے والے معاہدوں سیٹو (ستمبر ۱۹۵۴ء) اور سینٹو (جولائی ۱۹۵۵ء) میں شمولیت پر مجبور کر دیا۔ اس طرح پاکستان کو امریکہ کے معتمد ترین حلیف کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ان معاہدوں نے پاکستان کو اپنی دفاعی ضروریات پورا کرنے میں بے حد مدد کی۔ مگر اس کی قیمت اُسے روس اور عرب ممالک کی ناراضگی کی شکل میں ادا کرنی پڑی۔ اُدھر امریکہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کی حمایت میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس ضمن میں کوئی سخت موقف اختیار کر کے بھارت کی مکمل دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی ناکامی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اپنی تمام کشتیاں جلانے اور امریکہ پر مکمل بھروسہ کرنے کے باوجود پاکستان کو کشمیر کے مسئلے پر امریکی حمایت نہ مل سکی۔ دوسری طرف بھارت کسی قسم کے تحفظات کی یقین دہانی کے بغیر روسی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں جنوب مشرقی ایشیا کے بارے میں امریکی پالیسی میں تبدیلی کے نتیجے میں صدر کینیڈی کی حکومت نے پاکستان کے سلسلے میں نسبتاً بہتر رویہ اختیار کیا۔ ایوب خان کے دورہ امریکہ کے دوران صدر کینیڈی نے انہیں یقین دلایا کہ بھارت کے لئے فوجی امداد کے سوال پر پاکستان سے پیشگی مشورہ کیا جائے گا۔[۳۴] لیکن چین بھارت سرحدی جھڑپوں کے دوران تمام مغربی طاقتوں نے بھارت کو پاکستان کے اس احتجاج کے باوجود بڑے پیمانے پر فوجی امداد فراہم کی کہ یہ امداد بالآخر پاکستان کے خلاف استعمال کی جائے گی۔[۳۵] ۱۹۶۵ء تک بھارت کے لئے امریکہ کی مسلسل حمایت کے نتیجے میں امریکہ نے بھارت اور پاکستان دونوں

---

33. Documents on International Affairs, 1953.

۳۴۔ "ڈان" ۲۰ جولائی ۱۹۶۱ء، مزید ملاحظہ ہو ایم ایوب خان "فرینڈز ناٹ ماسٹرز"۔

35. Z.A. Bhutto, The Myth of Independence, pp. 62-138.

Marfat.com

کی فوجی امداد بند کر دی۔ یہ فیصلہ دراصل پاکستان کو چین کے ساتھ اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی سزا دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ امریکہ کے اس اقدام نے پاکستان کو جس کا مکمل انحصار امریکی اسلحہ کی فراہمی پر تھا غیر معمولی نقصان پہنچایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات خراب ہوتے چلے گئے اور پاکستانیوں نے الزام عائد کیا کہ امریکہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔[۳۶]

مغرب کی طرف سے بڑھتی ہوئی مایوسی اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں ناکامی نے پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ صورتِ حال کے محتاط تجزیے کے بعد پاکستان نے دو طرفہ تعلقات کی پالیسی کا انتخاب کیا اور سیٹو اور سینٹو سے دور ہوتا چلا گیا۔ پاکستان کی اختیار کردہ نئی خارجہ پالیسی اور پاکستان میں امریکہ کی دلچسپی میں بتدریج کمی نے دونوں ملکوں کے تعلقات میں کشیدگی کی بنا ڈالی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے پاکستان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ امریکی دفاعی معاہدہ میں اس کی شمولیت بے فائدہ ہے چنانچہ ۶۶-۱۹۶۵ء میں پاک امریکہ تعلقات سرد مہری کا شکار رہے۔

۱۹۶۸ء میں نکسن کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد پاک امریکہ تعلقات میں بہتری کی صورتِ حال دکھائی دینے لگی۔ اقوامِ متحدہ کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر یحییٰ خان کے دورہَ امریکہ کے دوران صدر نکسن نے ان سے کہا کہ "وہائٹ ہاؤس میں ان سے بڑھ کر پاکستان کو دوست رکھنے والا صدر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"[۳۷] نکسن نے جنوبی ایشیا کے بارے میں اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد "دست نگری" کی بجائے خود انحصاری کی حوصلہ افزائی پر رکھی۔[۳۸] ویت نام سے امریکی فوجوں

---

36. G.W. Choudhury, India, Pakistan, Bangladesh and Major Powers, p. 108.

۳۷۔ ایضاً۔ ص ۱۴۳

38. U.S. Foreign Policy for the 1970's — A New Strategy for Peace.

Marfat.com

کی واپسی کے ساتھ سامنے آنے والا نکسن کا یہ نظریہ امریکہ کی اس نئی حکمتِ عملی کا مظہر تھا جس کا مقصد کسی بڑے تنازعہ میں ملوث ہوئے بغیر اقتصادی اور فوجی امداد کے ذریعے اپنے حلیفوں سے دوستی کے تقاضے نبھانا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں عالمی سیاست میں نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ بدلے ہوئے حالات میں امریکہ نے چین کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کی۔ اس ضمن میں پاکستان سے زیادہ موثر کردار کون ادا کر سکتا تھا؟ یحییٰ خان کے دورے کے دوران نکسن کے جس بیان کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اسے اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیئے۔ بعد ازاں یہ امر مزید واضح ہو گیا کہ امریکہ چین کے ساتھ مصالحت کی کوششوں میں
پاکستان کو استعمال کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ نکسن کا یہ بیان ممکنہ بحران میں پاکستان کی مدد کی ٹھوس ضمانت نہیں تھا۔

جب نومبر ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت تصادم کا آغاز ہوا تو پاکستان نے دفاعی معاہدوں کے حوالے سے امریکی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر امریکہ نے یہ کہہ کر امداد سے انکار کر دیا کہ ان معاہدوں کا مقصد صرف کمیونسٹ طاقتوں کے خلاف تحفظ فراہم کرنا ہے۔[۳۹] پیشتر ازیں اندرا کے دورۂ امریکہ کے دوران انہیں یہ یقین دہانی کرا چکے تھے کہ امریکہ پاکستان کو دی جانے والی ہر طرح کی فوجی امداد بند کر دے گا۔[۴۰] حالانکہ روس ہندوستان میں اسلحے کے انبار لگا رہا تھا۔ پاکستان میں نکسن کی اس یقین دہانی کو ایک غیر دوستانہ اقدام تصور کیا گیا۔ تاہم نکسن ذاتی طور پر بعض وجوہ کی بنا پر پاکستان کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ کسنجر انہیں چین کے ساتھ اپنے خفیہ رابطے کے دوران یحییٰ خان کی گراں بہا خدمات سے آگاہ کر چکے تھے۔ علاوہ ازیں نکسن یحییٰ خان کو پسند اور مسز گاندھی کو ناپسند کرتے تھے۔[۴۱] جیک اینڈرسن کے مطابق ہنری کسنجر نے پاک بھارت کے بحران

39. Keesings, op. cit., p. 25071.

۴۰۔ ایضاً ص ۲۵۰۹۳

41. Marvin Kalb and Bernard Kalb, Kissinger, p. 258.

Marfat.com

کے دوران انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں سے کہا تھا کہ "صدر نکسن دونوں فریقوں سے یکساں سلوک کے خواہش مند نہیں ہیں. صدر کے نزدیک بھارت کی حیثیت حملہ آور کی ہے۔" امریکہ نے اقوام متحدہ میں بھی بھارت کو جارح قرار دیا. اقوام متحدہ میں امریکی سفیر جارج بُش کے الفاظ میں "بحران کی بنیادی ذمہ داری بھارت پر عائد ہوتی ہے۔"[۴۲] لیکن پاکستان کے بارے میں نکسن کا التفاتی موقف امریکہ کی پاکستان مخالف رائے عامہ کے سامنے بار آور نہ ہوسکا.[۴۳]

۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران پاکستان کے بارے میں امریکی پالیسی کی تشکیل میں کئی اور عوامل نے بھی حصہ لیا. امریکہ کو جنوب ایشیا میں اپنے دور رس مقاصد کا پورا احساس تھا جن کے حصول کے لئے ایک ایسی پالیسی ضروری تھی جو پاکستان، چین اور امریکہ کے ایک غیر روایتی رابطے کے ذریعے بھارت اور روس کے فروغ پذیر اتحاد کا سدِ باب کر سکے۔[۴۴] کسنجر نے اِن خدشات کا اظہار بھی کیا کہ اگر پاکستان بھارت کے ہاتھوں ٹوٹ گیا تو برصغیر پر بھارت کا مکمل غلبہ ہوگا، روسی اثرات اپنے عروج پر پہنچ جائیں گے. طاقت کا توازن تباہ ہو جائے گا، چین خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرے گا. اور علاقے کے ایک بڑی جنگ کی آماجگاہ بننے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔[۴۵] بنابریں ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران امریکہ نے پاکستان کی حمایت کا موقف اختیار کیا. مگر پاکستان کے لئے امریکی حمایت کا یہ موقف کوئی عملی تشکل اختیار نہ کر سکا.

نکسن نے برصغیر میں جنگ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی. سب سے پہلے اس نے

---

۴۲ یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

۴۳ "نیوز ویک" ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱۰

44. Marvin Kalb and Bernard Kalb, op. cit., p. 258.

۴۵ ایضاً

Marfat.com

حکومت پاکستان سے یقین دہانی حاصل کی کہ مجیب الرحمٰن کو پھانسی نہیں دی جائے گی[۴۶]۔ دوسرے اس نے یحییٰ خان کو اس امر پر رضامند کیا کہ سمجھوتے کے لئے مذاکرات کی فضا کو بہتر بنانے کی غرض سے مشرقی پاکستان میں سول حکومت بحال کر دی جائے۔ مشرقی پاکستان میں ٹکا خان کی جگہ ڈاکٹر اے۔ ایم مالک کی تعیناتی، سول کابینہ کی حلف برداری اور عام معافی کے پس پشت واشنگٹن کا مشورہ ہی کارفرما تھا۔ حقیقت یہ ہے اس تمام بحران کے دوران پاکستان کی پالیسی عام طور پر امریکی حکومت کی طرف سے طے کی گئی[۴۷]۔ تیسرے نکسن نے یحییٰ خان کو سیاسی سمجھوتے پر آمادہ کرنے کے لئے غیر معمولی مساعی سے کام لیا۔ کئی دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد یحییٰ خان اور کلکتہ میں موجود بنگالی لیڈروں کے درمیان خفیہ مذاکرات کا اہتمام کیا گیا[۴۸] اور یحییٰ خان نے وعدہ کیا کہ دسمبر کے اختتام تک سول حکومت بحال کر دی جائیگی۔ بھارت کو اس صورتِ حال سے مسلسل آگاہ رکھا گیا۔ یہ مذاکرات امریکی سفارت کاروں کی معرفت اطمینان بخش طور پر آگے بڑھ رہے تھے۔ اور کسنجر کا خیال تھا کہ انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے[۴۹]۔ یہاں تک کہ ایک پانچ نکاتی امن پروگرام تیار ہو چکا تھا۔ جس کے تحت مجیب الرحمٰن کی رہائی عمل میں آنی تھی اور اس امر پر ریفرنڈم ہونا تھا کہ بنگالی آزاد ملک چاہتے ہیں یا متحدہ پاکستان[۵۰]۔ دوسری طرف سیاسی سمجھوتے کے لئے اندرا کے بلند بانگ

۴۶۔ کانگریس میں صدر نکسن کی خارجہ پالیسی پر تیسری سالانہ رپورٹ ۹ فروری ۱۹۷۲ء

۴۷۔ تفصیلات کے لئے۔ ایضاً

۴۸۔ ایضاً

49. Marvin Kalb and Barnard Kalb, op. cit., p. 258. Also see Times (Magazine), 20 December 1971.

۵۰۔ بحوالہ جی ڈبلیو چوہدری ص ۱۹۷ - ۹۹.

مطالبات کی حیثیت بیان بازی سے زیادہ نہ تھی۔ ایک مثالی بھارتی قوم پرست کی طرح اس کا مقصد بھی پاکستان کو فوجی شکست سے دوچار کرنا تھا۔ وہ بنگلہ دیش کے بارے میں اپنے حقیقی موقف کا اظہار جون ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کر چکی تھی۔ انہوں نے صاف کہا تھا کہ "کیا کوئی ایک لمحے کے لئے بھی تصور کر سکتا ہے کہ ہمارے لئے کسی ایسے سیاسی حل کو تسلیم کرنا ممکن ہے جس کا مقصد بنگلہ دیش کی موت ہو یا جس کا مقصد جمہوریت یا اپنے حقوق کے لئے لڑنے والوں کا خاتمہ ہو۔ بھارت کبھی بھی ایسے حل کو تسلیم نہیں کرے گا۔"[51] اندرا کا یہ بیان بھارت کی بنیادی پالیسی کا عکاس تھا۔ مسئلے کے سیاسی حل کو مسترد کرتے ہوئے اندرا نے کھلے بندوں طاقت کے استعمال کی طرف اشارہ کیا تھا۔

دوسری طرف یحیٰی خان پر یہ تنقید کی جا رہی تھی کہ وہ امریکی دباؤ کے تحت سیاسی سمجھوتے پر رضامند ہونے کے باوجود اس ضمن میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ یحیٰی خان نے ان مصدقہ اطلاعات کے علی الرغم کہ بھارت موسم سرما میں پاکستان پر بھرپور حملہ کر دے گا، سیاسی سمجھوتے کے ضمن میں کوئی پیش رفت نہ کی۔[52] اگر وہ سمجھوتے کے بارے میں مخلص ہوتے تو بھارتی حملے سے پہلے ہی معاملے کا کوئی حل تلاش کیا جا سکتا تھا۔ سیاسی سمجھوتے میں یحیٰی خان کی عدم دلچسپی کا ثبوت رابرٹ جیکسن کے بیان سے بھی ملتا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ نے عوامی لیگ کے جلاوطن لیڈروں اور یحیٰی خان کے دوران رابطہ کرانے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ چنانچہ مجیب کے وکیل صفائی مسٹر اے۔ کے بروہی

---

51. Bangladesh Documents, I, p. 685.

۵۲۔ ایک اعلیٰ آرمی افسر نے اس امر کی تصدیق کی کہ انہیں جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنے خفیہ ذرائع سے بھارت کے جنگی پلان کی نقل موصول ہو چکی تھی۔

Marfat.com

سے درخواست کی گئی کہ وہ مجیب الرحمٰن سے دریافت کریں کہ صدر یحیٰی کے ساتھ مذاکرات میں کون سے عوامی لیگی لیڈر شریک ہوں گے۔[۵۳] اس منصوبے کی کامیابی کے لئے یحیٰی خان کی رضامندی ضروری تھی۔ مگر یحیٰی خان نے فارلینڈ امریکی سفیر کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ مسٹر بروہی مبینہ طور پر اُن سے ملنے سے گریزاں ہیں۔[۵۴] بھارت کی طرف سے امن منصوبے کو تسلیم کرنے سے انکار اور سیاسی سمجھوتے کو سبوتاژ کرنے کے لئے اس کی مساعی نے امریکی انتظامیہ کو ناراض کر دیا۔ کیونکہ اس سے پیشتر اندرا اپنے دورۂ واشنگٹن کے دوران صدر کو یقین دہانی کرا چکی تھی کہ بھارت جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔[۵۵] بھارتی حملے نے امریکیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ دورۂ امریکہ در اصل اپنی وسیع جنگی تیاریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش تھی۔[۵۶] بحرِ ہند میں ساتویں بیڑے کی آمد کی ایک بڑی وجہ امریکہ کی یہی سوچ تھی۔

پاکستان میں ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر موجود رہے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انٹرپرائزز کی آمد کا مقصد پاکستانی یا امریکی شہریوں کا انخلاء تھا اور نہ ہی امریکہ اس بیڑے کے ذریعے سقوطِ مشرقی پاکستان روکنے کے لئے اسلحہ فراہم کرنا چاہتا تھا۔ ہنری کسنجر خود اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ امریکہ مشرقی بنگال کے لئے سیاسی خود مختاری کے حق میں تھا۔[۵۷] اور یہ کہ "اب کچھ بھی ہو مشرقی پاکستان

---

53. Robert Jackson, op. cit. p. 98.

۵۴ ایضاً۔ ص ۹۹

۵۵ دی ٹائمز میگزین، ۲۰ دسمبر ص ۱۲

۵۶ ایضاً

57. Marvin Kalb and Bernard Kalb, op. cit., p. 259.

Marfat.com

کا جانا اٹل ہے۔"[۵۸] چنانچہ اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بنگال میں علیحدگی کی تحریک کو امریکہ کی پوری ہمدردی حاصل تھی۔ اور وہ پاکستانی فوج کی شکست میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دراصل اس کی حکمتِ عملی کا مقصد اپنے مخصوص مفادات کے حصول اور علاقے میں بھارت یا روس کی بالادستی کے خطرے کے پیشِ نظر مغربی پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانا تھا۔

ساتویں جنگی بیڑے کے اقدام کی بڑی وجہ سی۔ آئی۔ اے کی ۹ نومبر کی وہ رپورٹ تھی جس کے مطابق بھارتی کابینہ نے "مغربی پاکستان کی سرحدوں کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دینے اور پاکستانی افواج کو تباہ کرنے" کے منصوبے پر غور کیا تھا۔[۵۹] اس رپورٹ نے بھارت کے عزائم کے بارے میں کسنجر کے شکوک کی توثیق کر دی اور انہوں نے "صدر کو آنے والے بحران کے بارے میں اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔ نکسن نے فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کو بچانے کے لئے براہِ راست فوجی مداخلت کے علاوہ ہر ممکن اقدام کیا جائے گا۔"[۶۰] امریکہ کے معروف صحافی جوزف ایلسپ نے بھی اس امر کی توثیق کی ہے کہ جنگ بندی کے موقع پر امریکہ کو اس امر کی مصدقہ اطلاعات فراہم ہو چکی تھیں کہ بھارتی حکومت پاکستان کے بچے کھچے مغربی نصف کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔[۶۱] اگرچہ سرکاری سطح پر ساتویں بیڑے کی روانگی کا جواز یہ پیش کیا گیا تھا کہ ڈھاکے سے امریکی شہریوں کے انخلاء کے لئے اس کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ ڈھاکہ چھوڑنے کے خواہاں زیادہ تر

---

۵۸ ایضاً۔ ص ۲۶۰

۵۹ ایضاً

۶۰ ایضاً

۶۱ "دی نیویارک ٹائمز" یکم جنوری ۱۹۷۲ء

Marfat.com

غیر ملکیوں کو تین برطانوی مسافر طیاروں سے اسی روز ...... نکال لیا گیا تھا جس روز ساتواں بیڑا بحر ہند کے لئے روانہ ہوا تھا۔[۶۲] نیوز ویک نے صورتِ حال کا صحیح پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "شروع ہی سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ بیڑے کی روانگی کا مقصد بھارت کے خلاف جنگ میں پاکستان کے لئے علامتی حمائت کا اظہار تھا یا پھر اس سے بڑھ کر بھارت کے بعض جنگی طیاروں اور بحری جہازوں کو پاکستان کے خلاف کارروائی سے روکنا تھا۔ بظاہر اس اقدام کا حقیقی مقصد بحر ہند میں روس کی بحریہ کی بڑھتی ہوئی موجودگی کا سدِ باب کرنا تھا۔"[۶۳] اینڈرسن نے ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کے درج ذیل مقاصد بیان کئے ہیں:-

۱۔ بھارتی جنگی طیاروں اور بحری جہازوں کی توجہ اصل مقصد سے ہٹا کر بیڑے کی طرف مبذول کرنا۔

۲۔ مغربی پاکستان کے خلاف بھارتی ناکہ بندی کو کمزور کرنا۔

۳۔ بھارت کے طیارہ بردار جہاز "وکرنت" کے راستے میں تبدیلی۔

۴۔ پاکستان کی بری افواج پر فضائی حملوں کے امکانات کو کم کرنے کے لئے بھارت کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ اپنے طیاروں کو دفاعی پوزیشن میں لے آئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ بعد میں پینٹاگون (امریکی فوجی ہیڈکوارٹر) کے ذرائع نے انکشاف کیا کہ امریکی بحری بیڑہ جنگی علاقے سے گیارہ سو میل دور ٹھہرا رہا۔[۶۴] آج بھی کئی پاکستانیوں کا خیال ہے کہ ساتواں بیڑہ پاکستانی فوجوں کے انخلا کے لئے بھیجا گیا تھا۔ مگر

۶۲؎ ویکلی ٹائمز، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء، ص ۶

۶۳؎ "نیوز ویک" ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱۲

۶۴؎ "دی نیو یارک ٹائمز" یکم جنوری ۱۹۷۲ء

Marfat.com

فوج نے اس کی آمد سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ اس تاثر کی بنیاد اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے نام جنرل فرمان کا وہ خط تھا جس میں انہوں نے جنگ بندی اور پاکستانی افواج کی واپسی کی تجویز پیش کی تھی[۶۵] ساتویں بیڑے کی نقل و حرکت کی اطلاع ملنے پر یحییٰ خان نے گیارہ دسمبر کو اس تجویز پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل نیازی کو ایک پیغام میں (جس تک بھارتی فوج کی رسائی ہوگئی تھی) یقین دہانی کرائی کہ امریکہ اور چین پاکستان کو بچانے کے لئے مداخلت کریں گے۔[۶۶] یحییٰ خان نے جنرل فرمان کی معرفت جو پیش کش کی تھی اس کی واپسی کے سبب کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم کلدیپ نیر کا کہنا ہے کہ یحییٰ خان نے اپنی پیش کش اس وقت واپس لے لی جب بھٹو نے انہیں بتایا کہ امریکہ کے ساتویں بیڑے کی مداخلت فوری طور پر متوقع ہے۔ یہاں تک کہ ۱۴ دسمبر کو بھٹو نے یحییٰ خان کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ "امریکی بیڑا جلد مداخلت کرنے والا ہے لہٰذا جنگ جاری رکھی جائے"۔[۶۷] تاہم اس نقطۂ نظر کی توثیق ممکن نہیں۔

اب تک منظرِ عام پر آنے والے شواہد کے مطابق چین یا امریکہ دونوں میں سے کسی نے بھی پاکستان کو ایسی یقین دہانی نہیں کرائی تھی[۶۸] اور یہ داستان کہ یحییٰ خان کا پیغام بھارتی فوج کے ہاتھ لگ گیا تھا، حقیقت سے دور دکھائی دیتی ہے۔ ۱۰ دسمبر کو جنرل فرمان نے اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک خط لکھا۔ ظاہر ہے کہ یہ خط یحییٰ خان کے حکم پر لکھا گیا تھا اور اسی روز امریکہ کا ساتواں بیڑہ خلیج بنگال کیلئے روانہ ہوا۔ گیارہ دسمبر

---

65. Keesings, op. cit., 29 January – 5 February 1972.

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ بحوالہ کلدیپ نیر ص ۱۸۸

68. strategic Survey, London, 1971, p. 47.

کو پاکستانی ترجمان نے انکشاف کیا کہ پاکستان نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنا پیمان نبھاتے ہوئے پاکستان کی مدد کرے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا اشارہ ۱۹۵۹ء کے دفاعی معاہدے کی طرف تھا۔ امریکہ نے اس امر سے انکار کیا کہ وہ ۱۹۵۹ء کے معاہدے کے تحت پاکستان کی مدد کرنے کا پابند ہے۔ امریکہ کا کہنا تھا کہ وہ کئی مواقع پر واضح کر چکا ہے کہ "یہ سمجھوتہ صرف کمیونسٹ جارحیت کی صورت میں کار آمد ہے۔"[69] ساتواں بیڑا ۱۵ دسمبر کو خلیج بنگال میں داخل ہوا اور ۱۶ دسمبر کو پاکستانی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اگر امریکہ کا مداخلت کا کوئی بھی منصوبہ ہوتا تو وہ اس پر پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے سے پہلے عمل کر سکتا تھا۔ مگر صورتِ حال میں مضمر ممکنہ خطرات اُس کے سامنے تھے۔ کیونکہ ۱۶ دسمبر کو روس نے اپنے بیڑے کی یونٹوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ ساتویں بیڑے کی سرگرمیوں کے مقابلے کے لئے خلیج بنگال میں داخل ہو جائیں۔[70] امریکہ پاکستان کی مدد کے شوق میں کسی بڑی جنگ کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ یہ امر مسلمہ ہے کہ امریکہ کبھی بھی پاک ہند جنگ میں خود کو ملوث کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس موقعے پر امریکہ سے واحد توقع یہ کی جا سکتی تھی کہ وہ بھارت اور پاکستان میں کسی سمجھوتے کی صورت میں ساتویں بیڑے کے ذریعے پاکستان کی فوجوں کے انخلاء کا بندوبست کر دیتا۔ کیونکہ جنرل نیازی نے ۱۵ دسمبر کو جنگ بندی کی پیشکش میں ہتھیار ڈالے بغیر ساتویں بیڑے کے ذریعے فوجیوں کی واپسی کی شرط عائد کی تھی۔[71] چنانچہ ساتویں بیڑے کے بارے میں پاکستانی عوام کی رائے بے بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں امریکہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ اگر پاکستان فوری شکست سے بچ بھی گیا تو

---

69. Keesings, op. cit., p. 25071.

۷۰ ایضاً۔ ص ۲۵۰۷۰

۷۱ ایضاً۔ ص ۲۵۰۷۲

اس کا نظام ترسیل ایک یا دو ہفتے سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتا۔[۷۲] اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اگر نکسن پاکستانی فوج کے انخلا کے بارے میں مدد دینا چاہتے تھے تو انہیں بروقت اقدام کرنا چاہیئے تھا۔

ڈاکٹر کسنجر کی نگرانی میں ہونے والے واشنگٹن سپیشل گروپ کی کارروائی سے بھی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ ساتویں جنگی بیڑے کی روانگی کا مقصد صرف مغربی پاکستان کو بچانا تھا۔ یہ کارروائی پاک بھارت جنگ کے ضمن میں امریکی نقطۂ نظر پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے اور اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ اس جنگ کے دوران امریکی مساعی کا مقصد "بھارت کو مغربی پاکستان کے خاتمے سے باز رکھنا تھا۔[۷۳] تاہم امریکہ کی حمایت کا علامتی اظہار مشرقی محاذ پر پاکستان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ تاہم امریکہ اس طرح مغربی پاکستان کو بھارتی فوجوں کی پیش قدمی سے بچانے میں یقیناً کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ بعض بھارتی مصنفین کا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ" ہمارا مغربی پاکستان کی تباہی کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور ہم نے خواب میں بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا"۔[۷۴] تاہم ایک ممتاز اور باخبر بھارتی صحافی نے اعتراف کیا ہے کہ "اس امر کا امکان تھا کہ بھارت کشمیر کا زیادہ سے زیادہ حصہ پاکستان سے چھیننے کی کوشش کرتا۔ بعض فوجی مبصرین نے گلگت پر حملے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔"[۷۵] کون کہہ سکتا ہے کہ بھارت صرف آزاد کشمیر پر قبضہ کر لینے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا؟ کسنجر کا یہ دعویٰ بالکل بجا ہے کہ

---

[۷۲] ہنری کسنجر کے زیرِ اہتمام واشنگٹن سپیشل ایکشن گروپ کے اجلاس کی کارروائی سے اقتباسات، بحوالہ نیوز ویک، ۱۷ جنوری ۱۹۷۲ء، ص۱۔

[۷۳] "دی انڈین ایکسپریس" ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

74. G.S. Bhargave, op. cit., p. 89.

[۷۵] ایضاً ص ۹

ماسکو اور دہلی کا مغربی پاکستان کو توڑنے سے روکنے کا کارنامہ انہوں نے سرانجام دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ "امریکی دھمکی کے نتیجے میں روس بھارت پر دباؤ ڈالنے پر مجبور ہوگیا اور یوں جنگ بندی ممکن ہو سکی"۔[76] "بلاشبہ کسنجر کی ڈپلومیٹک چالوں اور وائٹ ہاؤس کے مظاہرہ قوت نے امریکہ کے ایک پرانے حلیف اور چین کے دوست ملک کو تباہی سے بچا لیا اور یوں اس خطۂ ارض میں امریکہ کے مفادات کو مزید تقویت ملی۔"[77]

ملکی اور غیر ملکی پریس کے ایک حصے نے ساتویں بحری بیڑے کی آمد کو ایک بے معنی اقدام قرار دیا اور کہا کہ امریکہ کی اس بے سود مشق کا نتیجہ پاکستانی عوام کی مایوسی اور بھارتیوں کی ناراضگی کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ "دی سپکٹیٹر" نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ "ساتویں بیڑے کی روانگی ایک لغوترین اقدام تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ امریکہ کو اس بیڑے سے کوئی کام لینا مقصود نہیں تھا۔ امریکہ نے پاکستانیوں کے لئے اپنی مدد کے بالواسطہ وعدے کو عملی شکل نہ دی۔ دراصل میں پاکستان کو مزید رنجیدہ کر دیا۔"[78] اس تنقید کا کوئی ٹھوس جواز موجود نہیں کیونکہ ساتواں جنگی بیڑہ جس مقصد کے لئے بھیجا گیا وہ باآسانی حاصل کر لیا گیا تھا۔ اگر امریکہ اس جنگی بیڑے کو حرکت نہ دیتا تو ہو سکتا ہے کہ حالات مختلف شکل اختیار کر لیتے۔

روس اپنے بحری بیڑے کو خلیج بنگال میں داخل ہونے کا حکم دے چکا تھا۔ امریکہ جو کہ پہلے ہی ویت نام میں بری طرح الجھا ہوا تھا، پاکستانیوں کی توقعات کے برعکس روس سے براہ راست تصادم کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔ پاکستانیوں کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا کہ امریکہ کی مساعی کا مقصد مغربی محاذ پر جنگ بندی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ بعض مبصرین کے مطابق امریکہ کا رویہ روس کیساتھ

76. Marvin Kalb and Bernard Kalb, op. cit., p. 262.

۷۷ ایضاً، ص ۲۶۲-۲۶

78. The Spectator, 25 December 1971, p. 924.

Marfat.com

کسی خفیہ سمجھوتے کی نشاندہی کرتا تھا۔ ایک بھارتی مصنف کے مطابق "یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بڑی طاقتوں کی سیاست کا نشانہ بن گیا۔ امریکہ نے شمالی ویت نام کی بخوبی ناکہ بندی کے عوض روس کو بنگلہ دیش میں مطلوبہ رعایت دے دی۔ چنانچہ بنگلہ دیش میں اُسے امریکی قوت کا مقابلہ کرنا پڑا اور یوں اس کا وقار قائم رہا۔ اس طرح شمالی ویت نام میں امریکہ، روس کے ساتھ کھلے تصادم سے محفوظ رہا۔[۷۹]" تاہم یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس نقطۂ نظر میں صداقت کا عنصر کتنا ہے۔

چین

۱۹۶۰ء میں پاکستان اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ جنرل اے۔ ایم رضا کو چین میں پاکستان کا پہلا سفیر مقرر کیا گیا۔ اگرچہ کمیونسٹ اصطلاح میں پاکستان "سامراجی کیمپ" کا رکن تھا مگر چین نے پاکستان کے ساتھ مراسم نبھانے میں ہمیشہ نہایت دانشمندی کا ثبوت دیا۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں جب چین کی رکنیت کا مسئلہ پہلی دفعہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا تو پاکستان نے اس کی حمایت کی۔ بعد ازاں امریکی دباؤ کے زیرِ اثر پاکستان کی حکمتِ عملی میں تبدیلی آگئی اور ۶۰-۱۹۵۵ء کے دوران چین کی رکنیت کو موخر کرنے کے لئے امریکی مساعی کو پاکستان کی حمایت حاصل رہی۔ اس مسئلہ پر پاکستان کے متزلزل رویے کے باوجود چین پاکستان تعلقات کبھی بھی غیر معمولی کشیدگی کا شکار نہ ہوئے۔ ۵۰ء کے عشرے میں بھارت اور چین قریبی تعلقات میں منسلک رہے۔ ان تعلقات کو ۱۹۵۷ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والے تجارتی سمجھوتے سے مزید فروغ ملا۔ یہ تمام عرصہ پاکستان اور چین کے درمیان سرسری تعلقات کا دور تھا۔ تاہم ۱۹۵۵ء میں بنڈونگ کانفرنس میں پاکستانی وزیرِ خارجہ محمد علی بوگرہ اور چین کے وزیرِ اعظم چو این لائی کے درمیان نتیجہ خیز ملاقات ہوئی۔ جس میں محمد علی بوگرہ نے چینی وزیرِ اعظم کو امریکہ سے اتحاد کے بعد پاکستان کی صورتحال

---

79 Arun Bhattacharjee, op. cit., p. 208.

کی حقیقی تصویر پیش کی۔ یاد رہے کہ چین اور پاکستان کے درمیان تعلقات کی نوعیت کبھی بھی غیر معمولی طور پر خراب نہیں رہی اور اس نے کبھی بھی روس کی طرح کشمیر یا پختونستان کے مسائل پر پاکستان دشمن رویہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ تھا وہ پس منظر جب ۶۰ء کے عشرے میں چین اور پاکستان کے درمیان گہرے دوطرفہ تعلقات کے شاندار دور کا آغاز ہوا ۱۹۶۲ء میں چین اور بھارت کی سرحدی جھڑپوں نے جنوب ایشیا کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ اس تصادم نے بھارت کے لئے امریکہ کی طرف سے غیر معمولی فوجی امداد کا راستہ کھول دیا۔ بھارت اور امریکہ کے تجدید تعلقات کے اس دور میں پاکستان خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا۔ مزید برآں مسئلہ کشمیر کے حل پر دباؤ ڈالنے کا امریکی وعدہ پورا نہ کئے جانے پر پاکستان امریکہ سے روز بروز مایوس ہوتا گیا جس کا نتیجہ خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کی شکل میں برآمد ہوا اور پاکستان چین کے مزید قریب آگیا۔ ۱۹۶۳ء میں پاکستان نے چین کے ساتھ اپنا ایک سرحدی تنازعہ خوش اسلوبی سے طے کر لیا اور چو این لائی اور ایوب خاں نے ۶۵-۱۹۶۴ء میں خیر سگالی کے دوروں کا تبادلہ کیا۔ بھارت کے ساتھ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران چین نے پاکستان کی بھرپور امداد کی۔ ۹ ستمبر کو وزیر اعظم چو این لائی نے بھارت کو کھلا جارح قرار دیا اور امریکہ اور روس پر بھی تنقید کی۔ ۱۶ ستمبر کو چین نے بھارت کو ایک الٹی میٹم دیا جس نے اقوام متحدہ کو ہلا کر رکھ دیا اور بڑی طاقتوں میں تشویش کی لہر پیدا کر دی۔[80] اس الٹی میٹم کے نتیجے میں بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ جنگ کے دوران چین کی امداد کے نتیجے میں پاک چین تعلقات مزید مستحکم ہو گئے۔ معاہدہ تاشقند کے بعد کے دور میں پاک چین تعلقات کو قدرے گزند پہنچا مگر سرد مہری کا یہ عرصہ زیادہ طول نہ پکڑ سکا اور پاکستان میں اقتدار کی تبدیلی اور یحییٰ خان کی آمد کے نتیجہ میں دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے بارے میں

---

80. S.M. Burke, Pakistan's Foreign Policy, p. 347.

اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی۔

یحییٰ خان کے دور میں پاک چین تعلقات میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چین نے پاکستان کو معتد بہ اقتصادی اور فوجی امداد مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ دوسری طرف ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان نے چین اور امریکہ کے درمیان ثالث کا اہم کردار ادا کیا۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں فوجی کارروائی کے بعد پاکستان کو ایک سنگین بحران کا سامنا تھا جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چین نے ہمیں ہر ممکن اخلاقی اور مادی امداد فراہم کی۔ یحییٰ خان کے نام صدر پوڈگورنی کے خط کے بعد "پیپلز ڈیلی" نے ۱۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو ایک مضمون شائع کیا جس میں پوڈگورنی پر سخت تنقید کی گئی تھی اور اُن پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ بھارتی رجعت پسندوں کی طرف سے پاکستان کو لاحق خطرات سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ مضمون میں پاکستان کے لئے چینی امداد کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ دو ہی دن بعد یحییٰ خان کو وزیرِاعظم چواین لائی کا مکتوب وصول ہوا۔ جس میں انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ "اگر بھارتی توسیع پسندوں نے پاکستان کے خلاف جارحیت کے آغاز کی جرأت کی تو وطن کی سالمیت اور قومی آزادی کے تحفظ کے لئے پاکستانی حکومت اور عوام کی جدوجہد کو ہمیشہ کی طرح چینی حکومت اور عوام کی بھرپور مدد حاصل ہوگی۔"[لہ]

۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران چین نے پاکستان کو قابلِ قدر فوجی امداد فراہم کی مگر اُس کے مہیا کردہ ہتھیار انڈیا کو دیئے گئے روسی ہتھیاروں سے کم معیاری تھے۔ مزید برآں چینی اسلحہ اور جنگی سازوسامان پاکستان کی تالیفِ قلب کا باعث نہ بن سکا۔ کیونکہ انہیں بھارت کے ساتھ جنگ کی صورت میں چین کی عملی مداخلت کی امید بلکہ پورا یقین تھا۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ پاکستان سے روس کی ناراضگی اور انڈیا سے بڑھتی ہوئی دوستی کا سبب پاکستان کا وہ کردار

لہ "دی ٹائمز آف انڈیا" ۱۴ اپریل ۱۹۷۱ء

Marfat.com

ہے جو اس نے چین امریکہ تعلقات کو بہتر بنانے کیلئے ادا کیا تھا، چنانچہ چین اخلاقی طور پر پابند تھا کہ وہ اپنے قدیم ساتھی کی مدد کو پہنچے۔ پاکستانی عوام سے قطع نظر خود امریکی حکومت کا خیال تھا کہ چین پاک بھارت جنگ میں ضرور مداخلت کرے گا۔ چنانچہ کسنجر نے ۱۹۷۱ء میں اپنے دورۂ بھارت کے دوران بھارت کو بتا دیا تھا کہ "پاکستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں چین ضرور مداخلت کرے گا اور بھارت کو کوئی مدد نہ مل سکے گی۔"[۸۲] کسنجر نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ بھارت امریکہ کے دفاعی معاہدے کا فریق نہیں ہے[۸۳]

دوسری طرف اکتوبر کے مہینے میں بھارت اور چین کے درمیان تعلقات میں کچھ ایسی مثبت تبدیلیاں سامنے آئیں جن سے پاکستان اور بھارت کی ممکنہ جنگ میں چین کی عملی مداخلت کے بارے میں خدشات مزید گہرے ہو گئے۔ چین میں بھارتی ٹیبل ٹینس ٹیم کو خوش آمدید کہا گیا اور اقوام متحدہ میں چین کی شمولیت کے قومی دن کے موقع پر اندرا گاندھی کے پیغام کی موافقانہ تشہیر کی گئی۔ بھارت میں ان اقدامات کو چین کی طرف سے خیرسگالی کا اظہار قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ ان اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین بھارت سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے۔[۸۴] اس تمام عرصے میں بھارتی اخبارات کے چینی رویے پر تبصرے جاری رہے۔ اور موازنہ ۱۹۶۵ء کے بحران کے دوران چین کے کہیں زیادہ سخت موقف سے کیا گیا۔[۸۵]

حقیقت یہ ہے کہ بھارت روس معاہدے کے بعد بین الاقوامی صورتِ حال ایک نئی

---

82. Daedalus, Vol. 101, No. 9 (Fall 1972), p. 33. Quoted by Wayne Wilcox, The Emergence of Bangladesh p. 36.

۸۳ "دی ڈیلی ٹیلیگراف لندن۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء

۸۴ بحوالہ رابرٹ جیکسن ص ۹۴

۸۵ ایضاً۔ ص ۹۵

کروٹ لے چکی تھی۔ چین پاکستان کی مدد کر کے روس کے ساتھ براہ راست تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔[86] علاوہ ازیں اگرچہ چین نے بنگالیوں کی تحریک کو آزادی کی جدوجہد تسلیم نہیں کیا تھا۔ تاہم ایک "عوامی تحریک" کے مقابلے میں کسی "غیر نمائندہ حکومت" کی مدد چینی پالیسی کے خلاف تھی۔[87] یہی وجہ ہے کہ جب بھٹو کی قیادت میں پاکستانی افواج کے تینوں سربراہوں کا وفد چین کے دورہ پر گیا تو وہاں انہیں ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں بہت کم گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا۔ یہاں تک کہ اس دورے کے اختتام پر کوئی مشترکہ اعلامیہ بھی جاری نہ کیا گیا۔[88] اس کے برعکس چینی حکام نے بھٹو کو فوجی کارروائی کے دوران مارے جانے والے ۶۰ چین نواز سیاستدانوں کی فہرست پیش کی۔[89] پاکستان کی کمزور پوزیشن کے پیش نظر چین نے اسے مشورہ دیا کہ وہ بھارت سے جنگ کرنے سے گریز کرے اور مسئلے کا کوئی معقول حل تلاش کرے۔[90] مگر اس وقت تک حالات بہت گھمبیر اور پیچیدہ ہو چکے تھے اور سیاسی سمجھوتے کا وقت گزر چکا تھا۔ چنانچہ یحیٰی کے نزدیک بہترین راستہ یہی تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔ اور مغربی پاکستان میں فوجی حکومت جاری رکھی جائے۔ تاہم سرکاری طور پر بھٹو کے دورۂ چین کو مکمل طور پر کامیاب قرار دیا گیا اور بھٹو نے کہا کہ اس دورے نے بھارتی جارحیت کا راستہ روک دیا

---

۸۶ "دی ٹائمز ویکلی" ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء ص ۱۱

۸۷ "کیہان انٹرنیشنل" تہران ۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء (اداریہ)

88. Keesing, [redacted] p. 24994.

۸۹ جی ڈبلیو چودھری ص ۱۱۹

۹۰ "دی ٹائمز ویکلی" ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء (مسٹر سلطان ایم خان) سابق سیکرٹری خارجہ نے ایک مضمون میں انکشاف کیا کہ چین نے اپریل ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے مسئلہ پر سیاسی حل اور محدود فوجی کارروائی کا مشورہ دیا تھا۔

Marfat.com

ہے۔[۹۱] یحییٰ اور بھٹو دونوں نے بھارتی حملے کی صورت میں چین کی مداخلت کے امکانات کا یقین دلایا۔ اس موقع پر چین کے قائمقام وزیر خارجہ چی پنگ فی نے اپنے ملک کے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا" اگر پاکستان کے خلاف بیرونی جارحیت کا ارتکاب کیا گیا تو چین پاکستانی حکومت اور عوام کی طرف سے اپنی آزادی اور قومی سالمیت کے تحفظ کے لئے کی جانے والی جدوجہد میں اُن کا بھرپور ساتھ دے گا۔"[۹۲] مشرقی پاکستان کے بحران کے حل کے لئے کسی معقول سمجھوتے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے چین نے اپنے اس مؤقف کو دہرایا کہ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے ملک کی مداخلت مناسب نہیں ہوگی۔ چینی قیادت کے بیانات اس امر کے مظہر ہیں کہ چین کا وعدہ صرف سفارتی اور فوجی مدد تک محدود تھا اور یہ کہ پاک بھارت جنگ کی صورت میں چین کی عملی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ چی پنگ فی کی طرف سے سیاسی سمجھوتے کے مشورے اور پاک بھارت تنازعہ کے بارے میں چینی قیادت کا معتدلانہ طرزِ عمل بھارتیوں کے لئے وجہ اطمینان ثابت ہوا۔[۹۳] بعض مبصرین کے مطابق یحییٰ خان کی طرف سے چینی مداخلت کی دھمکیوں کا مقصد ہندوستانی قیادت کو تذبذب کا شکار کرنا تھا۔[۹۴]

بھارتی مصنفین بھٹو پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے یحییٰ خان کو یہ یقین دلا کر گمراہ کیا تھا کہ چین نے پاک بھارت جنگ کی صورت میں مداخلت کی پیش کش کی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چینی قیادت نے پاکستان کو احتیاط سے کام لینے اور بھارت کے خلاف تصادم آرائی سے گریز کرنے کا مشورہ دیا

---

[۹۱] "ڈان" کراچی ۸۔۹ نومبر ۱۹۷۱ء

[۹۲] "دی پیکنگ ریویو" پیکنگ، ۱۲ نومبر ۱۹۷۱ء

[۹۳] بحوالہ محمد ایوب خان اور کے سبرامنیم ص ۲۰۶

[۹۴] ایضاً ص ۲۰۵ اور بحوالہ رابرٹ جیکسن ص ۹۴

Marfat.com

تھا۔[۹۵] ان مصنفین کے مطابق یحییٰ خان نے اسی تاثر کی بنا پر جنرل نیازی کو چینی حملے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ لیکن بھارتیوں کا یہ موقف حقائق پر مبنی نہیں اور یہ دراصل معمول کے بھارتی پراپیگنڈے کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستانی قوم کو چینی مداخلت کی یقین دہانی سب سے پہلے یحییٰ خان نے کرائی تھی۔ کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم کے تھامس فٹم سے ۵ نومبر کو جبکہ بھٹو چین کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ ایک انٹرویو کے دوران یحییٰ خان نے صاف الفاظ میں کہا کہ بھارتی حملے کی صورت میں چین کی مداخلت یقینی ہے۔[۹۶] چینی مداخلت کے سلسلہ میں بھٹو کا بیان ۱۲ نومبر کو یعنی ایک ہفتے بعد منظر عام پر آیا۔ بھٹو نے یہ بیان ذاتی حیثیت میں دیا تھا اور اُسے سرکاری پالیسی کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم سربراہِ مملکت کی حیثیت میں یحییٰ خان کا بیان پاکستانی عوام اور فوج کے نزدیک، چین کی طرف سے پختہ یقین دہانی کے مترادف تھا۔ مزید برآں یحییٰ خان آخر دم تک یہ کہتے رہے کہ بیرونی دوستوں کی مدد پہنچنے ہی والی ہے اور یہ کہ مشرقی پاکستان میں حالات قابو میں ہیں۔[۹۷] ظاہر ہے کہ وہ سب کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے ورنہ صدر پاکستان سے زیادہ باخبر کون ہو سکتا ہے؛

دوسری طرف بھٹو اپنی سیاسی مہم کو بدستور جاری رکھے ہوئے تھے اور وہ عوامی جلسوں میں اپنی بلند آہنگ تقریروں کے ذریعے عوام کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ ۴ نومبر کو انہوں نے راولپنڈی میں کہا کہ "اگر بھارت نے حملہ کیا تو ہم گنگا کا رنگ تبدیل کر دیں گے۔ اپنی اسی تقریر میں انہوں نے مزید کہا کہ اُن کی پارٹی متضاد عناصر اور شخصیتوں پر مشتمل کسی حکومت میں

---

[۹۵] کلدیپ نیر کے مطابق یحییٰ خان نے حمود الرحمٰن کمیشن میں بیان دیا تھا کہ بھٹو نے چین سے واپسی کے بعد حکومت کو یقین دلایا تھا کہ اگر جنگ چھڑی تو چین مشرقی پاکستان میں براہِ راست مداخلت کرے گا۔

[۹۶] "ڈان" ۹ نومبر ۱۹۷۱ء

[۹۷] یحییٰ خان نے یہ یقین دہانی پاکستان کے نامزد وزیرِاعظم نورالامین کو ۱۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کرائی تھی۔ ملاحظہ ہو نورالامین کا انٹرویو، ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۴، ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء، ص۷۔

Marfat.com

شامل نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہ امید نہیں رکھتے، لیکن اگر ایسی کوئی حکومت یک طرفہ طور پر قائم کی گئی تو یہ چالیس دن سے زیادہ نہیں چل سکے گی۔"[98] اور ٹھیک چالیسویں دن ۱۵ر دسمبر کو پاکستانی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ذرا پیش گوئی کی سچائی پر غور کیجیے!!

چینی مداخلت کے بارے میں یحییٰ خان کا اعلان حقائق پر مبنی نہیں تھا۔ اس کے باوجود اقوام متحدہ میں بعض پاکستانی نمائندے نجی گفتگوؤں میں یہ دعویٰ کرتے رہے کہ" چین نے ہم سے جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ کر رکھا ہے۔"[99] جنرل فضل مقیم کے مطابق چیف آف سٹاف نے جنرل نیازی کو چین کی طرف سے بہت جلد اقدام کا پیغام دیا۔ چنانچہ جنرل نیازی نے چین کی مدد کے لئے زور دینا شروع کر دیا۔ ۷ر دسمبر کو گورنر مالک نے بھی صدر یحییٰ سے درخواست کی" اگر کسی بیرونی دوست کی مدد کی توقع ہے تو اگلے ۴۸ گھنٹوں کے دوران امدادی کارروائی کو رو بہ عمل ہو جانا چاہیئے۔۔۔ بصورتِ دیگر پُر امن انتقالِ اقتدار کے لئے مذاکرات شروع کئے جائیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ۸ر دسمبر کو ہائی کمان نے گھبرا کر گورنر مالک کو اطلاع بھیجی کہ" چینی میدان میں کود پڑے ہیں۔"[100]

آؤٹ لک کا یہ تجزیہ بالکل درست تھا کہ" چینی امداد کے بارے میں یحییٰ خان کی بار بار یقین دہانیاں کلیتاً بے بنیاد تھیں اور ان کا مقصد مشرقی پاکستان میں آرمی کمانڈر کو بے وقوف بنانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔"[101] فضل مقیم نے جس حقیقت کا افشاء نہیں کیا وہ یہ ہے کہ صدر نے اے کے مالک کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ۱۰ر دسمبر کو ۱/۲ ۱۲ بجے

---

[98] "ڈان" ۵ر نومبر ۱۹۷۱ء

[99] "دی اکانومسٹ" لندن ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۱ء

100. Fazal Muqeem, Pakistan's Crisis in Leadership, pp. 174-75.

[101] "دی آؤٹ لک" کراچی ۲۵ر مئی ۱۹۷۲ء

دوپہر چینی فوج کا ایک چھاتہ بردار بریگیڈ پاکستانی فوج کی مدد کے لئے ڈھاکہ میں اترے گا۔ گورنر مالک اور اُن کے رفقائے کار تمام دن چھاتہ برداروں کا انتظار کرتے رہے مگر ع "کوئی مسیحا نہ ایفائے عہد کو پہنچا"..... اور ہوا یہ کہ ایک محاذ پر بھارتی فوج کے گورکھا چھاتہ بردار سپاہی بحفاظت زمین پر اترنے میں کامیاب ہو گئے اور پاکستانی فوج نے انہیں چینی فوج سمجھتے ہوئے نشانہ بنانے سے گریز کیا۔ دوسری طرف گورنر مالک نے صدر یحیٰی سے فون پر رابطے کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں۔ مگر یحیٰی خان مسلسل انکار کرتے رہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یحیٰی خان طے شدہ سقوط کا انتظار کر رہے تھے۔[۱۰۲]

مندرجہ بالا حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کے بعد سے حالات کافی تبدیل ہو چکے تھے۔ اور ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ میں چین کی براہِ راست مداخلت کی توقع حقیقت پسندانہ سوچ نہیں تھی۔ ۳ جنوری ۱۹۷۲ء کو وزیرِ اعظم چو این لائی کا یہ بیان کہ پاکستان کے لئے چین کی مدد "ماضی میں محدود رہی ہے" اور "چین اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا"۔ اپنے پس منظر میں کئی عوامل کی نشاندہی کرتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کے آغاز ہی میں ۱۹۶۵ء کی نسبت چین کے رویے میں واضح تبدیلی محسوس کی جانے لگی تھی۔ چینی قیادت اپنے رویے میں محتاط تھی اور اس نے اپنے بیانات میں براہِ راست مداخلت کے امکانات کی طرف کبھی اشارہ نہیں کیا تھا۔ چین کا موقف تھا کہ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور اس میں کسی بیرونی طاقت کی دخل اندازی "دنیا کے تمام انصاف پسند ممالک کے لئے باعثِ تشویش ہے۔"[۱۰۳] بھارت کے ساتھ چین کی دشمنی ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں کہیں کم ہو چکی تھی۔[۱۰۴] تاہم چین کو براہِ راست

---

[۱۰۲] مصنف سے ایک عینی شاہد کی گفتگو۔

[۱۰۳] بحوالہ کے سبرامنیم ص ۱۱۶

[۱۰۴] ایضاً

Marfat.com

مداخلت سے باز رکھنے میں سب سے اہم کردار بھارت روس معاہدے نے ادا کیا۔ چین کی مداخلت کا سیدھا سادا مطلب بھارت کی جانب سے روس کی جنگ میں شمولیت تھا۔[105]

چین نے پورے شدومد کے ساتھ اصول بقائے باہمی کی حمایت اور تنازعات کے حل کے لئے طاقت کے استعمال کی مخالفت کی۔ ۷ نومبر کو بھٹو کے اعزاز میں دی گئی ایک ضیافت میں چین کے قائمقام وزیر خارجہ نے بھارت اور پاکستان سے درخواست کی کہ وہ اپنی سرحدوں پر کشیدگی کم کرنے کے لئے مذاکرات کا انعقاد کریں۔ تقریباً پندرہ روز بعد چو این لائی نے امریکہ کو متنبہ کیا کہ اگر دفعہ جنگ چھڑ گئی تو نقصان دونوں فریقوں کا ہوگا۔ ہم پاکستان کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ بھارت کو آخر کار اپنے کئے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اس کے بعد سے برصغیر میں امن کا تصور عنقا ہو کر رہ جائے گا۔ ان تمام بیانات میں چین کی طرف سے عملی مداخلت کا مخفی یا بلاواسطہ کوئی وعدہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ چین کی طرف سے مشرقی پاکستان میں مداخلت کی یقین دہانی پراپگنڈہ کے سوا کچھ نہیں تھی۔

---

105. Pakistan Horizon, 'The India-Pakistan War 1971, Special Number' Published by the Institute of International Affairs, Karachi, p. 61.

Marfat.com

باب ۸

اور پاکستان ٹوٹ گیا

مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد مجیب کو گرفتار کر لیا گیا اور عوامی لیگ کے ممتاز رہنما فرار ہو کر بھارت چلے گئے۔ اس طرح بھٹو کو جو کہ دوسری اکثریتی پارٹی کے سربراہ تھے، قومی لیڈر کا کردار ادا کرنے کا نادر موقع حاصل ہو گیا۔ انہوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری قوم کے ترجمان کا منصب سنبھال لیا اور خود کو یحییٰ کے بعد ملک کا اہم ترین فرد سمجھنے لگے۔[۱] اپریل سے جنگ کے آغاز تک بھٹو اپنی تقاریر میں سارا زورِ بیان انتقالِ اقتدار پر صرف کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کو درپیش سیاسی بحران سے نمٹنے کے لئے ایک نمائندہ حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔[۲] آغاز میں بھٹو انتقالِ اقتدار کے سلسلہ میں بہت پُر امید تھے۔ اور انہوں نے ۲۲ مئی کو حیدر آباد میں پارٹی کارکنوں کو بتایا کہ صدر نے وعدہ کیا ہے کہ اقتدار تین ماہ کے اندر منتقل کر دیا جائے گا۔ مگر ۱۰ اگست کو صدر سے ملاقات کے بعد وہ قدرے مایوس دکھائی دینے لگے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا جیسے وہ اقتدار کے حصول کے لئے بے صبر ہو رہے ہوں۔[۳] دوسری طرف

---

[۱] : دی پاکستان ٹائمز ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

[۲] : کیہان انٹرنیشنل ۱۰ جولائی ۱۹۷۱ء۔ بھٹو کا انٹرویو۔

[۳] : ملاحظہ ہوں بھٹو کے بیانات۔ ۱۸ جون، ۴ جولائی، ۲۳ اگست، ۲ ستمبر، ۴ ستمبر، ۲۹ ستمبر، ۱۵، ۱۸ اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

چھوٹی سیاسی جماعتیں بھٹو کے مطالبۂ اقتدار کے خلاف تھیں۔ ۱۸ جون کو مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کے امیر پروفیسر غلام اعظم نے کہا کہ جن منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل ہونا تھا وہ غدار قرار دیئے جا چکے ہیں۔ کونسل مسلم لیگ کے رہنما ممتاز دولتانہ نے کہا کہ بھٹو کا مطالبۂ اقتدار غداری سے کم نہیں۔[۴]

جوں جوں وقت گزرتا گیا، حکومت کے خلاف بھٹو کی تنقید میں شدت آتی گئی۔[۵] انہوں نے اپنے بیانات اور تقریروں میں حکومت کے ساتھ اپنے اختلاف پر زور دینا شروع کر دیا۔ یہ اختلاف اہم قومی مسائل مثلاً آئینی امور، طریقۂ انتخاب، جداگانہ یا مخلوط انتخابات اور نئے انتخابات کے انعقاد سے متعلق تھے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد سے جلد طلب کیا جائے اور مشرقی پاکستان میں ممکنہ حد تک کم سے کم نشستوں کو خالی قرار دے دیا جائے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے مسئلہ کے فوجی حل کی مخالفت کی اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مصالحت کی ضرورت پر زور دیا۔ ایک موقع پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ضروری ہوا تو وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو وزیر اعظم تسلیم کرتے ہوئے

۴: دولتانہ کا بیان ۱۸ جولائی ۱۹۷۱ء

۵: بھٹو نے ۲۳ مئی ۱۹۷۱ کو میٹروپول ہوٹل میں مقامی اور غیر ملکی صحافیوں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے مارشل لاء حکومت کو حالات معمول پر لانے کے لئے بہت مہلت دی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حکمران ٹولہ اقتدار منتقل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ حکومت نے مشرقی پاکستان میں ایک المناک تعطل پیدا کر رکھا ہے۔ پیپلز پارٹی نے اب اس حکومت کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے انہوں نے جداگانہ طریق انتخاب یا دوبارہ انتخابات کی تجویز کو بھی رد کر دیا۔ بھٹو کے اس بیان کو صحافیوں نے مارشل لاء کے خلاف تحریک چلانے کی بالواسطہ دھمکی قرار دیا۔ اس سے پیشتر بھی پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی اپنے ایک اجلاس میں انتقال اقتدار کا مطالبہ کر چکی تھی۔

Marfat.com

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں. مگر یہ ایک بعد از وقت پیش کش تھی. تاہم ان کے بیانات کو بنگالی اراکین اسمبلی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش قرار دیا گیا. حکومت کے خلاف بھٹو کی بیان بازی کے نتیجہ میں پریس نے ان کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کر دیا اور حکومت کے زیر اثر اخبارات نے الزام لگایا کہ بھٹو ہوس اقتدار میں مبتلا ہیں. دوسری طرف یحییٰ بھٹو اور انکے حواریوں کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلہ نے بھٹو اور یحییٰ کے درمیان ساز باز کا تاثر دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ ہر کوئی دوسرے کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا.

۲۸ جون کو یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے مجیب پر علیحدگی کا الزام عائد کیا[۲] اور اعلان کیا کہ ماہرین کی ایک جماعت آئین تیار کرے گی. جس میں قومی اسمبلی ترمیم کرنے کی مجاز ہوگی. انہوں نے اسمبلیوں میں خالی نشستوں کو ضمنی انتخابات کے ذریعے پُر کرنے کا بھی اعلان کیا. انہوں نے ان سیاسی جماعتوں پر پابندی کے امکانات کی طرف بھی اشارہ کیا جو حقیقی معنوں میں قومی حیثیت کی حامل نہیں ہیں.

بھٹو نے اس تقریر پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آئین سازی کا حق نامعلوم ماہرین کی بجائے صرف منتخب عوامی نمائندوں کو حاصل ہے. انہوں نے علاقائی جماعتوں پر پابندی کی تجویز پر بھی تنقید کی اور کہا کہ اس طرح پیپلز پارٹی جیسی جماعت کو بھی جسے مغربی

---

[۲] ۔ بھٹو کے ایک قریبی ذریعے نے بتایا کہ بھٹو نے ۲۰ اپریل کو یحییٰ خان سے ملاقات کے دوران انہیں آئینی فارمولا پیش کیا. محسوس ہوتا ہے کہ یحییٰ خان قومی اسمبلی میں آئین تیار کرنے کا ارادہ چھوڑ چکے تھے. بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر یحییٰ خان یہ اقدام پہلے کر لیتے تو ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا. میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ کوئی بھی لیڈر اس آئین کو قبول نہ کرتا کیونکہ یہ دستور ساز اسمبلی کے اقتدارِ اعلیٰ کو محدود کرنے کے مترادف ہوتا.

Marfat.com

پاکستان سے نشستوں کی ایک بڑی تعداد حاصل ہے، علاقائی جماعت قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی بھی چھوٹی جماعت کو جس کے پاس دونوں حصوں سے ایک ایک دو دو نشستیں ہیں، قومی جماعت کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے دھمکی آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان کی جماعت پر پابندی عائد کی گئی تو "اس کے نتائج ساری دنیا دیکھے گی۔"[۷] انہوں نے اعلان کیا کہ یا تو نومبر تک ملک کی صورتِ حال ان کے کنٹرول میں ہوگی یا پھر وہ جیل میں ہوں گے۔[۸] انہوں نے کہا کہ بھارتی دھمکیوں کے پیشِ نظر یہ امر اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اقتدار سیاسی جماعتوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر یہ انتخابات آزادانہ ماحول میں ہوئے تو وہ ان میں بامسرت شریک ہوں گے۔ لیکن "اگر مقصود صرف عوامی لیگ کی جگہ آرمی لیگ کو لانا ہے تو ہمیں اس موضوع پر دوبارہ سوچنا ہوگا۔"[۹]

۱۹ جولائی کو یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ مجیب کے مقدمے کی سماعت فوجی عدالت بند کمرے میں کرے گی اور الزامات کی نوعیت کے پیشِ نظر مجیب کو سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔ ۳ ستمبر کو ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک[۱۰] اور جنرل نیازی علی الترتیب مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کئے گئے۔ اس تبدیلی کے بعد بھٹو کے موقف میں مزید سختی آگئی۔ اور انہوں نے "حتمی اور مکمل انتقال اقتدار" کا مطالبہ پیش کیا۔[۱۱] ڈاکٹر اے۔

۷:۔ بھٹو کی پریس کانفرنس کراچی ۵ جولائی ۱۹۷۱ء

۸:۔ ایضاً۔

۹:۔ ایضاً

۱۰:۔ ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک کی تقرری کا پس منظر باب میں بیان کیا جاچکا ہے۔

۱۱:۔ کراچی میں بھٹو کی پریس کانفرنس ۲ ستمبر ۱۹۷۱ء

Marfat.com

ایم۔ مالک کی تعیناتی پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ مارچ سے انتقالِ اقتدار کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اگر اس میں مزید تاخیر کی گئی تو صورت حال کی سنگینی بڑھتی جائے گی۔

ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک کی حکومت کا پہلا اقدام ان لوگوں کے لئے معافی کا اعلان تھا جنہوں نے مارچ اور اس کے بعد مبینہ طور پر جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی جیلوں سے قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو رہائی ملی۔ دریں اثناء ڈاکٹر مالک عوامی لیگ کے جلاوطن لیڈروں سے رابطہ قائم کر چکے تھے اور یہ بات ان کے علم میں آچکی تھی کہ یہ جلاوطن راہنما بھارت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ احساس ہو گیا ہے کہ بنگالیوں سے بھارتی حکومت کے تعاون کا مقصد بنگالیوں سے ہمدردی کے بجائے محض پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک نے تارکینِ وطن سے بار بار اپیل کی کہ وہ وطن واپس آجائیں۔ مگر ان کی یہ اپیلیں بے اثر رہیں۔ کیونکہ بھارتی انتظامیہ نے عوامی لیگی راہنماؤں کو کڑی نگرانی میں رکھا ہوا تھا۔[12] اور اگر وہ چاہتے بھی تو ان کی واپسی ممکن نہیں رہی تھی۔

اگست میں حکومت نے مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ان ۸۸، اراکین اسمبلی کی فہرست جاری کی جنہیں تمام الزامات سے بری قرار دے کر ان کی نشستوں کو برقرار رکھا گیا تھا۔ اس فیصلے سے مشرقی پاکستان کے ۷۹، اراکین اسمبلی متاثر ہوئے اور شیخ مجیب اور ڈاکٹر کمال کی نشستیں خالی قرار دے دی گئیں۔ بعد ازاں یہ اعلان کیا گیا کہ ضمنی انتخابات کا انعقاد ۲۵، نومبر سے ۹، دسمبر تک ہو گا اور قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۷، دسمبر کو بلایا جائے گا۔ ۱۵، اکتوبر تک ۱۵ نشستیں بلا مقابلہ انتخاب کے ذریعے پُر ہو چکی تھیں، بلامقابلہ

۱۲: مضمون از راؤ فرمان علی "جنگ" راولپنڈی ۲۵، دسمبر ۱۹۷۷ء

Marfat.com

منتخب ہونے والے اراکینِ اسمبلی کی سیاسی وابستگیوں کی تفصیل درج ذیل ہے :-

(۱) پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی ۵

(۲) جماعت اسلامی ۵

(۳) کنونشن مسلم لیگ ۲

(۴) قیوم مسلم لیگ ۱

(۵) نظام اسلام پارٹی ۲

بلا مقابلہ انتخاب کی اہمیت ایک ڈرامے سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ یہ امر کوئی راز نہیں تھا کہ مشرقی پاکستان کی فوجی انتظامیہ نے یہ نشستیں اسلام آباد کی منظوری سے خود تقسیم کی تھیں[۱۳] کچھ علاقوں میں مقامی انتظامیہ نے بعض امیدواروں سے یہ فرمائش کرنے سے بھی گریز نہ کیا کہ وہ سرکاری امیدوار کے حق میں دستبردار ہو جائیں۔ الغرض یحییٰ خان کی حکومت کی طرف سے مشرقی پاکستان میں کی جانے والی مصالحتی کوششیں، جن میں ضمنی انتخابات کا انعقاد بھی شامل تھا، اتنی سطحی تھیں کہ ان کے ذریعے حالات کو معمول پہ لانے کی توقع بے سود تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ تیزی سے ٹوٹ رہا تھا۔ اور مشرقی پاکستان کے افق پہ منڈلانے والی تباہی سے بچنے کا واحد راستہ سیاسی حل میں مضمر تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس عرصہ میں مکتی باہنی کے گوریلوں کی سرگرمیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں اور مشرقی پاکستان خانہ جنگی کا منظر پیش کر رہا تھا۔

---

۱۳ :۔ ذاتی اطلاع ، ڈاکٹر اے ایم مالک کا یہ بیان کہ انتخابات مکمل طور پہ اطمینان بخش نہیں تھے ، بھی توجہ طلب ہے۔ پی پی پی کے ایک رہنما عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھی صدر یحییٰ کو تار کے ذریعے آگاہ کیا کہ ان کی جماعت کے بعض امیدواروں کو کاغذات نامزدگی واپس لینے پہ مجبور کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

دوسری طرف بین الاقوامی محاذ پر بھارت نے سیاسی حل کے لئے پاکستان پر سفارتی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ جس کا مقابلہ حکومت پاکستان نے کامیابی سے کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ مشرقی پاکستان کا بحران پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ پاکستان نے اپنی خودمختاری پر اصرار کرتے ہوئے بین الاقوامی اداروں کے نمائندوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اپریل کے وسط تک پاکستان بڑی حد تک اپنے موقف کی تائید میں بین الاقوامی برادری کی رائے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ چین اور بعض دوسرے ممالک نے بین الاقوامی برادری کو اس موقف کی حقانیت کا یقین دلانے کے لئے پاکستان کی کوششوں میں برابر کا ساتھ دیا کہ مشرقی پاکستان میں ہونے والے واقعات پاکستان کا خالص اندرونی مسئلہ ہے۔ مئی کے آغاز تک مشرقی پاکستان کے حالات بڑی حد تک معمول پر آ چکے تھے۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان نے اقوام متحدہ کو امدادی اور بحالیاتی سرگرمیاں شروع کرنے کی اجازت دے دی۔

سفارتی دباؤ کے ذریعے اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے بعد بھارت نے مہاجرین کے مسئلہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس امر کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ کس طرح بھارت نے تارکینِ وطن کو تحریکِ آزادی کے مجاہد بنا کر پیش کیا اور ایک منظم پروپیگنڈا مہم کے ذریعے مشرقی پاکستان کے مسئلہ میں فریق بننے کے لئے مُصر رہا۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ پڈگورنی کے خط کے جواب میں یحییٰ کے تند و ترش جواب نے روسی حکومت کو ناراض کر دیا تھا اور اس نے مشرقی پاکستان کی صورتِ حال کے بارے میں اپنے رویے پر نظرِ ثانی شروع کر دی تھی۔ آخر کار روس نے غیر جانبداری کی پالیسی کو خیرباد کہہ دیا اور بھارت کے ساتھ اس کے تعلقات گہرے ہوتے گئے۔ دریں اثنا بھارت نے مہاجرین کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور سرحدوں پر اقوام متحدہ کی خدمات کی پیش کش مسترد کر دی۔ جلاوطن بنگالی رہنماؤں نے بھی اقوام متحدہ کی بحالیاتی کوششوں کے

Marfat.com

خلاف بھارت کی مہم کی حمایت کی۔

جون میں مون سون کے دوران بھارت نے پاکستان کے خلاف جارحانہ مہم کا آغاز کیا۔ اس مہم کا مقصد پلوں کی تباہی کے ذریعے ذرائع مواصلات میں رکاوٹ ڈالنا اور عوام کو دہشت زدہ کرنا تھا۔ یحییٰ خان نے معتدل مزاج بنگالیوں کی تالیفِ قلب کے لئے سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کا وعدہ کیا مگر ان کی یہ نیم دلانہ کوشش کسی منظم اقدام اور واضح پروگرام کی عدم موجودگی اور اعتماد کی کمی کی وجہ سے نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔

جولائی میں یو تھانٹ نے مہاجرین کی واپسی میں مدد کے لئے مشرقی پاکستان کی سرحد کے دونوں طرف اقوام متحدہ کے نمائندے متعین کرنے کی تجویز پیش کی۔ بعد ازاں یہ تجویز انہوں نے سیکورٹی کونسل کے سامنے بھی رکھی۔ یحییٰ نے یہ تجویز فوری طور پر منظور کر لی مگر بھارت نے اسے مسترد کر دیا۔

اس وقت تک کسنجر کے دورۂ چین اور جولائی میں نکسن کے اعلان کے نتیجہ میں چین امریکہ تعلقات میں ایک نمایاں تبدیلی کی بنا رکھی جا چکی تھی۔ اس تبدیلی کے نتیجہ میں بھارت کے لئے مشکل تھا کہ وہ کسی سپر طاقت کا مثبت تعاون حاصل کئے بغیر مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندوں کی حمایت جاری رکھے۔ دریں اثنا روس بھی مختلف وجوہ کی بنا پر بھارت سے قریبی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اگست ۱۹۷۱ء میں بھارت اور روس کے درمیان معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد روس نے پاکستان کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کر لیا اور اسے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ مشرقی پاکستان کے بحران میں امریکہ کو ملوث کرنے کی ہر کوشش ناکام بنا دے گا۔ روس کی اس دھمکی نے بھارت کا حوصلہ مزید بڑھا دیا اور اس نے مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے ذریعے اپنی کارروائیوں میں اضافہ کر دیا۔ ستمبر اور اکتوبر کے دوران روس نے مشرقی پاکستان کے سیاسی حل کے لئے اپنی آخری کوشش کی اور بھارت پر بنگلہ دیش

Marfat.com

کی تحریک سے تعاون محدود کرنے کے لئے زور ڈالا۔ مگر یحییٰ خان کے ۱۲ اکتوبر کے خطاب کے بعد روسی اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان ابھی کسی ایسے سمجھوتے کے لئے تیار نہیں ہے جس کا مقصد مجیب کی رہائی اور دونوں صوبوں کے درمیان کنفیڈریشن کا قیام ہو۔[۱۲] اکتوبر کے بعد بھارت کے لئے روسی امداد میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا اور جنگ ناگزیر نظر آنے لگی۔ دوسری طرف پاکستان متوقع جنگ میں امریکہ اور دوسری عالمی طاقتوں کی مداخلت پر غیر معمولی انحصار کئے ہوئے تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پاکستان نے ۳ دسمبر کو مغربی سرحد پر نیا محاذ کھول کر جنگ کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر اب صورت حال پاکستان کے بس سے نکل چکی تھی۔

نومبر تک پوری پاکستانی قوم علاقائی اختلافات اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر ہونے والے دیگر سیاسی واقعات کے نتیجے میں دل شکستہ ہو چکی تھی۔ مشرقی پاکستان کی آبادی کا بڑا حصہ فوجی کارروائی اور اس کے بعد فوجی انتظامیہ کی غیر دانشمندانہ حکمت عملی کے نتیجہ میں فوج کے خلاف ہو چکا تھا۔ فوجی جوان کئی مہینوں سے مورچوں میں پڑے تھے اور مناسب آرام اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ان کے حوصلے متاثر ہو چکے تھے۔ یحییٰ خان کی تمام توجہ فوجی تربیت اور ساز و سامان کی بجائے اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر اعلیٰ فوجی عہدوں پر ترقیوں اور فوج کے لئے مادی آسائشوں کی فراہمی پر مرکوز تھی۔ علاوہ ازیں یحییٰ خان ایوب خان کے مقابلے میں ایک کمزور حکمران تھے۔ کیونکہ ان کی طاقت کے اصل سرچشمہ یعنی فوج کی وفاداریاں تقسیم ہو چکی تھیں۔

مشرقی پاکستان کے اندرونی حالات بھی مایوس کن تھے۔ مارچ کے بعد صنعتیں عملی طور پر بند ہو چکی تھیں اور صوبے کا اقتصادی ڈھانچہ تباہی کی زد میں تھا۔ مون سون کے

---

۱۲ :- بحوالہ رابرٹ جیکسن ص ۱۶۵

Marfat.com

دوران مکتی باہنی کی جارحانہ کارروائیوں نے سڑکوں، پلوں اور دیگر ذرائع مواصلات کو نقصان پہنچانے کے علاوہ مشرقی پاکستان میں دہشت اور بے یقینی کی صورت حال پیدا کر دی تھی۔

بھارت نے اپنی پروپیگنڈا مہم کے ذریعے بنگلہ دیش کی تحریک کو آزادی کی تحریک اور پاکستان کو ایک سامراجی ملک کے روپ میں پیش کیا تھا۔ اس مہم کے نتیجے میں عالمی سطح پر رائے عامہ پاکستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ حالات ہر اعتبار سے پاکستان پر حملے کے لئے سازگار تھے۔

بھارت اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا حصول تنہا مکتی باہنی کے بس کا کام نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مشرقی محاذ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ مشرقی پاکستان کے محاذ پر باقاعدہ جنگ کا آغاز ۲۲ نومبر کو ہوا۔ مگر بھارت کے معتبر فوجی ذرائع کا کہنا ہے کہ سرکاری تردیدوں کے علی الرغم یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارتی دستے نومبر کے پہلے ہی ہفتے میں سرحد پار کر چکے تھے۔[15] غیر ملکی اخبارات کی طرف سے مشرقی پاکستان کے بحران میں بھارتی فوجیوں کی عملی شرکت کی یہ پہلی شہادت تھی۔[16] نیویارک ٹائمز نے بھی اپنی ۳ نومبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں ایک ایسی ہی رپورٹ شائع کی۔

بھارتی حملے کا علم ہوتے ہی ڈاکٹر مالک ۲۶ نومبر کو اسلام آباد پہنچے اور انہوں نے صدر کو مشورہ دیا کہ وہ جنگ کو روکنے کے لئے اقوام متحدہ سے درخواست کریں۔ یا عوامی لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ کیا جائے۔ انہیں معلوم تھا کہ براہِ راست جنگ کا مطلب مشرقی پاکستان کو ہاتھ سے دینے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ ڈاکٹر مالک یکم دسمبر کو

---

۱۵ : دی ٹائمز ۸ نومبر ۱۹۷۱ء

۱۶ : ایضاً۔

ڈھاکہ پہنچے۔ انہوں نے یحییٰ خان کے ساتھ اپنی ملاقات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

اگرچہ بھارتی فوج ۶ دسمبر کو میسور پر قابض ہو چکی تھی۔ مگر یحییٰ خان کو ۸ دسمبر تک یہ خبر نہیں دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں سیکورٹی کونسل میں پاکستانی نمائندے کے غیر حقیقت پسندانہ رویے سے ڈاکٹر مالک کو اندازہ ہو گیا کہ صدر کو مشرقی پاکستان میں صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں رکھا جا رہا۔ چنانچہ انہوں نے صدر یحییٰ کو ایک خط لکھا۔ جس میں افواج پاکستان کی جرأت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان میں حالات کی ایک حوصلہ شکن مگر حقیقت پسندانہ تصویر پیش کی گئی تھی۔ ڈاکٹر مالک نے اپنے اس خط میں صدر کی توجہ شہری اور فوجی نظام ترسیل میں تعطّل، امن عامہ کی تباہی اور محب وطن پاکستانی شہریوں کی وسیع پیمانے پر ہلاکت کی طرف دلاتے ہوئے ۴۸ گھنٹوں کے اندر دوستوں کی عملی مداخلت کی درخواست کی تھی۔[۱۷] ڈاکٹر مالک نے واضح کر دیا تھا کہ اگر کسی جانب سے کوئی مدد متوقع نہیں ہے تو پھر مسئلہ کے حل کے لئے مذاکرات سے کام لیا جائے تاکہ اقتدار کی منتقلی پر امن طور پر ہو سکے اور لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں۔[۱۸] ظاہر ہے جنرل نیازی اور ڈاکٹر مالک کو بیرونی دوستوں کی مدد کی یقین دہانی اسلام آباد سے کرائی گئی تھی۔ صورت حال کی خرابی کے ساتھ ساتھ جنرل نیازی اور ڈاکٹر مالک کا موعودہ مدد کے لئے اصرار بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جنرل نیازی نے ڈھاکہ میں امریکی قونصل جنرل سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ کیا امریکہ ہمیں فوجی امداد مہیا کرے گا۔[۱۹] یحییٰ خان کی طرف سے ڈاکٹر مالک کے خط کا مختصر اور واضح

---

[۱۷]: تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو باب ۷ اور بحوالہ فضل مقیم ص ۱۸۵۔ ۸۶۔ مزید ملاحظہ ہو بحوالہ رابرٹ جیکسن ص ۱۲۱۔

[۱۸]: تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راؤ فرمان علی کا مضمون جنگ راولپنڈی ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء

[۱۹]: بحوالہ وائن ولکاکس ص ۵۰۔ بحوالہ کلدیپ نیر ص ۱۸۹۔

Marfat.com

جواب یہ تھا کہ "ہم آپ کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وقت جبکہ بھارتی فوجیں تیز رفتاری سے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہی تھیں، سیاسی سمجھوتے کے لئے ڈاکٹر مالک کی تجویز قابلِ عمل بھی تھی یا نہیں، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یحییٰ خان نے سیاسی سمجھوتے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ پاکستان کی پوزیشن بہت کمزور ہے اور بھارت پاکستان کو فوجی شکست دینے کے لئے وسیع پیمانے پر تیاریاں کر چکا ہے۔

۹ اور ۱۰ دسمبر کو جنرل نیازی نے چیف آف جنرل سٹاف کو ایک پیغام کے ذریعے مطلع کیا کہ بھارتی فضائیہ کے مسلسل حملوں اور مقامی آبادی کے معاندانہ رویّہ کی وجہ سے فوجی دستوں کی نقل و حمل اور جنگی پوزیشنوں میں تبدیلی ممکن نہیں رہی۔ انہوں نے کہا کہ ہوائی اڈوں، پلوں اور فوجی ساز و سامان کو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے۔ ان پیغامات میں درخواست کی گئی تھی کہ ڈھاکہ کو بچانے کے لئے ہوائی جہازوں کے ذریعے مزید فوجی بھیجے جائیں [۲]۔ جنرل نیازی کے ۱۰ دسمبر کے پیغام میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ صورت حال بہت نازک ہو چکی ہے اور پاکستانی فوج چند روز سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکے گی۔ ۱۰ دسمبر کو ڈاکٹر مالک نے صدر کے نام ایک اور پیغام میں فوراً جنگ بندی اور سیاسی سمجھوتے کے لئے اقدامات کی درخواست کی۔ اس پیغام کے جواب میں صدر نے گورنر مالک کو حالات کے مطابق مناسب فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ صدر نے کہا کہ ان کے تمام اقدامات کی توثیق کر دی جائے گی۔ دریں اثناء انہوں نے جنرل نیازی کو ہدایت کی کہ وہ گورنر کے فیصلوں کی پابندی کریں۔ یہ پیغام موصول ہونے پر ڈاکٹر مالک نے اقوام متحدہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل سے رابطہ قائم کر کے انہیں ایک پیغام پہنچایا جس میں

۲: بحوالہ فضل مقیم ص ۱۸۲۔

جنگ بندی اور بھارتی فوجوں کی واپسی کے بعد اقوام متحدہ کے ذریعے عوامی نمائندوں کو انتقال اقتدار کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[۲۱] اس پیغام میں پاکستانی فوج کی واپسی اور غیر بنگالی آبادی کے تحفظ کے لئے سہولتوں کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ پیغام میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۱ دسمبر کو پاکستان نے اپنے دوست ممالک سے فوری مدد کی درخواست کی۔ ڈھاکہ کو اس امر کی اطلاع بھی دے دی گئی کہ بیرونی مدد عنقریب متوقع ہے۔ مگر یہ مدد کبھی نہ پہنچی اور جنگ جاری رہی۔ ۱۵ دسمبر تک بھارتی فوجیں ڈھاکہ شہر کے مضافات میں پہنچ چکی تھیں۔ ۱۴ دسمبر کو بھارتی فضائیہ نے گورنر ہاؤس پر راکٹوں سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں گورنر اور ان کی کابینہ نے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے کر ریڈ کراس سے پناہ طلب کر لی۔ جنرل نیازی ایک دفعہ پھر امریکی قونصل جنرل سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ وہ فوراً جنگ بندی کے لئے کچھ کریں۔ ۱۶ دسمبر کو جنرل نیازی اور بھارتی سی۔ ان۔ سی جنرل اروڑہ نے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔

۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران پاکستان بعض ٹھوس وجوہ کی بناء پر بھارت کے مقابلے میں کمزور پوزیشن کا حامل تھا۔ اسلحے اور جنگی گولہ بارود کے لئے وہ اپنے دوستوں کا مرہون منت تھا۔ جبکہ بھارت کی گولہ بارود کی پیداوار اس کی اپنی ضروریات کے لئے کافی تھی۔ ثانیاً بھارت وقت کے ساتھ ساتھ اپنی فوجوں میں معتدبہ اضافہ کر چکا تھا اور اس کے فوجیوں کی تعداد بھارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ بھارتی فوجوں کو سائنسی بنیادوں

۲۱: پیغام کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راؤ فرمان علی کا مضمون جنگ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۷ء مزید ملاحظہ ہو ہربرٹ فیلڈ مین ص ۱۸۳۔ بحوالہ ہربرٹ جیکسن ص ۱۴۱-۴۲۔ جنرل فضل مقیم ص ۱۸۴۔ یہ پیغام غلط طور پر گورنر مشرقی پاکستان کے فوجی مشیر راؤ فرمان علی سے منسوب کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

پر تربیت دی گئی تھی اور انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد بھارت نے میجر جنرل جیکب کو عربوں کے خلاف اسرائیل کی مخصوص حکمت عملی کے مطالعے کے لئے مامور کیا تھا۔ اس مطالعے کا مقصد اسرائیلی حکمت عملی کو پاکستان کے خلاف جنگ میں استعمال کرنا تھا۔[۲۲] ثالثاً بھارت ان بنگالی فوجی افسروں کے ذریعے پاکستانی فوج کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر چکا تھا جو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد بھارت چلے گئے تھے۔ رابعاً ۱۹۶۵ء کے برعکس بھارت اپنی فوجوں کو روس سے ملے ہوئے جدید ترین ہتھیاروں سے آراستہ کر چکا تھا جبکہ پاکستان ان سے محروم تھا۔ خامساً پاکستان مشرقی پاکستان میں تکنیکی اور بعض دوسری وجوہ کی بنا پر کافی تعداد میں ہوائی اڈے تعمیر نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ اس علاقے میں فضائی جنگ موثر انداز میں نہ لڑی جا سکی۔ اور آخری دو ہفتوں کے دوران پاکستانی فوج کو فضائیہ کی مدد حاصل نہیں رہی تھی۔ مشرقی پاکستان میں موجود ۸۶۔ ٹی لڑاکا بمبار طیاروں کے دو سکواڈرن پرواز کرنے سے قاصر ہو چکے تھے۔ کیونکہ ڈھاکہ ایئرپورٹ کے رن وے کا وہ حصہ جو وہ استعمال کر سکتے تھے بھارتی فضائیہ کا نشانہ بن چکا تھا۔ بحران کے ان تمام مہینوں میں پاکستان نے مشرقی پاکستان میں کوئی متبادل AIRSTRIP تعمیر کرنے پر کوئی توجہ نہ دی[۲۳] ــــــ جغرافیائی اعتبار سے مشرقی پاکستان تین اطراف سے بھارتی سرحدوں سے گھرا ہوا تھا اور ڈھاکہ سے بھارتی سرحد کا زیادہ سے زیادہ فاصلہ ۴۲ اور ۵۰ میل کے درمیان تھا۔ ماہرین کا خیال تھا کہ یہ فاصلہ اتنا کم ہے کہ پاکستانی طیارے جتنے وقت میں کارروائی کے لئے مطلوبہ بلندی حاصل کر سکیں گے، بھارتی جیٹ اپنا کام دکھا کر واپس اپنے اڈوں پر پہنچ چکے ہوں گے۔ اس طرح کی متعدد وجوہ کی

۲۲:۔ ڈان کراچی ۲۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

23. The Listener, London, 6 January 1972, p. 8

بنا پر مشرقی پاکستان کو فضائی تحفظ مہیا نہ کیا جا سکا۔ اس کے ہوائی اڈے حملے کے چند گھنٹوں ہی میں تباہ کر دیئے گئے۔ چنانچہ بھارتی فضائیہ نے مشرقی پاکستان کے واحد جیٹ رن وے کی تباہی کے ذریعے پاکستان کے ۸۶۔ ایف۔ ۲۳ طیاروں کو ابتداء ہی میں بیکار بنا دیا۔[۲۴] سابقاً بھارتی بحریہ نے پاکستان کی بحری ناکہ بندی کر رکھی تھی اور پاکستان کی بحری قوت بھارت کے مقابلے میں کم تھی۔ ۲۸ر اکتوبر کو بھارتی بحریہ کے چیف آف سٹاف نے کہا تھا کہ ہم نے ۶۵ء کی جنگ کے بعد اپنی بحریہ میں ایک میزائل سکواڈرن کا اضافہ کیا ہے اور اب جنگ کی صورت میں پاکستانی بحریہ کو کراچی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بنا بریں مشرقی پاکستان میں ساز و سامان کی فراہمی اور فوجی طاقت میں اضافہ ممکن نہیں رہا تھا۔ جبکہ مشرقی پاکستان میں پہلے سے متعین فوج اس قدر طویل بارڈر پر لڑنے کے لئے کافی نہیں تھی۔

جیسا کہ بعد میں بھارتی تفتیش کے دوران جنرل نیازی نے بھی انکشاف کیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ پاکستان کی حکمت عملی اس مفروضے پر مبنی تھی کہ بھارت کا ارادہ صرف ایک "محدود کارروائی" کا ہے[۲۵] پاکستان کا خیال یہ تھا کہ بھارت مشرقی پاکستان کے اندر ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ کرنے کے درپے ہے۔ جہاں وہ بنگلہ دیش کی حکومت قائم کر سکے چنانچہ پاکستان نے اپنی فوجوں کو ۲۵۰۰ میل پر پھیلی ہوئی سرحد پر ٹکڑیوں کی شکل میں متعین کر دیا اور انہیں ہر قیمت پر ڈٹے رہنے کی ہدایت کی۔ پاکستانی جرنیلوں کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا کہ مشرقی پاکستان پر قبضے کا راز ڈھاکے کے تحفظ میں پنہاں ہے اور اس کا دفاع ان کی پہلی ترجیح ہونی چاہیئے۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے ڈھاکہ کے دفاع کے لئے کوئی متبادل

---

24. The Strategic Survey, London, 1971, p. 50.

۲۵۔ بحوالہ کلدیپ نیر ص ۱۸۵

Marfat.com

منصوبہ تک تیار نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئیں تو سرحد پر متعین افواج کو واپس بلانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ مذکورہ بالا مفروضے ہی کے پیش نظر جنرل نیازی نے اپنے دستوں کو سرحد کے قریب متعین کیا لیکن جب بھارتی فوجوں نے مقبوضہ شہر جیسور کو عبور کرکے ڈھاکہ کا رُخ کیا تو پاکستان کو احساس ہوا کہ ہوسکتا ہے کبھی بھارت کا منصوبہ محض مشرقی پاکستان کا کچھ حصہ آزاد کرانے کا ہو مگر اب اس کے ارادے کچھ اور ہیں۔ لیکن اب پاکستان کے لئے اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنے کا وقت گذر چکا تھا۔[۲۶]

مشرقی پاکستان کی دفاعی حکمت عملی ہمیشہ یہ رہی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان میں مضمر ہے[۲۷] مگر مغربی محاذ پر جنگ کا آغاز غیر معمولی تاخیر یعنی ۳ دسمبر کو کیا گیا۔ چنانچہ مشرقی محاذ پر بھارتی فوجوں کا دباؤ مناسب وقت پر کم نہ کیا جا سکا۔ دوسرے اب یہ حقیقت سب کو معلوم ہوچکی ہے کہ پاکستان نے مغربی محاذ پر بھی اپنی تمام فوجیں متعین نہیں کی تھیں چنانچہ متعدد نوجوان افسروں نے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے جی۔ایچ۔کیو کو احتجاجی خطوط لکھے۔ پاکستانی افواج نے دشمن کے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا مگر یہ کامیابیاں ان محاذوں پر حاصل ہوئیں جہاں بھارتی فوجوں نے ہلکی پھلکی مزاحمت کے بعد اپنی محفوظ چوکیوں پر جانا مناسب سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیز رفتار بکتر بند دستوں پر مشتمل مغربی پاکستان میں متعین پاکستانی فوج کی اہم

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ۱۹۵۵ء میں فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے پاکستان کی دفاعی حکمت عملی بیان کرتے ہوئے کہا کہ "مشرقی پاکستان کا دفاع وہاں سے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم وہاں تمام فوجی طاقت بھی مجتمع کردیں تو اس کا دفاع ممکن نہیں۔ اس کے لئے ہمیں مغربی پاکستان میں اپنی فوجی بنیاد مضبوط بنانی ہوگی۔ اب عوام کو اس حقیقت کا اعتراف کرلینا چاہیئے۔" ڈان ۱۰، جنوری ۱۹۵۵ء

Marfat.com

یونٹوں نے اس جنگ میں ایک فائر بھی نہ کیا۔[۲۸]

پاکستان کی فوجی شکست کا ایک اور سبب جنگی منصوبہ بندی میں یحییٰ خان کی عدم دلچسپی تھی۔ یہاں تک کہ جنگ کے دوران میں بھی وہ بریفنگ اور مشاورت کے لئے دستیاب نہیں ہوتے تھے۔ مشرقی محاذ میں جنگ کے آغاز کے بعد سیالکوٹ واپسی پر یحییٰ خان کو چیف آف دی جنرل سٹاف نے بریفنگ کے لئے ایم۔ آئی آپریشن روم سے جانا چاہا مگر اس موقع پر بھی چیف آف سٹاف نے تجویز پیش کی کہ صدر کچھ دیر سستا لیں۔ بریفنگ کے لئے کوئی اور وقت مقرر ہو سکتا ہے۔[۲۹] اسی روز ایوانِ صدر میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یحییٰ خان نے کہا کہ "میں مشرقی پاکستان کے لئے دعا کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں؟" پریس کانفرنس میں شریک ایک صحافی کے مطابق صدر اس پریس کانفرنس کے دوران مرنجاں مرنج اور صورت حال سے بڑی حد تک لاتعلق دکھائی دے رہے تھے۔[۳۰] یہ چھوٹے چھوٹے واقعات یحییٰ خان کے رویے اور جنگ میں اس کی دلچسپی کی نوعیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ مشرقی پاکستان کی جنگ جس انداز میں لڑی گئی۔ اس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا اور بے شمار پاکستانی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھا۔

یہاں تک کہ یحییٰ خان نے آخری روز بھی قوم کو یہ کہہ کر دھوکا دینے کی کوشش کی کہ ہم مشرقی پاکستان ہار چکے ہیں۔ مگر مغربی محاذ پر فتح کے حصول تک جنگ جاری رہے گی۔ اور یہ جنگ صرف ایک روز جاری رہی۔

---

[۲۸]: دی لیسنر ۶ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۸۔

[۲۹]: بحوالہ فضل مقیم ص ۱۵۹۔

[۳۰]: دی آؤٹ لک" ویکلی کراچی ۲۵ مئی ۱۹۷۲ء ص ۸۔

Marfat.com

اگرچہ یحییٰ خان نے اپنی حکومت کو جمہوری رنگ دینے کے لیے جناب نور الامین اور بھٹو کو وزیر اعظم اور ڈپٹی وزیر اعظم مقرر کر رکھا تھا مگر جیسا کہ نامزد وزیر اعظم نے بعد میں انکشاف کیا۔ یحییٰ خان کسی کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔[۳۱] جنگ میں یحییٰ خان کی دلچسپی کا احوال نامزد وزیر اعظم کے ایک بیان سے ظاہر ہے۔ جس کے مطابق اس موقع پر جب ڈھاکہ کے در و بام جل رہے تھے اور جنگ زوروں پہ تھی۔ وہ غیر معمولی رنج و غم کی حالت میں صدر سے ملاقات کے لیے گئے تو یحییٰ خان، چیف آف سٹاف جنرل عبدالحمید کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف مزے کر رہے تھے۔ جنگ کے بارے نور الامین کے استفسار پہ یحییٰ خان کا جواب یہ تھا کہ "ہم مجبور ہیں۔ مگر جنگ جاری رہے گی۔"[۳۲] اگلے روز فوج نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیئے۔

تاہم پاکستان کی فوجی ناکامی کا سب سے اہم سبب " بری فوج، بحریہ اور فضائیہ کے درمیان رابطے اور ہم آہنگی کا فقدان تھا۔[۳۳] ۱۹۷۱ء میں پاک بحریہ کے سربراہ ایڈمرل مظفر حسین نے بھی ایک انٹرویو میں الزام لگایا ہے کہ پاک بحریہ پہ بھارتی میزائل بردار کشتی کے حملہ کے دوران بار بار درخواست کے باوجود انہیں فضائی تحفظ فراہم نہ کیا گیا۔ ۸ دسمبر کو ایک بار پھر جب بھارتی بحریہ اور فضائیہ نے کراچی پہ حملہ کر کے پاک بحریہ کے دو جہاز ڈبو دیئے تو فضائی تحفظ سے انکار کر دیا گیا اور یوں پاکستان اور کراچی کی بندرگاہ کو بھارتی افواج کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا گیا۔[۳۴]

۳۱۔ نور الامین کا انٹرویو ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۴ تا ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ اس طرح کے کئی واقعات شائع ہو چکے ہیں جن سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہماری تینوں دفاعی افواج ہم آہنگی کے فقدان کا شکار تھیں۔ ہفت روزہ "صحافت" لاہور ۲۶ اکتوبر تا ۱ نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۱-۲۲۔

Marfat.com

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے پاکستانی فوجیں خاص طور پر مشرقی محاذ پر نفری کے اعتبار سے بھارتی افواج کے مقابلے میں کہیں کم تھیں۔ دی سٹرٹیجک سروے ۱۹۷۱ء کے مطابق دونوں ملکوں کے فوجی توازن کی تفصیل یہ تھی۔[35]

رقبہ اور فوجوں کی بھرتی

	ریگولر فورسز ڈویژن	آرمی مین پاور[36]	ائیر فورس مین پاور	ائیر کرافٹ ٹینک	فائٹرز[38]	بمبرز
مشرق						
بھارت	۸	۱۶۰,۰۰۰[37]	۲۰,۰۰۰	۱۸۰	۱۵۰	۱۲
پاکستان	۴	۷۳,۰۰۰	۱,۷۰۰	۱۰۰	۱۸	–
مغرب						
بھارت	۱۳	۳۲۰,۰۰۰	۶۰,۰۰۰	۱,۲۷۰	۳۳۵	۴۰
پاکستان	۱۲	۲۴۰,۰۰۰	۱۵,۳۰۰	۷۰۰	۱۹۰	۲۵

۳۵ :۔ دی سٹرٹیجک سروے لندن ۱۹۷۱ء ص ۵۲۔

۳۶ :۔ مکتی باہنی کے بے قاعدہ سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو سکتی ہے۔ مگر ان میں سے شاید صرف نصف نے بھارتی فوجوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی ہوگی۔ پاکستان کے بے قاعدہ فوجیوں کی تعداد (رضا کاروں کے علاوہ) بیس ہزار تھی۔

۳۷ :۔ اس تعداد میں پچھلے علاقوں میں موجود ۶۵ ہزار فوجیوں پر مشتمل امدادی دستوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۸ :۔ ان میں فائٹرز، بمبرز اور انٹرسپیٹر دونوں شامل ہیں۔

Marfat.com

نیوی کی بھرتی II

	ایئر کرافٹ کیریئر	کروزرز	ایسکورٹس	میزائل پٹرول بوٹس	دوسری پٹرول کرافٹس	مائن سویپرز	سب میرینز	نیول کمبیٹ ائر کرافٹ
بھارت	۱	۲	۲۲	۱۲	۱۹	۸	۴	۴۷
پاکستان	-	۱	۷	-	۱۶	۸	۴	-

Marfat.com

جنرل نیازی کے پیش کردہ اعداد و شمار جنہیں بہر حال مذکورہ بیان سے زیادہ دقیع قرار دیا جاتا ہے درج ذیل ہیں :۔[39]

	بھارت	پاکستان
انفنٹری اور ماؤنٹین ڈویژن	۱۰	۳-۱/۲
پلاٹون کی تعداد	۱۰۴	۳۲
نیم فوجی بریگیڈز	۱	-
بارڈر سیکورٹی فورسز (پلاٹون)	۲۹	-
مکتی باہنی بریگیڈز	۳	-
بھارتی فوج کے تربیت یافتہ مکتی باہنی بریگیڈز اور گوریلے	۱۰۰,۰۰۰	-
ٹینک رجمنٹیں	۵	۱
آرمڈ بٹالین	۲	-
آرٹلری رجمنٹیں	۵۰	۷
فائٹرز بمبرز (سکواڈرن)	۱۰	۱
ہیلی کاپٹر	۱۲۰	۴
ایئر کرافٹ کیریئر	۱	
بحری جنگی جہاز	۱۳	گن بوٹس ۴

[39] :۔ ماہنامہ "حکایت" لاہور مارچ ۱۹۷۸ء ص ۳۵ ملاحظہ ہو جنرل نیازی کا مضمون

Marfat.com

بہرحال پاک فوج کو درپیش حالات، سازوسامان کی کمی، منصوبہ بندی کی خامیوں اور مقامی آبادی کے معاندانہ رویے اور ایسے کئی دیگر عوامل کی موجودگی میں پاکستان کی شکست کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں تھی۔

کئی غیر ملکی مبصرین، جن میں جنرل اروڑہ بھی شامل ہیں، اس خیال سے متفق ہیں، کہ ہتھیار پھینکتے وقت پاکستانی افواج کے پاس جتنا اسلحہ اور خوراک کا سامان تھا، اس کی مدد سے وہ آئندہ کچھ مہینوں تک بھارتی فوجوں کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ ان کی رائے میں پاکستان کی شکست جرنیلوں کی خام منصوبہ بندی اور معاملہ فہمی کی کمی کا نتیجہ تھی۔ لڑائی کے پہلے چند دنوں ہی میں اس کا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جنگ کے اختتام پر بھی پاکستانی افواج خاصی مضبوط تھیں اور جن مقامات پر ان کی تعداد کافی تھی۔ وہاں کئی ہفتوں یا شاید مہینوں کے لئے سامان رسد اور اسلحہ موجود تھا۔ ان کے لئے ڈھاکہ میں کافی عرصہ کے لئے ڈٹا رہنا شاید کوئی مشکل کام نہ تھا۔ جب جنرل نیازی نے ۱۶ دسمبر کو بھارتی فوج کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے تو اس وقت تک پاکستانی افواج کے وسائل حرب ختم نہیں ہوئے تھے۔ البتہ لڑنے کا عزم ختم ہوچکا تھا۔[۴۰] جنرل فضل مقیم کے مطابق "اگر دستیاب وسائل سے صحیح کام لیا جاتا اور جغرافیائی عوامل کا پورا فائدہ اٹھایا جاتا تو مزید چھ سے آٹھ ہفتوں تک ڈھاکہ کا کامیاب دفاع کیا جا سکتا تھا۔"[۴۱]

جنرل اروڑہ نے ۱۸ دسمبر کو کہا کہ "اگر پاکستان اپنی فوجوں کو دریائے میگھنا اور مدھومتی کے درمیان مجتمع کر لیتا تو جنگ کئی ماہ تک جاری رہ سکتی تھی۔"[۴۲] اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ

---

۴۰ :۔ دی سٹرٹیجک سروے ص ۵۰۔

۴۱ :۔ بحوالہ فضل مقیم ص ۱۹۱

42. Keesings, op. cit., 20-27 November, pp. 24953-55.

Marfat.com

جب پاکستانی فوج کے پاس کئی ہفتوں تک مزاحمت کے وسائل موجود تھے تو اس نے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ہتھیار کیوں ڈالے؟ راقم الحروف کو فوجی امور پر عبور کا کوئی دعویٰ نہیں۔

تاہم اس موضوع پر بین الاقوامی تبصروں کا نمایاں نکتہ یہ تھا کہ "پاکستان کو اس علاقے سے جو اب بنگلہ دیش ہے بزور قوت محروم کیا گیا تھا۔"[۴۳] چنانچہ بھارت اپنے علاقے میں ایک اور ریاست کا اضافہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بنگلہ دیش کے قیام سے کوئی خود مختار ر... وجود میں نہیں آئی۔ بھارت کی مشرقی پاکستان میں آمد انسانی خدمت یا اخلاقی تقاضو... کے پیشِ نظر نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد مشرقی پاکستان کو اپنی نو آبادی بنا کر ... کا معاشی استحصال کرنا تھا۔[۴۴]

اقوام متحدہ کا کردار: پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ میں کئی کوششیں کی گئیں۔ مگر یہ کوششیں زیادہ تر نیم دلانہ تھیں۔ مشرقی پاکستان میں جنگ کا آغاز ۲۲ نومبر کو ہوا۔ یہ جنگ ۳ دسمبر کو مغربی محاذ تک پھیل گئی۔ مگر ۴ دسمبر تک اقوام متحدہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور اس کی طرف سے کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ ۴ دسمبر کو ارجنٹائن نے سیکورٹی کونسل کے سات اور رکن ممالک کے تعاون سے سیکورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلانے کی قرارداد پیش کی۔ اس اجلاس میں امریکہ نے ایک مسودہ قرارداد پیش کیا جس میں جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قرارداد میں سرحدوں پر اقوام متحدہ کے مبصرین کی تعیناتی کی تجویز بھی پیش کی گئی تھی۔ اس قرارداد کو روس نے ویٹو کر دیا۔[۴۵]

۴ دسمبر کو روس نے ایک مسودہ قرارداد پیش کیا جس میں مشرقی پاکستان میں سیاسی

---

43. Dirorio De Naticial, Lisbon, 28 March 1972.

۴۴۔ دی سنڈے ٹائمز لاگوس ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء

45. U.S. Security Council Draft Resolution (S/10416).

Marfat.com

سمجھوتے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ سیاسی سمجھوتے کا لازماً نتیجہ جنگ کے خاتمے کی صورت میں برآمد ہوگا۔[46] پولینڈ نے اس قرارداد کی حمایت کی جبکہ سکیورٹی کونسل کے دوسرے ۱۲ اراکین نے ووٹنگ میں حصہ نہ لیا۔ اگر پاکستان اس قرارداد کو تسلیم کر لیتا تو اس قرارداد کا نتیجہ جنگ بندی اور مشرقی پاکستان میں سیاسی سمجھوتے کی صورت میں برآمد ہو سکتا تھا جن کی پاکستان کو شدید ضرورت تھی۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے بعد پاکستان نے بھی، امریکی دباؤ کے تحت ہی سہی، سیاسی سمجھوتے کی ضرورت تسلیم کر لی تھی۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے امریکی سفارت کاروں کی معرفت جلاوطن بنگالی لیڈروں سے مذاکرات کا آغاز ہو چکا تھا۔ چنانچہ پاکستان کے نقطۂ نظر سے سیاسی سمجھوتہ کوئی قابلِ اعتراض اقدام نہیں تھا اور اگر یہ قرارداد تسلیم کر لی جاتی تو پاکستان بے مثال ہزیمت سے بچ جاتا۔ لیکن ہوا یہ کہ چین نے قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ ظاہر ہے اسے اسلام آباد کی تائید حاصل تھی۔ اس طرح پاکستان نے قیامِ امن کا ایک زریں موقع کھو دیا۔

یہ امر ناقابلِ فہم ہے کہ جب پاکستان کو اس امر کا ادراک ہو چکا تھا کہ وہ جنگ کے میدان میں بھارت کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا تو اس نے امن کے قیام کے لئے اقوامِ متحدہ کا دروازہ کیوں نہ کھٹکھٹایا؟ پاکستان کی طرف سے اقوامِ متحدہ سے رابطہ میں تاخیر نے اس کے دوست ممالک کو یہ تاثر دیا کہ پاکستان فوجی طور پر مضبوط ہے اور کسی دباؤ کے بغیر جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پہ پاکستان کے بارے میں یہ تاثر بھی نہ ابھر سکا کہ اسے جارحیت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ اس موقع پر بھٹو نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی ترجمانی کا حق ان سے بہتر کوئی نہیں ادا کر سکتا، پاکستان کو جنگ کی صورت میں فوری طور پہ سلامتی کونسل کے پاس نہ

---

46. U.N. Security Council Draft Resolution (S/10418).

جانے کا مشورہ دیا تھا۔[۴۷] تاہم انہوں نے اپنے فیصلے کی منطق بیان نہیں کی تھی۔ بعدازاں پاکستان کی سیاسی جماعتوں نے بھٹو پر نکتہ چینی کی اور انہیں اقوام متحدہ میں تاخیری حربوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو کی معزولی کے بعد یحییٰ خان نے بھی الزام لگایا کہ اقوام متحدہ میں بھٹو نے حکومت کی ہدایات کے خلاف عمل کیا تھا مگر سوال یہ ہے کہ روسی قرارداد اقوام متحدہ میں بھٹو کی آمد سے پہلے پیش کر دی گئی تھی اور یحییٰ خان کو اسے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع تھا حالانکہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کی عسکری استعداد کا اندازہ ان سے زیادہ کسے ہو سکتا تھا؟ اس روز چین نے بھی ایک قرارداد پیش کی جسے واپس لے لیا گیا۔ ارجنٹینا کی قرارداد کو جسے سات اور ممالک کی حمایت حاصل تھی، روس نے ویٹو کر دیا۔ یہ قرارداد اپنے مندرجات کے اعتبار سے امریکی قرارداد کے قریب تھی۔ روس نے ایک اور قرارداد ویٹو کی جس میں جنگ بندی کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان سے دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان کے عوام کے استصواب کے مطابق فوری سیاسی سمجھوتے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[۴۸] قرارداد میں پاکستانی فوجوں کی واپسی کا بھی طریق کار پیش کیا گیا تھا مگر پاکستان کی عدم دلچسپی کی بناء پر قرارداد پر ووٹ نہ ڈالے جا سکے۔ اگر پاکستان اس قرارداد کی منظوری کے لئے دباؤ ڈالتا تو اس قرارداد کی منظوری کے امکانات تھے اور روسی دباؤ کے تحت اس پر عملدرآمد بھی ممکن ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد اقوام متحدہ کے متعینہ ضوابط کے تحت یہ مسئلہ جنرل اسمبلی میں منتقل کر دیا گیا۔ ۴۳ ممالک کی طرف سے پیش کردہ نظر ثانی شدہ قرارداد پر سات دسمبر کو بحث شروع ہوئی۔ قرارداد میں، فوری جنگ بندی اور ایک دوسرے کے علاقوں سے اپنی سرحدوں

۴۷۔ ڈان ۲۴ نومبر ۱۹۷۱ء

48. Security Council Resolution (S/10418).

Marfat.com

کے اندر فوجوں کی واپسی" کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[49] قرارداد ۱۰۴ ووٹوں کی بھرپور اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ صرف ۱۱ ممالک نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔ پاکستان نے قرارداد تسلیم کر لی مگر بھارت تین روز تک اس پہ غور و خوض کرتا رہا۔ تین روز کے بعد بھارت نے قرارداد کی منظوری کے لیے مشرقی پاکستان سے پاکستانی فوج کی واپسی کی پیشگی شرط عائد کر دی۔ یہ دراصل ایک تاخیری حربہ تھا۔ چنانچہ امریکہ نے سلامتی کونسل میں ایک اور قرارداد پیش کی جس میں بھارت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ جنرل اسمبلی کی قرارداد کے مطابق فوری طور پہ جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کو تسلیم کرے۔[50] اس قرارداد کو بھی روس نے ویٹو کر دیا۔

اگلی قرارداد جو اس سلسلہ کی آٹھویں قرارداد تھی، پولینڈ نے پیش کی۔ اس وقت تک بھٹو بھی اقوام متحدہ میں پہنچ چکے تھے۔ قرارداد میں اقتدار قانونی طور پہ منتخب عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے اور اس عمل کے آغاز کے ساتھ ہی تمام علاقوں میں فوجی کارروائی روکنے اور ۷۲ گھنٹوں کی ابتدائی جنگ بندی کی تجویز پیش کی گئی تھی۔[51] قرارداد میں مشرقی پاکستان سے مسلح افواج اور مغربی پاکستانی شہریوں کے انخلاء کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ بھارتی فوجیں اس وقت تک ڈھاکہ میں داخل ہونے کے لئے پر تول رہی تھیں۔ مگر پھر بھی پاکستان نے اس قرارداد میں کوئی دلچسپی نہ لی اور اس کی بجائے ہتھیار ڈالنے کے لئے بھارت کے ساتھ مذاکرات کو ترجیح دی۔ "اس قرارداد پہ ووٹنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔ لیکن اگر پاکستان اس میں کسی بھی دلچسپی کا اظہار کرتا تو یہ منظور ہو سکتی تھی۔"[52]

---

49. U.N. General Assembly Resolution (273 XXVI).

50. Security Council Draft Resolution (S/10446. Rev. 1).

51. Security Council Draft Resolution (S/10453. Rev. 1).

۵۲۔ دی آؤٹ لک کراچی ۲۵ نومبر ۱۹۷۲ء ص ۱۰۔

Marfat.com

بھٹو نے جو کہ اس امر سے آگاہ تھے کہ پاکستان جنگ ہار چکا ہے۔ ۱۵ دسمبر کو سلامتی کونسل میں حسب معمول ایک جذباتی اور طویل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ "یہاں رہنا میری اور میرے ملک کی توہین ہے .... جارحیت .... ناجائز قبضہ .... میں اس میں فریق نہیں بن سکتا ہم واپس جائیں گے اور لڑیں گے۔ اقوام متحدہ کا مدعا یہ رہا ہے کہ ڈھاکہ کا سقوط ہونے دیا جائے میں یہاں اپنا وقت کیوں ضائع کروں؛ میں اپنے ملک واپس جاؤں گا اور جنگ کروں گا۔" اس تقریر کے باوجود بھٹو ۱۸ دسمبر تک نیو یارک میں براجمان رہے۔ یہاں تک کہ یحییٰ خان نے انہیں پاکستان آکر اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی[۵۳]

امر واقعہ یہ ہے کہ سلامتی کونسل کا رویہ ایسا تھا جیسے وہ معاملے کو اس وقت تک طول دینا چاہتی ہو جب تک پاکستانی افواج ہتھیار نہیں ڈال دیتیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کی کارروائی میں مطلوبہ دلچسپی کا اظہار کیا اور نہ ہی جنگ بندی کی کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ اس کے برعکس پاکستان نے کسی معقول وجہ کے بغیر تنازعہ کے پرامن تصفیہ کے کئی ایسے قیمتی مواقع ضائع کر دیئے جن کو بروئے کار لا کر قوم کو اس انجام سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا۔ اس وقت اقتدار کے قریب بعض ذرائع اس امکان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ فوجی حکومت کا منشا یہی تھا کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال کر مغربی پاکستان میں اپنا اقتدار جاری رکھا جائے مگر شاید وہ ہتھیار ڈالنے کے نتائج و عواقب سے آگاہ نہیں تھے۔

نتیجہ ظاہر!!

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد چیف آف آرمی سٹاف نے جی۔ایچ۔کیو میں فوجی افسروں سے خطاب کیا۔ جب انہوں نے شکست کے اسباب پر روشنی ڈالنی چاہی تو حاضرین کے تیور بگڑ گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ نوجوان فوجی افسروں کے دل و دماغ میں جذبات کا لاوا

---

[۵۳] دی آؤٹ لک کراچی ۲۵ نومبر ۱۹۷۴ء ص ۱۳۔

Marfat.com

پک رہا ہے اور وہ آمادۂ بغاوت ہیں۔ مگر اس سے بھی یحییٰ خان کی آنکھیں نہ کھلیں۔ وہ ایک خود ساختہ آئین کے تحت اپنی صدارت میں ایک سیاسی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کا ارادہ جنرل حمید کو کمانڈر ان چیف بنانے کا تھا۔ ۱۸ دسمبر کو متحدہ مخلوط پارٹی نے یحییٰ خان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ اسی روز نورالامین نے صدر سے ملاقات کی اور جیسا کہ انہوں نے بعد میں بتایا[۵۴]، یحییٰ خان کے چہرے پر ملال کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ انہوں نے نہایت پرسکون انداز میں نورالامین کو بتایا کہ وہ بھٹو کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کے بعد آئین کے تحت کابینہ تشکیل دے دی جائے گی۔ یہ آئین ۱۷ دسمبر کو جاری کیا گیا[۵۵] اور بے پناہ عوامی دباؤ کے پیشِ نظر اگلے روز ہی واپس لے لیا گیا۔ یہ ایک پارلیمانی آئین تھا اور اس میں افواجِ پاکستان کو خصوصی تحفظات فراہم کئے گئے تھے۔

سقوطِ ڈھاکہ کی خبر مغربی پاکستان کے عوام پر بجلی بن کر گری اور وہ احتساب کے نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ فوج پہلے ہی انتشار کا شکار ہو چکی تھی۔ ائر مارشل رحیم خان کی سرکردگی میں جرنیلوں کے ایک طاقتور گروپ نے صدر کو مجبور کیا کہ وہ استعفیٰ دے دیں۔ یحییٰ خان استعفیٰ دینے پر رضامند ہو گئے مگر فوج میں موجود دوسرے گروپ کا اصرار تھا کہ اقتدار فوج ہی کے پاس رہے اور یحییٰ خان کی جگہ جنرل حمید کو دے دی جائے۔ ملک ٹوٹ چکا تھا۔ اقتدار کی ہوس بدستور موجود تھی۔ جب تنازعہ حد سے بڑھ گیا اور معاملے نے نازک صورت اختیار کر لی تو ائر مارشل رحیم خان نے اپنا آخری پتّہ پھینکا۔ انہوں نے حکم دیا کہ میراج طیاروں کی پے در پے پروازوں کے ذریعے صدارتی محل کے در و دیوار

۵۴۔ انٹرویو نورالامین ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۴، ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء

۵۵۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو صفدر محمود، "کانسٹی ٹیوشنل فاؤنڈیشنز آف پاکستان" ۱۹۷۵ء

ہلا دیئے جائیں۔ یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ اور خانہ جنگی کے امکانات سے خائف جرنیلوں نے اقتدار چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔[۵۶] بھٹو جب وطن واپس پہنچے تو صدارت اور چیف مارشل لاء کی کرسی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

ملک دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔ پاکستانی فوج ہندوستان کی قیدی بن چکی تھی۔ ڈھاکہ میں آزادی کا جشن منایا جا رہا تھا۔ جبکہ مغربی پاکستان کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی اور پوری قوم خود کو مجروح محسوس کر رہی تھی۔ تاریخ نے انہیں ایسی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا جس کا تصور بھی محال تھا۔ اس پس منظر نے پوری قوم کی نفسیات پہ گہرے اثرات مرتب کئے اور یوں پاکستان کی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا۔

سانحہ مشرقی پاکستان کیونکر رونما ہوا؟ اس پہ غور کیجئے اور اپنی تاریخ سے سبق حاصل کیجئے۔ کیونکہ جو قوم اپنی تاریخ فراموش کر دیتی ہے۔ اس کا جغرافیہ اسے فراموش کر دیتا ہے۔

۵۶۔ دی نیوز ویک ۳ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۷۔

Marfat.com

Marfat.com

کتابیات

۱۔ احمد، فرید دی سن بی ہائینڈ دی کلاؤڈز، ڈھاکہ (این ڈی)

۲۔ اکنداسفراے۔ "ایسٹ پاکستان اینڈ پولیٹکس آف ریجنلزم" غیر مطبوعہ پی۔ایچ۔ڈی مقالہ، ڈینور یونیورسٹی ۱۹۷۰ء

۳۔ اختر جمناداس "دی ساگا آف بنگلہ دیش" اورینٹل پبلشرز، دہلی ۱۹۷۱ء

۴۔ ایلن کیمپبل جانسن، مشن وِد ماؤنٹ بیٹن، رابرٹ میل لیمٹڈ، لندن ۱۹۵۱ء

۵۔ اٹویل، ڈونلڈ لوکھرٹ، مشرقی پاکستان: اے سٹڈی ان پولیٹکل جیوگرافی۔ غیر مطبوعہ پی۔ایچ۔ڈی DESSERTATION کلارک یونیورسٹی وورسسٹر میسیچوسٹس۔

۶۔ ایوب خان۔ ایم، فرینڈز ناٹ ماسٹرز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۷ء

۷۔ آزاد ایم۔ اے۔ کے۔ انڈیا ونز فریڈم۔ لونگ مینز بمبئی ۱۹۶۰ء

۸۔ عزیز، قطب الدین۔ مشن ٹو واشنگٹن، یونائیٹڈ پریس آف پاکستان کراچی۔

۹۔ بینرجی، ڈی این مشرقی پاکستان اے کیس سٹڈی ان مسلم پولیٹکس وقاص پبلی کیشنز دہلی ۱۹۶۹ء

۱۰۔ بنگا بندھو سپیکس۔ اے کولیکشن آف سپیچز اینڈ سٹیٹ منٹس آف مجیب الرحمٰن۔ منسٹری آف فارن افیئرز، ڈھاکہ۔

۱۱۔ بنگلہ دیش ڈاکومنٹس (جلد اول و دوم) منسٹری آف ایکسٹرنل افیئرز گورنمنٹ آف انڈیا (۱۹۷۱ء و ۱۹۷۲ء)

۱۲۔ بھارگوا، جی، ایس "سکیس آر سرنڈر" سٹرلنگ پبلشرز پی۔وی۔ٹی لمیٹڈ نئی دہلی ۱۹۷۲ء

۱۳۔ بھارگوا، جی ایس۔ پاکستان ان کرائسس، وقاص پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۷۲ء (دوسرا ایڈیشن)

۱۴۔ بھارگوا، جی ایس، کرشن انڈیا، انڈین سکول سپلائی ڈپو، دہلی ۱۹۷۲ء

Marfat.com

۱۵۔ بھٹ نگار، دائی بنگلہ دیش۔ آئی ایس ایس ڈی پبلی کیشنز، دہلی ۱۹۷۱ء

۱۶۔ دائی مجیب، دی آرکیٹیکٹ آف بنگلہ دیش۔ آئی ایس ایس ڈی پبلی کیشنز دہلی ۱۹۷۱ء

۱۷۔ بھٹاچرجی، آرن، ڈین لائن مجیب الرحمٰن، انڈیا ۱۹۷۳ء

۱۸۔ بھٹو۔ زیڈ۔ اے۔ دی گریٹ ٹریجڈی، پیپلز پارٹی پبلی کیشنز کراچی ۱۹۷۱ء

۱۹۔ بھٹو، زیڈ۔ اے۔ دی متھ آف انڈی پنڈنس، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی ۱۹۶۹ء

۲۰۔ برڈ ووڈ، لارڈ۔ اے کنٹی نینٹ ڈیسائڈز۔ رابرٹ ہیل لمیٹڈ۔ لندن ۱۹۵۳ء

۲۱۔ برے بنتی، رالف۔ ریسرچ آن دی بیوروکریسی آف پاکستان ڈیوک یونیورسٹی پریس
ڈیورم، ۱۹۶۶ء

۲۲۔ برک، ایس ایم۔ پاکستانز فارن پالیسی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی ۱۹۷۳ء

۲۳۔ کالارڈ، کیتھ "پاکستان: اے پولیٹیکل سٹڈی"۔ جی۔ ایلن اینڈ اَن وِن لمیٹڈ۔ آکسفورڈ
یونیورسٹی پریس کراچی ۱۹۶۹ء

۲۴۔ چن لنکسن سی۔ ڈیساسٹر ان بنگلہ دیش۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۷۳ء

۲۵۔ چندرا، پرابودھ، بلڈ باتھ ان بنگلہ دیش، ادارش پبلی کیشنز نیو دہلی ۱۹۷۱ء

۲۶۔ چوہڑا، پران۔ (ایڈ) دی چیلنج آف بنگلہ دیش۔ پاپولر پراکاشان، نیو دہلی ۱۹۷۱ء

۲۷۔ چوہدری، جی ڈبلیو۔ دی لاسٹ ڈیز آف یونائیٹڈ پاکستان سی ہرسٹ اینڈ کمپنی لندن ۱۹۷۴ء

۲۸۔ چوہدری، جی ڈبلیو۔ ڈاکومنٹس اینڈ سپیچز آن دی کانسٹی ٹیوشن آف پاکستان، ڈھاکہ
۱۹۶۷ء

۲۹۔ چوہدری، جی ڈبلیو۔ انڈیا، پاکستان اینڈ میجر پاورز

۳۰۔ فضل مقیم خان (میجر جنرل ریٹائرڈ)، پاکستانز کرائسس ان لیڈرشپ نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد، ۱۹۷۳ء

۳۱۔ فیلڈ مین، ہربرٹ۔ فرام کرائسس ٹو کرائسس آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۷۱ء

Marfat.com

۳۲۔ فیلڈہین، ہربرٹ۔ دی اینڈ اینڈ دی بگننگ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی ۱۹۷۶ء

۳۳۔ گاندھی، اندرا۔ انڈیا اینڈ بنگلہ دیش، اورینٹ لونگ مین دہلی ۱۹۷۲ء

۳۴۔ گرفن کتھ اینڈ عزیزالرحمٰن، گروتھ اینڈ ان ایکوالٹی ان پاکستان، میک ملن لنڈن ۱۹۷۲ء

۳۵۔ ہوڈسن، ایچ وی، دی گریٹ ڈیوائڈ ہچی سن لنڈن ۱۹۶۹ء

۳۶۔ ہمایوں، سید، شیخ مجیب الرحمٰن زسکس پوائنٹ فارمولا" غیر مطبوعہ ایم۔ اے کا مقالہ پولیٹیکل سائنس ڈیپارٹمنٹ، کراچی یونیورسٹی ۱۹۷۳ء

۳۷۔ انڈیا اینڈ بنگلہ دیش سلیکٹڈ سپیچز اینڈ سٹیٹ منٹس آف اندرا گاندھی۔ اورینٹ لونگ مین دہلی ۱۹۷۲ء

۳۸۔ جیک سن، رابرٹ، ساؤتھ ایشیا کرائسس، چیٹو اینڈ ونڈس لنڈن ۱۹۷۵ء

۳۹۔ کالب ماردن، اینڈ برنارڈ کالب کسنجر، لٹل براؤن اینڈ کمپنی بوسٹن۔ ٹرنٹو، ۱۹۷۴ء

۴۰۔ قمرالدین احمد، دی سوشل ہسٹری آف ایسٹ پاکستان، کریسنٹ بک سنٹر ڈھاکہ ۱۹۶۷ء

۴۱۔ خالد بن سعید، دی پولیٹیکل سسٹم آف پاکستان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۷ء

۴۲۔ خان سعداللہ، ایسٹ پاکستان ٹو، لارٹائمز پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۵ء

۴۳۔ خورشید احمد، پاکستان، بنگلہ دیش اینڈ پولٹکس آف ساؤتھ ایشیا، نورسی پبلی کیشنز کراچی۔ ۱۹۷۳ء

۴۴۔ کابل، جوزف۔ ڈینجر ان کشمیر، پرنسٹن یونیورسٹی پریس ۱۹۶۶ء

۴۵۔ لوشاک، ڈیوڈ۔ پاکستان کرائسس، ہنیمان، لنڈن ۱۹۷۱ء

۴۶۔ میجمدار، رمیندو۔ بنگلہ دیش، مائی بنگلہ دیش، اورینٹ لونگ مین، دہلی ۱۹۷۲ء

۴۷۔ منان، ایم۔ اے، اکنامک پرابلمز اینڈ پلاننگ ان پاکستان، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۹ء

۴۸۔ میکارنہاس، انتھونی، دی ریپ آف بنگلہ دیش۔ وقاص پبلی کیشنز دہلی ۱۹۷۱ء

۴۹۔ منون، دی پی۔ دی ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء

Marfat.com

۵۰۔ محمد عباس علی، دی سالویشن آف الیسٹ پاکستان، سیالکوٹ ۱۹۷۱ء

۵۱۔ محمد علی، چوہدری۔ دی امیر جنس آف پاکستان کولمبیا یونیورسٹی پریس ۱۹۶۷ء

۵۲۔ محمد ایوب ہ کے۔ سبرامینیم۔ دی لبریشن آف وار، ایس چاند اینڈ کمپنی نیو دہلی ۱۹۷۲ء

۵۳۔ محمد ایوب اینڈ ادرز۔ بنگلہ دیش اے سٹرگل فار نیشن ہڈ۔ وقاص پبلی کیشنز دہلی ۱۹۷۱ء

۵۴۔ موسلے، لیونارڈ۔ دی لاسٹ ڈیز آف برٹش راج، لندن ۱۹۶۲ء

۵۵۔ مفتی، مسعود۔ لمحے (اردو) پوسٹ بکس نمبر ۱۲۹۳ اسلام آباد ۱۹۷۸ء

۵۶۔ مشتاق احمد، گورنمنٹ اینڈ پولٹکس ان پاکستان، پاکستان پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۶۳ء

۵۷۔ نیک، جے اے، انڈیا، رشیا، چائنا اینڈ بنگلہ دیش، ایس چاند، نیو دہلی ۱۹۷۲ء

۵۸۔ نیئر، کلدیپ، دسٹنٹ نیبرز۔ وقاص پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۷۲ء

۵۹۔ نور احمد، سید، مارشل لاء سے مارشل لاء تک (اردو) ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۷ء

۶۰۔ پلیٹ، میجر جنرل۔ ڈی کے، ڈی لائٹننگ کمپین، انڈو پاک وار ۱۹۷۱ء۔ چانسن پریس نیو دہلی ۱۹۷۲ء

۶۱۔ پینی، رابرٹ۔ سیکرے، میک ملن کمپنی، نیویارک ۱۹۷۳ء

۶۲۔ پولیٹیکل پارٹیز، دیئر پالیسیز اینڈ پروگرامز۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ (این ڈی)

۶۳۔ قریشی، ڈاکٹر انور اقبال، بنگلہ دیش عزیز بک ڈپو لاہور ۱۹۷۳ء

۶۴۔ رفیق افضل، ایم۔ پولیٹیکل پارٹیز ان پاکستان، نیشنل کمیشن آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ اسلام آباد ۱۹۷۶ء

۶۵۔ رحمان ظفر، رانا۔ بنگلہ دیش اسٹیبلشمنٹ الیگل (لیگل سٹڈی آف انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس، جنیوا) فضل سنز لاہور ۱۹۷۲ء

۶۶۔ راجن، ایم ایس، انڈیا ان ورلڈ افیئرز۔ ایشیا پبلشنگ ہاؤس نیویارک ۱۹۸۴ء

۶۷۔ رضا، انور، یادوں کے جھروکے (اردو) اسلام آباد ۱۹۷۶ء

Marfat.com

۶۸۔ رضوی حسن عسکری۔ دی ملٹری اینڈ پولٹکس اِن پاکستان، پروگریسو پبلشرز، لاہور ۱۹۷۴ء

۶۹۔ رونق جہاں، پاکستان۔ فیلیور ان نیشنل انٹیگریشن، کولمبیا یونیورسٹی پریس ۱۹۷۲ء

۷۰۔ صفدر محمود، ڈاکٹر۔ کانسٹی ٹیوشنل فاؤنڈیشنز آف پاکستان۔ پبلشرز یونائیٹڈ، لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۰ء

۷۱۔ صفدر محمود، ڈاکٹر۔ پاکستان ڈیوائڈڈ، فیروز سنز پبلشرز

۷۲۔ سیجی دانا مرتی، کے انڈین فارن پالیسی سائنٹفک بک ایجنسی کلکتہ ۱۹۷۴ء

۷۳۔ صابر حسین، سید۔ لیفٹننگ شیڈوز، مجاہد پبلی کیشنز راولپنڈی ۱۹۷۰ء

۷۴۔ صدیقی، کلیم۔ کنفلکٹ، کرائسس اینڈ وار ان پاکستان، میک ملن لندن ۱۹۷۲ء

۷۵۔ سنگال، ڈیمو ڈار پی۔ پاکستان پرنٹس ہال انک، نیوجرسی ۱۹۷۲ء

۷۶۔ سبرامینیم کے۔ بنگلہ دیش اینڈ انڈیاز سیکورٹی۔ پلیٹ اینڈ ڈٹ پبلشرز، دہرادن ۱۹۷۲ء

۷۷۔ وہیلر، رچرڈ، ایس۔ دی پولٹکس آف پاکستان۔ اے کانسٹی ٹیوشنل کوئسٹ، کارنل یونیورسٹی پریس ۱۹۷۰ء

۷۸۔ ولکوکس، وینی۔ دی ایمرجنس آف بنگلہ دیش، امریکن انٹرپرائز انسٹی ٹیوٹ فار پبلک پالیسی ریسرچ، واشنگٹن ۱۹۷۳ء

۷۹۔ ولیمز، رش بروک۔ دی ایسٹ پاکستان ٹریجڈی، لندن ۱۹۶۲ء

۸۰۔ ولیمز، رش بروک۔ دی سٹیٹ آف پاکستان، فیبر اینڈ فیبر لندن ۱۹۶۲ء

۸۱۔ ظفر، ایس ایم۔ تھرو دی کرائسس، بک سنٹر، لاہور

۸۲۔ ظفر اللہ خان، محمد۔ دی ایجنی آف پاکستان۔ کنٹ پبلی کیشنز لندن ۱۹۷۴ء

۸۳۔ نعمان، ڈاکٹر حسن۔ ایسٹ پاکستان کرائسس اینڈ انڈیا۔ پاکستان اکیڈمی، ڈھاکہ ۱۹۷۱ء

۸۴۔ زائرنگ، لارنس۔ دی ایوب خان ایرا۔ سائرا کیوز یونیورسٹی پریس ۱۹۷۱ء

۸۵۔ زائرنگ، لارنس۔ دی فیلیور آف ڈیموکریسی ان پاکستان: ایسٹ پاکستان اینڈ دی سنٹرل گورنمنٹ غیر مطبوعہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ، کولمبیا یونیورسٹی۔ فیکلٹی آف پولیٹکل سائنس۔ ۱۹۶۲ء

Marfat.com

اخبارات، جرائد، دستاویزات، پمفلٹ وغیرہ

اداکار (اردو ہفت روزہ) لاہور۔

ایشین سروے۔

بنگلہ دیش آبزرور، دی ڈھاکہ۔

سیلون ڈیلی نیوز، کولمبو۔

کامرس ویکلی، دی بمبئی۔

ڈیلی ٹیلی گراف، دی

ڈان، دی، کراچی۔

ڈیبیٹس آف دی کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی آف پاکستان۔

ڈیبیٹس آف دی نیشنل اسمبلی آف پاکستان۔

اکانومسٹ، دی، لندن۔

ایوننگ سٹار، دی، واشنگٹن

فنانشنل ٹائمز، دی

فار ایسٹرن اکنامک ریویو، دی، ہانگ کانگ

گرسٹن، دی سٹاکہوم۔

گارڈین 'دی' لندن۔

حکایت (اردو ماہنامہ) لاہور

ہندو، دی مدراس

ہندوستان ٹائمز، دی، دہلی۔

ہولیڈے (ویکلی)، ڈھاکہ۔

Marfat.com

السٹراٹیڈ ویکلی آف انڈیا ، دی بمبئی ۔

انڈین ایکسپریس دی

انڈین نیشن دی بمبئے ۔

انٹرنیشنل افیئرز (میگزین) لندن ۔

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون ، دی پیرس ۔

آئرش ٹائمز دی

جنگ (اردو روزنامہ) ، کراچی اور راولپنڈی ۔

جسارت (اردو روزنامہ) کراچی

کیہان انٹرنیشنل ، دی تہران ۔

کینگز کنٹیمپوریری آرکیوز (۱۹۶۹ء - ۷۲ ۱۹ء)

لسنرز ، دی ، لندن ۔

لندن آبزرور ، دی لندن ۔

مینچسٹر گارڈین ، دی

مارننگ نیوز ڈیلی ، دی ، ڈھاکہ اینڈ کراچی ۔

مدرلینڈ ، دی ، نیو دہلی ۔

مساوات (اردو روزنامہ) لاہور

مسلم ، دی ، اسلام آباد

نیشنلسٹ ، دی ، تنزانیہ

نوائے وقت (اردو روزنامہ) لاہور

نیوز ویک ، دی (ویکلی)

نیویارک ٹائمز ، دی ۔

Marfat.com

نائجیرین ٹریبیون ، دی لیگوس۔
آرگنائزر ، دی ، دہلی۔
اٹاوہ گلوب اینڈ میل ،
آوٹ لک ، دی ، کراچی۔
پاکستان ہورائزن (سہ ماہی) کراچی
پاکستان آبزرور ، دی ، ڈھاکہ
پاکستان ٹائمز ، دی ، لاہور
پیکنگ ریویو ، دی
پیپل ، دی ، ڈھاکہ۔
پلاننگ کمیشن رپورٹس ، گورنمنٹ آف پاکستان۔
پراودا ، ماسکو۔
پریذیڈنٹ نکسن ز فارن پالیسی رپورٹ ٹو دی امریکن کانگریس (۱۹۷۲ء) یو۔ایس گورنمنٹ پرنٹنگ آفس واشنگٹن۔
ریڈیو کابل کنٹیونیوریری ، انگلش ورشن ، جاری کردہ پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ ، اسلام آباد۔
رپورٹ آف دی کنسٹی ٹیوشن کمیشن ۱۹۶۱ء گورنمنٹ آف پاکستان۔
صحافت (اردو ہفت روزہ) لاہور۔
شیخ مجیب الرحمٰن ، سکس پوائنٹ فارمولا آور رائیٹس ٹولیو ، ۱۹۶۶ء
ساؤتھ ایشین ریویو (میگزین)
سپیکٹیٹر ، دی
سٹیٹسٹیکل بولٹن ، گورنمنٹ آف پاکستان۔
سٹریٹیجک سروے ، لندن

سنڈے ٹائمز، دی، لندن۔

ٹیبلٹ، دی، لندن۔

ٹائم (میگزین)، نیویارک

ٹائمز ڈیلی، دی، لندن۔

ٹائمز آف انڈیا، دی، بمبئے۔

یو این جنرل اسمبلی ریزولیوشنز (دسمبر ۱۹۷۱ء)

یو این سیکورٹی کونسل پروسیڈنگز اینڈ ڈرافٹ ریزولیوشنز (نومبر اور دسمبر ۱۹۷۱ء)

اردو ڈائجسٹ، لاہور

یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ، دی

واشنگٹن پوسٹ، دی

یورک شائر پوسٹ، دی

زندگی (اردو ہفت روزہ)، لاہور۔

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۱

چھ نکاتی فارمولا کا متن

عوامی لیگ کے دستور میں شائع شدہ اصل اور ترمیم شدہ

نکتہ نمبر ۱

اصل آئین کو قرارداد لاہور پر مبنی ایک وفاق پاکستان اور ایک ایسے پارلیمانی نظام کا ضامن ہونا چاہیئے جس میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست منتخب ہونے والی مقننہ کو بالادستی حاصل ہے۔

ترمیم شدہ ملک کا طرزِ حکومت وفاقی اور پارلیمانی ہوگا۔ جس کے تحت وفاقی مقننہ اور صوبے کی مقننأوں کے لئے انتخابات براہِ راست اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔ وفاقی مقننہ میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر دی جائے گی۔

نکتہ نمبر ۲

اصل وفاقی حکومت کے پاس صرف دو محکمے یعنی دفاع اور امور خارجہ ہوں گے۔ جبکہ باقی تمام محکمے صوبوں کے زیرِ انتظام ہوں گے۔

ترمیم شدہ وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ اور ذیل میں درج شدہ نقطہ نمبر ۳ میں بیان کی گئی شرائط کے تحت کرنسی کے شعبے ہوں گے۔

نکتہ نمبر ۳

اصل (الف) دونوں صوبوں کے لئے علیحدہ مگر آسانی سے قابل بدل کرنسیوں کا اجراء کیا جائے۔

Marfat.com

(ب) تمام ملک کے لئے ایک ہی کرنسی مقرر کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں ملک کے مشرقی حصے سے مغربی حصے میں دولت کی منتقلی کو روکنے کے لئے آئین میں تصریحات کی جائیں۔ مشرقی پاکستان کے علیٰحدہ محفوظ مالیاتی ذخائر رکھے جائیں اور اس کے لئے الگ اقتصادی اور مالیاتی پالیسی طے کی جائے۔

ترمیم شدہ: ملک کے دونوں حصوں کی دو الگ الگ کرنسیاں ہوں جو باہمی طور پر یا آزادانہ طور پر قابلِ بدل ہوں یا پھر ملک کی ایک کرنسی کی صورت میں محفوظ مالیاتی ذخائر کا ایک وفاقی نظام ہوگا جس کے تحت علاقائی ریزرو بنک قائم کئے جائیں گے، جو ایک حصے سے دوسرے حصے میں وسائل اور سرمائے کی منتقلی کو روکنے کے ذمے دار ہوں گے۔

نکتہ نمبر ۴

اصل: ٹیکسوں کے نفاذ اور حصول کا اختیار صوبوں کو ہوگا اور یہ کہ وفاقی حکومت کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ فیڈریشن کو اپنے مطلوبہ اخراجات کے لئے ریاستی ٹیکسوں میں سے حصہ دیا جائے گا۔ وفاقی فنڈ تمام ریاستی ٹیکسوں پر لگائی جانے والی ایک متعینہ شرح پر مشتمل ہوگا۔

ترمیم شدہ: صوبے اپنی اقتصادی پالیسی خود تیار کریں گے۔ وفاقی حکومت کو دفاع اور امور خارجہ کی ضروریات کے لئے مطلوبہ مالیاتی وسائل دستیاب ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے وفاقی حکومت آئین میں طے شدہ طریق کار کے تحت متعینہ شرح اور انداز سے مالی وسائل خود بخود وضع کرنے کی مجاز ہوگی۔ متعلقہ آئینی تصریحات میں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ وفاقی حکومت کی مالی ضروریات اس انداز میں پوری کی جائیں کہ ایسا کرتے ہوئے صوبائی حکومتوں کا اپنی اقتصادی پالیسی پر کنٹرول متاثر نہ ہو۔

Marfat.com

نکتہ نمبر ۵

(۱) دونوں حصوں میں زرمبادلہ کی آمدن کے دو علیٰحدہ حسابات رکھے جائیں گے۔

اصل

(۲) مشرقی پاکستان کی آمدنی حکومت مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی آمدنی حکومت مغربی پاکستان کے زیرِ انتظام ہوگی۔ (۳) وفاقی حکومت کی زرمبادلہ کی ضروریات دونوں حصے مساویانہ طور پر کسی طے شدہ تناسب کے تحت پوری کریں۔ (۴) دونوں حصوں کے درمیان ملکی مصنوعات کی نقل و حمل ڈیوٹی کے بغیر ہوگی۔ (۵) آئین کے تحت صوبائی حکومتیں بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات کے اجراء، وہاں تجارتی مشنوں کے قیام اور ان کے ساتھ تجارتی سمجھوتے کرنے کی مجاز ہوں گی۔

ترمیم شدہ

آئین کے تحت صوبوں کی زرمبادلہ کی آمدن کے علیٰحدہ حسابات کا نظام قائم کیا جائے گا۔ جو کہ متعلقہ صوبے کی حکومت کے زیرِ متعلقہ صوبے کی حکومت کے زیر انتظام ہوں گے۔

وفاقی حکومت کی زرِمبادلہ کی ضروریات صوبائی حکومتیں آئین میں دیئے گئے طریق کار کے تحت متعینہ تناسب کی بنیاد پر پوری کریں گی۔ حکومتوں کو ملک کی خارجہ پالیسی جو کہ وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہوگی، کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے غیر ملکی تجارت اور امداد کے معاملات طے کرنے کا آئینی اختیار ہوگا۔

نکتہ نمبر ۶

اصل

مشرقی پاکستان کے لئے ملیشیا یا نیم فوجی فورس کا قیام۔

ترمیم شدہ

صوبائی حکومتیں قومی سالمیت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لئے ملیشیا یا نیم فوجی فورس قائم کرنے کی مجاز ہوگی۔

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۲

خصوصی انٹرویو:

راؤ فرمان علی سقوطِ پاکستان کے اہم گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں

(بشکریہ "نوائے وقت")

راؤ صاحب سانحۂ مشرقی پاکستان کے عینی شاہد ہیں۔ وہ سقوطِ ڈھاکہ اور اس سے قبل کے واقعات و حالات سے پوری طرح باخبر ہیں اور انہوں نے اپنے تجربے اور اس وقت اپنی پوزیشن کے پیشِ نظر سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب و واقعات پر روشنی ڈالی ہے اس انٹرویو میں انہوں نے بعض جگہ اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے اور بعض ایسے اسرار سے بھی پردہ اٹھایا ہے جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔ ذیل میں ان کا بالتفصیل انٹرویو دیا جا رہا ہے۔

راؤ فرمان علی خان :۔ مشرقی پاکستان کا مسئلہ سیاسی تھا اس کا حل فوجی نہیں تھا۔ میں فوجی ایکشن کے خلاف تھا۔ اس کے اثرات کیا ہوئے؟ یہ آپ سب کو معلوم ہے۔ گورنر احسن، جنرل یعقوب خان اور میرے، تینوں کے خیالات یہی تھے، کہ وہاں حالت کو فوج کے ذریعے قابو میں نہیں لایا جا سکتا۔ ان دنوں جب میں غیر ملکی اخباری نمائندوں سے بات کرتا تھا یا کوئی پبلک بیان دیتا تھا تو مجھے حکومت کا نکتۂ نظر اپنانا پڑتا تھا۔ ادھر چونکہ ملٹری ایکشن لیا گیا تھا اس لئے ہم نے اسے جائز قرار دیا اور کہا کہ یہ صحیح ہے۔ اس لئے جب آپ اس شخص سے بات کریں جو کسی پوزیشن پر ہو اور حکومت کا ترجمان ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کرے اور حکومت کی بات کرے۔ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر تو ہر چیز پر اظہارِ خیال کر سکتا ہوں۔ مگر یہاں بعض اوقات آپ سے اپنی ذاتی رائے کا اظہار کروں گا۔

Marfat.com

نوائے وقت :۔ ہماری اس گفتگو کا مقصد آپ کی ذاتی رائے کے علاوہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس وقت حکومت کی کیا مشکلات تھیں اور حکومت ان غلطیوں کا ارتکاب کیوں کر رہی تھی۔ جبکہ پوری قوم یہ سمجھ رہی تھی کہ ہم صحیح سمت کی طرف نہیں جا رہے اور پھر جب آپ ایک اہم پوزیشن پر تھے تو آپ کی بات کو کیوں نہیں سنا گیا؟ اور اس پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔ کیا سیاست دان حائل تھے یا کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ تھا؟ یا جو لوگ برسراقتدار تھے وہ آپ کے نقطۂ نظر کو ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں رہے تھے۔ آپ نے ابھی یہ کہا ہے کہ آپ اور گورنر احسن سمجھتے تھے کہ ان حالات کا صرف سیاسی حل تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ گورنر احسن کو ہٹا دیا گیا۔ جنرل یعقوب نے استعفیٰ دے دیا۔ جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ کی بات سمجھی نہیں جا رہی اور آپ کی سیاسی حل کی تجویز پر عمل نہیں ہو رہا۔ آپ کے دو سینئر ساتھیوں کا جو حشر ہوا اس کے بعد آپ کی کیا حیثیت تھی؟

راؤ فرمان علی :۔ ایک تو یہ کہ میں جونیئر تھا۔ دوسرے یہ کہ جنرل یعقوب خان سے بھی پوچھ لیجئے گا جس رات انہوں نے استعفیٰ دیا۔ اس رات جب میں اور جنرل خادم حسین راجہ کھانے کے بعد میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور جنرل یعقوب ٹیلی فون پر استعفیٰ دے رہے تھے تو ہم نے بھی ان کو آواز دے کر کہا تھا کہ آپ ہمارا بھی یہی پیغام پہنچا دیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور واپس آکر میز پر بیٹھ کر کہنے لگے اگر ہم سب ایسا کریں تو یہ اجتماعی فعل بغاوت ہو گی اور قومی نقطۂ نظر سے یہ صحیح کام نہ ہو گا۔ چونکہ ہم جونیئر تھے اس لئے ہم نے کہا کہ جو آپ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ فوج کا ایک قاعدہ ہے کہ ایک فوجی اپنے خیالات کا اظہار تو کر دیتا ہے اور اپنے سینئر کو بتا دیتا ہے کہ یہ اس کی رائے ہے، اس کے بعد اسے جو حکم ملتا ہے اسے پورا کیا جاتا ہے۔ اگر اختلافات کی وجہ سے فوج کے اندر فوراً استعفے دینے شروع کر دیئے جائیں تو میرا خیال ہے فوج بطور فوج باقی نہیں رہتی۔

نوائے وقت :۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ خالصتاً اس لحاظ سے فوجی معاملہ نہیں تھا۔ یہ ایک

Marfat.com

سیاسی بحران تھا جس کا آپ کے نزدیک حل سیاسی تھا اور اس لئے جنرل یعقوب خان نے بھی اس وقت استعفیٰ دیا تھا ورنہ اگر جنگ شروع ہو چکی ہوتی تو.....

راؤ فرمان علی :۔ ان کے استعفے کی وجوہات کچھ اور بھی تھیں۔ یہی نہیں کہ ان کی بات سیاسی طور پہ مانی نہیں جا رہی تھی بلکہ حالات ایسے خراب تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ صدر پاکستان ڈھاکہ آئیں لیکن انہوں نے آنے سے انکار کیا اور جب جنرل پیرزادہ نے انہیں یہ تبلایا تو اس صورت میں جنرل یعقوب نے کہا کہ میرا استعفیٰ قبول کریں۔

نوائے وقت :۔ آپ جب مشرقی پاکستان میں تھے تو ذوالفقار علی بھٹو الیکشن جیتنے کے بعد پیپلز پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے وہاں گئے تھے اور وہاں ان کی شیخ مجیب سے گفتگو ہوئی تھی۔ واپس یہاں آکر انہوں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ چھ نکات میں سے ساڑھے پانچ نکات پہ ہم نے سمجھوتہ کر لیا ہے اور اب صرف آدھے نکتے پر اختلاف باقی ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ آدھا نکتہ کیا تھا؟

راؤ فرمان علی خان :۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب وہاں گئے اور وہاں ان کی مجیب الرحمٰن سے ملاقات ہوئی۔ دریا کی سیر بھی ہوئی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی؟ جہاں تک چھ نکات کا تعلق ہے تو الیکشن کے بعد مجیب الرحمٰن سے میری بات ہوئی تھی۔ آپ ساڑھے پانچ نکات کہہ رہے ہیں۔ وہ ساڑھے چار نکات ماننے کو تیار تھے۔ انہوں نے کہا میں الیکشن کے بعد دونوں نکات بھی مان لوں گا۔ جس چیز پہ جھگڑا ہوا اور ہی مختلف باتیں تھیں اور وہ تھیں کہ صدر مملکت کون ہوگا؟

جنوری میں بھٹو صاحب مشرقی پاکستان سے ہو کر یہاں آئے تھے صدر پاکستان بھی مشرقی پاکستان گئے اور وہاں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ مجیب الرحمٰن مستقبل کا وزیر اعظم ہوگا۔ مشرقی پاکستان سے واپس آکر صدر سیدھے لاڑکانہ گئے اور وہاں سے راولپنڈی آکر خواہش ظاہر کی کہ مجیب انہیں ملنے یہاں آئیں۔ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ ابھی تو صدر یہاں سے گئے ہیں تمام مسائل

پر سیر حاصل بحث و گفتگو ہو چکی ہے اور کوئی ایسی نئی بات نہیں جس پر ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کی اب ضرورت ہے۔ یعنی مجیب نے کہا میں نہیں آ سکتا۔ میں نے اس سے سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ میں جنرل ایم آئی کریم کو مطلع کر دیا۔ اس اطلاع کے بعد اور مجیب کو رضامند کرنے کے لئے یہاں سے تین وزیر اور جنرل کریم جس کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا کیے بعد دیگرے وہاں دس گیارہ تاریخ تک پہنچے۔ میں نے بھی ٹیلی فون پر مجیب سے بات کی۔ اس نے اگرچہ ۸۔۹ مارچ تک آنے سے انکار کیا تھا، کہا کہ اگر آپ زور دیتے ہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ تاریخ کو میری پارٹی کا اجلاس ہے۔ جس میں اس آئین پر غور کرنا ہے جو ہم نے قومی اسمبلی میں پیش کرنا ہے اور میں نے اس کی منظوری پارٹی سے حاصل کرنی ہے تاکہ میں صدر صاحب کو یہ سیشن سے پہلے پیش کر سکوں۔ جو ۳ مارچ کے اسمبلی کے اجلاس سے چند روز قبل تو ضرور ادھر آئیں گے اس لئے پارٹی کا اجلاس ضروری ہے اور اگر اصرار کرتے ہیں تو میں ۱۹ فروری کو اسلام آباد چلا جاؤں گا۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے اور اس کی اطلاع صدر کے دفتر پہنچا دی۔ یقیناً مجیب کی رضامندی اور اس کے آنے کی تاریخ سب کو معلوم ہوئی ہو گی۔ چنانچہ ۱۸ تاریخ کو یہاں بھٹو صاحب نے تقریر کی جس میں اعلان کیا کہ جو مشرقی پاکستان گیا، اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور ہم ادھر کسی کو نہیں جانے دیں گے اور یہ کہ ڈھاکہ BUTCHER HOUSE ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بھٹو نے یہ کہا ہے۔ مجیب الرحمٰن نے ٹیلی فون کر کے بتایا اور کہنے لگے، آپ نے بھٹو کی تقریر سنی ہے۔ میں نے نفی میں جواب دیا تو کہا۔ بھٹو نے کہا ہے کہ ڈھاکہ مغربی پاکستان والوں کے لئے BUTCHER HOUSE ہے بھئی اگر یہ بات ہے تو اسلام آباد مشرقی پاکستان والوں کے لئے BUTCHER HOUSE ہو گا۔ اس لئے میں نہیں جا سکتا۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کو تو صدر نے آنے کی دعوت دی ہے، اور یہ بات کسی اور نے کہی ہے۔ ان دونوں میں تو کوئی تعلق نہیں۔ مگر مجیب نے صاف انکار کر دیا اور کہا اب تو صدر یہاں آئے گا، میں نہیں جاؤں گا۔

Marfat.com

نوائے وقت :۔ اس کے بعد کیا ہوا؟

راؤ فرمان علی خان :۔ میں نے یہاں سی ایم ایل اے ہیڈکوارٹر کو بتایا کہ وہ نہیں آرہے تو انہوں نے مجھے بُلا لیا کہ تم آجاؤ۔ میں ۲۰ تاریخ کو یہاں آیا مگر آنے سے قبل مجیب سے ملاقات کی۔ اس وقت انہوں نے بتایا کہ ان کی بھٹو سے بھی گفتگو ہوئی تھی اور آپ صدر مملکت کو یہ بتا دیجئے گا کہ میرے اور بھٹو کے خیالات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم دونوں بہت سے نکات پر رضامند ہیں اور جس پوائنٹ پر ہم دونوں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ فوج نے اس ملک پر بہت عرصہ حکومت کی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ فوجی حکومت اب ختم ہو جائے میرے اور بھٹو میں فرق یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں فوج حکومت سے الگ ہو جائے جبکہ وہ چاہتا ہے کہ فوج ختم ہو جائے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ صدر پاکستان کا چناؤ کس طرح سے ہو اور کون صدر ہو؟ اس طرح سے مجیب الرحمٰن صدر کو اپنی رائے بتا نا چاہ رہا ہے کہ جب وہ اور بھٹو آپس میں ملے تو بھٹو نے ان سے کہا آپ مشرقی پاکستان کے لیڈر ہیں۔ میں مغربی پاکستان کا لیڈر ہوں۔ آئین کی رو سے وزیراعظم مشرقی پاکستان سے اور صدر مغربی پاکستان سے ہوگا۔ اس لئے جہاں آپ وزیراعظم بن جائیں وہاں مجھے حق دیجئے کہ میں مغربی پاکستان کے کسی شخص کو صدر کے طور پر نامزد کر سکوں۔ مجیب نے مجھے بتایا کہ بھٹو کے الفاظ تھے۔

I SHOULD HAVE THE RIGHT TO NOMINATE A PERSON FROM WEST PAKISTAN TO BE THE PRESIDENT OF PAKISTAN.

اس پر مجیب نے اس سے کہا کہ میں یہ اختیار نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں لیڈر آف دی ہاؤس ہوں اور وزیراعظم کی حیثیت سے میرا یہ اختیار ہوگا کہ میں صدر نامزد کروں اور وہ گا وہ مغربی پاکستان سے ہی۔ دوران گفتگو میں نے بھٹو کو یہ بھی بتایا کہ میں نے پہلے ہی ایک شخص سے اس قسم کا وعدہ کر لیا ہے۔ بھٹو نے فوراً مجھ سے کہا کہ فرض کر دیں اسی شخص کو نامزد کرتا ہوں جو تمہارے ذہن میں ہے تو مجیب الرحمٰن نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا کہ اگر میں

اسے یہ اختیار دے دیتا تو پتہ ہے وہ کیا کرتا۔ وہ خود اپنے آپ کو صدر نامزد کر دیتا۔ اور چوبیس گھنٹوں کے اندر مجھے، یعنی وزیراعظم کو برطرف کر دیتا۔

۲۰ فروری کو مجیب الرحمٰن سے مل کر راولپنڈی میں ایک صدر سے ملا۔ جنرل پیرزادہ بھی اس ملاقات میں موجود تھے۔ میرے بیٹھتے ہی انہوں نے فوراً کہا:۔

I WANT TO SORT OUT THAT BASTER.

(میں اس بدمعاش کو ٹھیک کر دوں گا) میں نے عرض کیا جناب ایسا نہ کریں۔ اب وہ پاکستان کا منتخب لیڈر ہے اور اگر آپ کچھ کریں گے تو یہ میرے خیال میں صحیح نہیں ہوگا۔ وہ پھر کہنے لگے "اسے معلوم نہیں کہ میں پاکستان کا صدر ہوں، میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔" معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ان کو کہا گیا تھا کہ وہ صدر کے احکامات نہیں مان رہا۔ وہ اسی طرح بول رہے تھے میں نے ان سے عرض کی۔ جناب! میرے خیال میں چار اوقات ایسے ہیں جب آپ اسے ٹھیک کر سکتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آپ اسے اندر کر سکتے تھے مگر اب اس کا وقت گزر چکا ہے اور اب اسے اندر نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسرا وقت وہ ہوگا جب وہ قومی اسمبلی میں آئین پیش کرے گا۔ اور مغربی پاکستان کے لیڈر اس دستاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ آپ اس وقت کارروائی کر سکتے ہیں۔ تیسرا وقت وہ ہوگا جب قومی اسمبلی میں آئین پر بحث جاری ہوگی۔ مغربی پاکستان کے لیڈر ایوان میں واک آوٹ وغیرہ کرتے رہیں گے اور آئین کو سب کے لئے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کریں گے۔ مجیب الرحمٰن اپنی اکثریت کے بل بوتے پر آئین زبردستی منظور کرانے کی کوشش کرے گا تو آپ اس پر دستخط نہ کرنا۔ مگر میں اس مرحلے پر بھی اس کارروائی کی سفارش نہیں کروں گا۔ اس کے برعکس میں نے صدر کو تجویز پیش کی کہ اگر مجیب الرحمٰن کو اقتدار سونپ دیا جائے تو وہ مغربی پاکستان میں نہیں تو کم از کم مشرقی پاکستان ہی چھ ماہ کے اندر، مقبولیت کھو بیٹھے گا تو یہ مناسب وقت ہوگا کہ اسے الگ کر دیا جائے۔ مگر یحییٰ خان نے کہا۔ "نہیں نہیں" ان کے ساتھ کافی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے آپ

Marfat.com

سے تنہائی میں کچھ کہنا ہے۔ جنرل پیرزادہ اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے ان سے اپنی اور مجیب کی گفتگو بیان کی۔ جس میں اس نے صدر چننے کے متعلق اپنے خیالات کا مجھ سے ذکر کیا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور پہلی مرتبہ وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے کے لئے آئے اور ہم کمانڈر کو سلوٹ کیا کرتے تھے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے کندھے جھٹکے اور کہا:۔

I AM NOT WORRIED ABOUT MYSELF BUT WEST PAKISTAN IN MY BASE.

(میں اپنے لئے فکر مند نہیں ہوں، مغربی پاکستان میرا ٹھکانہ اور بنیاد ہے۔)

میرے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی تھی اس سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کا تعلق اس افواہ سے تھا جو پھیلی ہوئی تھی کہ جنرل حمید نے یحیٰی خان سے اقتدار لے لیا ہے، وہ کوئی ایسا ایکشن نہیں لے سکتے تھے جو رائے عامہ کے خلاف ہو۔ اس لئے وہ مجبوراً اس راستے پر چل پڑے جو کہ مجیب الرحمٰن کو اقتدار میں لانے کے برعکس اس کے ساتھ سازش میں شریک ہونے کا تھا۔ اگرچہ اس سازش کے ذریعے آپ پاکستان کے صدر ہوتے۔ مگر ان کے یہ الفاظ بڑے اہم تھے کہ: HIS BASE IS WEST PAKISTAN.

(ان کی بنیادی وجہ مغربی پاکستان ہے) انہوں نے مشرقی پاکستان اپنا BASE نہیں بنایا۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے یہاں رہنا ہے یا جانا ہے یا کچھ کرنا ہے تو وہ مغربی پاکستان کی وجہ سے ہو گا۔ اس لئے وہ مغربی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ایک لیڈر کے طرفدار ہو گئے تھے۔

نوائے وقت: چھ نکات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

راؤ فرمان علی خان:۔ جہاں تک چھ نکات کا تعلق ہے تو یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ ہر حالت میں یہ چھ نکات مغربی پاکستان کے مفاد میں ہوتے۔ فرض کریں ان میں بیرونی زرمبادلہ کا ذکر ہے تو ۷۱-۱۹۷۰ء میں مغربی پاکستان ۵۶ فیصد اور مشرقی پاکستان ۴۴ فیصد بیرونی زرمبادلہ کمارہا تھا۔ اس لحاظ سے مشرقی پاکستان کو چھ نکات سے زیادہ فائدہ نہیں ہونا تھا۔ میں ان دنوں

Marfat.com

کے ائیر مارشل اصغر خان کے خیالات سے اتفاق کرتا ہوں کہ بتدریج حالات بہتر ہو جاتے۔ ان دنوں کے بعد مغربی پاکستان والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو جاتی۔ زرِ مبادلہ کی مقدار بھی بڑھ جاتی۔ اس کے چھ نکات کوئی ایسی خطرناک چیز نہ تھے کہ اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ یہ سارا مقصد سیاسی طور پر حل ہو سکتا تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ طاقت کس کے ہاتھ میں ہو؟ یہ بات نہ بن سکی۔ مگر مسٹر بھٹو کو صدرِ پاکستان کی نامزدگی کا اختیار ہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان ایک وحدت نہ تھی۔ بعد میں ولی خان جیسے لیڈروں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ہم مسٹر بھٹو کو مغربی پاکستان کا لیڈر نہیں مانتے۔ کیونکہ اس وقت کوئی مغربی پاکستان نہ تھا۔ یہاں چار صوبے تھے۔ اس لئے یہ سوال کہ مغربی پاکستان کا کوئی اکثریتی لیڈر رہے، پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب یہ سوال پیدا نہ ہوا تو پھر یہی اوپشن رہ جاتا تھا کہ یہاں دو ملک ہوں تاکہ وہ اکثریتی لیڈر کے طور پر سامنے آسکیں۔

نوائے وقت:۔ تو کیا یہ صرف طاقت حاصل کرنے کا کھیل تھا اور آپ کا یہ کہنا کہ یحییٰ خان اور مجیب الرحمٰن میں کوئی مفاہمت تھی؟

راؤ فرمان علی:۔ یہ مجیب کی طرف سے تھی۔

نوائے وقت:۔ انہی دنوں یحییٰ خان نے مجیب کو خط لکھا تھا کہ تم میرے آنے کا انتظار کرو میں تم کو چھ نکات سے بھی زیادہ دوں گا۔ آپ اس بارے میں بتائیں کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء میں مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کا کتنا کردار تھا اور یحییٰ خان کی کہاں تک ملی بھگت تھی کیونکہ اس میں ایک اور اہم پہلو ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس طے کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد یہ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ خان نے لاڈ ویژن سے کہا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے لئے ایک مسودہ تیار کریں۔ جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے پہلے سے ہی تقریر تیار کروانی شروع کر دی تھی۔ یعنی وہ اجلاس ملتوی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ کیا ان باتوں پر روشنی ڈالیں گے؟

راؤ فرمان علی خان:۔ جس خط کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ ۶ مارچ کے بعد کا ہے۔ ۲ مارچ کو اجلاس ہونا تھا۔ ولی خان نے جو دیکھا، وہ خط نہیں ٹیلیکس تھا۔ جس کے اندر یحییٰ خان نے

Marfat.com

اجلاس ملتوی ہونے ، ایجی ٹیشن شروع ہونے اور جب مجیب الرحمٰن یکطرفہ اعلان آزادی کرنیوالے تھے ، اس کو روکنے کے لئے یہ مجیب الرحمٰن کو ٹیلکس بھیجا کہ میں چھ نکات سے زیادہ ماننے کو تیار ہوں اور اس کے مطالبات تسلی بخش طریقے سے پورے ہوں گے ۔ یہ ٹیلکس مجیب ہر وقت اپنی جیب میں رکھتے تھے اور یہ ساری دنیا میں شائع ہو چکا ہے ۔

۱۶ مارچ کو صدر یحییٰ خان بطور مہمان مجیب الرحمٰن ڈھاکہ بمعہ اپنی ٹیم کے پہنچے ۔ مذاکراتی ٹیم میں جنرل پیرزادہ ، جسٹس کارنیلس ، کرنل حسن اور ایم ایم احمد شامل تھے ۔ فوجی ٹیم جن کو HAWKS کہا جاتا تھا جنرل حمید ، جنرل عمر ، جنرل مٹھا ، جنرل افتخار ، محترم صدر ، جنرل خداداد پر مشتمل تھی ۔ مذاکرات میں مشرقی پاکستان میں موجود جنرل ٹکا خان ، جنرل خادم حسین راجہ اور مجھے شامل نہیں کیا گیا ۔ اس لئے ہمیں روزانہ کی کارروائی کا علم نہ ہو سکا ۔ بہر حال میں نے ۱۹ مارچ کو مجیب الرحمٰن کو ٹیلی فون کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے ۔ اس نے بتایا کہ فیصلہ ہو گیا ہے میں وزیر اعظم ہوں گا ۔ پانچ وزیر مغربی پاکستان سے اور پانچ مشرقی پاکستان سے ہوں گے میں نے پوچھا کہ آپ خوش ہیں تو اس نے کہا کہ ہاں لیکن بہت سی قانونی کارروائیاں کرنی ہونگی ۔

اگر ہم اس سے پہلے کے واقعات پر غور کریں تو ۲۲ ، ۲۳ اور ۲۴ فروری کو یہاں گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کا اجلاس ہوا ۔ گورنر احسن اور جنرل یعقوب خان بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے ۔ جس میں اور دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کرنا تھا کہ مشرقی پاکستان میں کیا کیا جائے لیکن اگرچہ میں راولپنڈی میں ہی تھا ۔ چونکہ میں جونیئر افسر تھا اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یا گورنر نہیں تھا اس لئے میں اس میٹنگ میں نہیں گیا مگر اس اجلاس کی کارروائی کا مجھے علم ہو گیا ۔ کیونکہ گورنر احسن ، جنرل یعقوب اور میں آپس میں تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے جس رات یہ اجلاس ہوا اس سے اگلی صبح مجھے ان دونوں نے بلایا ۔ ہم اس وقت مشرقی پاکستان ہاؤس میں رہتے تھے جہاں آج کل سپریم کورٹ آف پاکستان ہے ۔ گورنر بھی اس عمارت میں تھے ۔ ان دونوں نے مجھے بتایا کہ رات یہ فیصلہ ہوا ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے گا

Marfat.com

میں نے کہا یہ تو غلط بات ہے ان دونوں کا بھی یہی خیال تھا۔ آپس میں گفتگو کے بعد جنرل یعقوب نے جنرل پیرزادہ کو ایک خط لکھا اور اس کے اندر صاف صاف کہا جو تینوں کے خیالات کا نچوڑ تھا کہ اس فیصلے کے بہت دوررس اور خطرناک اثرات ہوں گے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اس سے بھارت موقع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

نوائے وقت :۔ یہ تو بڑی بروقت وارننگ تھی۔

راؤ فرمان علی :۔ جی ہاں، جنرل یعقوب نے یہ خط اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس وقت جنرل پیرزادہ کو بھیج دیا۔ وہاں سے آٹھ دس بجے حکم آیا کہ ڈھاکہ چلے جاؤ۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ تم یہاں شرارت کر رہے ہو اور یہاں سے ڈھاکہ چلے جاؤ۔ اس پر میں ڈھاکہ چلا گیا۔ جب یہ دونوں واپس ڈھاکہ پہنچے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ پر کیا گزری۔ انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں صدر سے ملنے کے لئے گئے اور ان سے کہا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ ملٹری ایکشن کی طرف لے جائے گا جو قومی مفاد میں نہیں ہوگا۔ تو صدر صاحب نے یہ کہا کہ اگر تم بھٹو کو منا لو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ گورنر احسن اور جنرل یعقوب راولپنڈی سے کراچی گئے۔ انہوں نے وہاں بھٹو صاحب سے ملاقات کی۔ بھٹو نے ان سے یہ کہا کہ تم کس سے خوفزدہ ہو۔ عوامی لیگ ہماری پارٹی کی طرح کی پارٹی نہیں یہ بورژوا پارٹی ہے۔ یہ گوریلا جنگ نہیں لڑ سکتی۔ آپ کو ایجی ٹیشن سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کراچی سے دونوں واپس راولپنڈی آئے۔ صدر صاحب نے انہیں ہدایات دیں آخر دہ دونوں ڈھاکہ پہنچے۔ یکم مارچ کو التواء کا اعلان ہونا تھا۔ اس کے ایک رات پہلے گورنر ہاؤس میں مجیب الرحمٰن، تاج الدین اور کھنڈکر مشتاق کو بلایا گیا۔ گورنر احسن نے ان کو بتایا کہ اجلاس ملتوی ہو رہا ہے۔ تاج الدین نے کہا کہ ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔ مغربی پاکستان والے پرامن طریقے سے اقتدار مشرقی پاکستان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس لئے ہم جانتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ صورت حال بڑی مایوس کن اور افسوسناک ہو چکی تھی۔ چاروں طرف مردنی چھائی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد مجیب نے اپنے دونوں ساتھیوں کو واپس بھیج دیا اور اس

Marfat.com

نے احسن سے کہا :-

GIVE ME A FRESH DATE, THEN I CAN CONTROL MY PEOPLE.

(مہربانی کر کے مجھے کوئی نئی تاریخ دے دیں کیونکہ اس صورت میں ہیں اپنے لوگوں کو کنٹرول کر سکتا ہوں)

اس مقام پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجیب علیحدگی پسند تھا اور اگر ہم تینوں اس کی طرفداری کر رہے تھے تو پھر ہم بھی صحیح راستے پر نہیں تھے۔ وہ اگر علیحدگی پسند ہوتا تو التواء تو اس کے موافق تھا وہ کہہ رہا تھا مجھے نئی تاریخ دے دیں ہیں نئی تاریخ سے کہ اپنے عوام کو کنٹرول کر لوں گا اور نئی تاریخ کس چیز کی۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے اجلاس کی۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس دن تک اس کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر وہ وزیراعظم ہوتے تو بہتر ہوگا بعد میں اس کے خیالات بدل گئے۔ اس کے جانے کے بعد ہم تینوں بیٹھ کر آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اس وقت ایڈمرل احسن نے بہت ہی تاریخی ٹیلکس جو خود اکیلے ان کی اختراع تھی ہمارے ساتھ مشورہ کے بعد تیار کی۔ جس میں انہوں نے لکھا۔

I BEG OF YOU TO ANNOUNCE THE FRESH DATE TONIGHT, TOMORROW WILL BE TOO LATE.

(میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آج کی رات ہی نئی تاریخ کا اعلان کر دیں کل بہت دیر ہو جائے گی)

مگر اس نئی تاریخ کا پھر کبھی اعلان نہ کیا گیا۔

نوائے وقت :- یہ کس تاریخ کی بات ہو گی؟

راؤ فرمان علی :- یکم مارچ کی۔ یہ ٹیلکس پہلی کی رات کو بھیجا۔ اس رات کو جنرل حمید سے ٹیلی فون پہ بات ہوئی۔ اس رات کوشش کرتے رہے کہ کوئی مل جاتے۔ ستم ظریفی کہ گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو ٹیلی فون پہ صدر یا کوئی اور ذمہ دار شخصیت مغربی پاکستان میں نہیں مل رہی

تھی۔ بہت تگ و دو کے بعد جنرل حمید ہمیں سیالکوٹ میں ملے اور ان سے کہا کہ آپ کچھ کوشش
کریں کہ تاریخ تبدیل ہو جائے مگر اگلے دن بارہ بجے کے لگ بھگ اعلان ہو گیا اور نیوزی لینڈ
ٹیم کے ساتھ ڈھاکہ میں میچ ہو رہا ہے۔ اعلان سنتے ہی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی۔ انہوں نے سب
کچھ جلا دیا۔ رات کو کرفیو لگا دیا گیا۔ پہلے ایڈمرل احسن کو تبدیل کر دیا گیا اور ان کی جگہ جنرل یعقوب
کو لگا دیا گیا۔ اور جب یحییٰ خان نے کہا کہ میں ڈھاکہ نہیں آسکتا تو وہ بھی استعفیٰ دے کر الگ
ہو گئے۔ اور اس رات مجھے پھر حکم ملا کہ میں واپس اسلام آباد آجاؤں۔ رات گیارہ بجے ایک
طیارہ جاتا تھا۔ میں ساری رات سفر کر کے صبح راولپنڈی پہنچا۔ مجھے جنرل ٹکا خان ملے جو وردی میں
تھے۔ مجھے ان سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کیوں اسلام آباد جا رہے ہیں۔ کیونکہ مجھے
معلوم تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں ؟ یہ میرا خیال تھا اور بعض اوقات
مجھے اس چیز نے نقصان بھی پہنچایا ہے کہ مجھے خود بخود بغیر پوچھے معلوم ہوتا ہے کہ بات
کیا ہے۔ خیر میں جانتا تھا کہ وہ اسلام آباد اس لئے جا رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان سنبھال لیں
اس لئے میں نے ان سے نہ پوچھا۔ راستے میں ان سے عام باتیں ہوتی رہیں اور میں نے ان
کو بتایا کہ میں بھی اسلام آباد صدر صاحب سے ملنے جا رہا ہوں اور یقیناً آپ بھی جا رہے ہیں
انہوں نے کہا ہاں۔ چونکہ مجھے ٹائم پہلے کا دیا ہوا تھا اس لئے میں سیدھا پریذیڈنٹ ہاؤس
پہنچا۔ وہاں گھر پہ صدر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ دفتر میں نہیں تھے۔ اس گھر میں تھے جس
میں بعد میں وزیراعظم رہتے رہے۔ وہ باہر برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ان کے پاؤں میں سلیپر
تھے۔ دائیں طرف مسٹر بھٹو بیٹھے تھے۔ بائیں طرف جنرل حمید تھے۔ یہ دن کے گیارہ بجے کا وقت
تھا اور ایک آدمی چھ ہزار میل کا سفر کر کے راتوں رات وہاں پہنچتا ہے اور یہ دیکھتا ہوا آیا ہے
کہ ڈھاکہ میں آگ لگی ہوئی ہے اور ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ یہ تینوں شراب پی رہے تھے
اور اس وقت مجھے نیرو کا خیال آگیا۔ جب روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ میں نے
سیلوٹ کیا اور میں کیا کر سکتا تھا۔ ان کے کہنے پر میں بیٹھ گیا تو وہ بولے۔ بتاؤ ڈھاکہ کے بارے

Marfat.com

یں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں آپ کو جو کچھ بتانے والا ہوں۔ اس سے مسٹر بھٹو کو پریشانی ہو گی تو کیا میں ان سے درخواست کر سکتا ہوں کہ ...... میں نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا تھا کہ انہوں نے (بھٹو نے)، اپنا گلاس اٹھایا اور ڈرائنگ روم کے عقب کے دروازے سے نکل گئے۔ مجھے نہیں معلوم وہ کہاں گئے۔ بھٹو اس وقت تو وہاں سے چلے گئے۔ مگر میرا خیال ہے۔ اس لئے ——— انہوں نے مجھے کبھی معاف نہ کیا۔ میں تو صرف ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے یحییٰ خان کو بتایا کہ وہاں (مشرقی پاکستان میں) ذوالفقار علی بھٹو کو کہتے ہیں KILLER NO. 1 اور آپ کو کہتے ہیں KILLER NO. 2 اور وہ کہتے ہیں کہ آپ نے تقریر نہیں لکھی، یہ بھٹو نے لکھوائی تھی۔ اس لئے پڑھی گئی۔ وہ نہیں چاہتا کہ مشرقی پاکستان کے کسی شخص کے سپرد اقتدار کر دیا جائے۔ اس لئے مغربی پاکستان کی فوجیں وہاں مشرقی پاکستان والوں کو مار رہی ہیں۔

صدر صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ اس رات کوئی تقریر کرنے والے ہیں اور میں شام کو ایوان صدر میں ان کے پاس آجاؤں۔ میں شام کو ان کے پاس پہنچا تو صدر صاحب اپنی تقریر ریکارڈ کرا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے علاوہ وہاں جنرل حمید اور جنرل ٹکا خان تھے۔ یہ ڈنر کے بعد کی ملاقات تھی۔ وہاں ہر قسم کی باتیں ہوئیں۔ انہوں نے جنرل ٹکا خان کو احکامات دیئے کہ فوج کو بیرکوں میں لے جاؤ۔ ڈسپلن اور فوج کی تنظیم کو بہتر رکھو اور سڑکوں پر جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اپنے آپ کو ملوث نہ کرو۔ اس کا مقصد شاید یہ تھا کہ باہر سڑکوں پر دائیں اور بائیں بازو کے حامی آپس میں لڑ کر تھک جائیں گے اور پھر وہ فوج کے پاس آئیں گے۔ جنرل ٹکا خان نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ یعنی گھیراؤ جلاؤ وغیرہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس میں فوج کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی۔ اگلے روز جنرل ٹکا واپس ڈھاکہ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا بزنجو بھی اسی طیارے میں سفر کر رہے تھے۔ ہم لوگ کراچی جاتے ہوئے فضا میں ہی تھے کہ صدر صاحب کی تقریر براڈ کاسٹ ہوئی۔ دروازہ کھلا تو بزنجو نے زور سے کہا۔

Marfat.com

NOW HE'S GOT, WHAT HE WANTED.

(اب اس نے حاصل کر لیا ہے جو وہ چاہتا تھا)

یعنی بھٹو ...... یہاں بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جن کا خیال تھا کہ یہ تقریر ان کے کہنے پر یا ان کے اشارے پر تیار ہوئی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ :۔

ARMY WILL SORT OUT.

یہ سخت تقریر تھی۔

نوائے وقت :۔ ساتھ ہی قومی اسمبلی کی اگلی تاریخ کا بھی اس میں وعدہ تھا۔

راؤ فرمان علی :۔ جی ہاں، ۶ تاریخ کو ہم ڈھاکہ پہنچے تو ۷ تاریخ کو ریس کورس گراؤنڈ والا جلسہ عام ہو رہا تھا۔ جہاں پانچ چھ لاکھ آدمی ہوں گے۔ میں نے جنرل ٹکا سے کہا، جناب یہاں یہ ہوتا ہے۔ دراصل وہاں کی ایجی ٹیشنز دیکھنے والی ہوتی ہیں۔ مغربی پاکستان میں تو بس مذاق ہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں تو چٹکی بجانے پر لاکھوں آدمی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہاں جنرل ٹکا خان کو سب سے پہلے جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ ریڈیو پاکستان کے ملازمین کا تھا، جنہوں نے ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کو گھیر رکھا تھا اور مطالبہ کر رہے تھے کہ مجیب الرحمٰن کی تقریر براڈکاسٹ کی جائے گی۔ یہ لوگ کام نہیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مجیب کی ساری تقریر ٹیپ ریکارڈ کر رکھی تھی اور وہ اسے نشر کرنا چاہتے تھے۔ یہ تقریر بڑی سخت تھی۔

اس تقریر کے ریکارڈ بھی تیسرے چوتھے دن بجتے رہے۔ مگر اس تقریر کی خوبی یہ تھی کہ اگرچہ مجیب نے اس میں اپنے لوگوں کے جذبات کو اتنا ابھارا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لیکن اس میں اس نے یکطرفہ اعلان آزادی نہیں کیا تھا۔ آخر کار اس تقریر کی اجازت دے دی گئی۔ مگر ایک خاص بات یہ تھی کہ ۷ مارچ کے بعد سے مشرقی پاکستان کی حکومت ان کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں چلی گئی۔ انہوں نے ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ ۷ مارچ سے ۲۵ مارچ تک مشرقی پاکستان پر عوامی لیگ کا قبضہ رہا۔ اس دوران غیر بنگالیوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ گھیراؤ

Marfat.com

جلاؤ ہوتا رہا۔ فوج چھاؤنیوں میں محبوس رہی۔ کھانا پینا بھی مغربی پاکستان سے ہوائی جہازوں کے ذریعے پہنچ رہا تھا۔

اسی روز مسٹر بھٹو ڈھاکہ پہنچے۔ لیکن اگلے روز ۲۰ مارچ سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ مجیب کی تجویز تھی کہ مارشل لاء فوراً ہٹایا جائے اور اقتدار انہیں سونپ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بھٹو کا خیال تھا کہ مارشل لا ہٹانے سے انتقال اقتدار غیر قانونی ہو جائے گا۔ اس طرح سے آئینی خلا پیدا ہو گا۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ جب بھٹو اس قسم کے آئینی بحران سے دوچار ہوئے تو انہوں نے اس بحران کو ایک اور مارشل لاء حکم کے ذریعے حل کر لیا۔ سچ بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ یہ نہیں تھا۔ ایک قانونی حکومت کو مارشل لاء کے حکم کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے اور دنیا میں کئی بار ایسا ہوا ہے۔ وہی بھٹو جو اسمبلی کے اجلاس کی مخالفت کر رہے تھے اب مطالبہ کر رہے تھے کہ اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے اس مسئلے کو قومی مسئلے کے طور پر زیر بحث لایا جائے۔

یہ کشمکش اسی طرح جاری تھی اور ۲۲ مارچ تک جاری رہی۔ انہی دنوں ان کا یوم شہداء منایا جا رہا تھا۔ یہ ان بنگالی زبان کے مسئلے پر مارے جانے والے لوگوں کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ اس روز بنگالیوں کے گروہ مجیب کے گھر کے سامنے سے مارچ کرتے ہوئے آئے۔ اس طرح صورت حال پہلے سے سنجیدہ ہو گئی۔

مغربی پاکستان کے کچھ حلقے بھی مجیب کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجیب نے طاقت کے بل پر اقتدار حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ ۲۵ مارچ کی رات انہوں نے کرنل عثمانی مرحوم کی کمان میں زبردستی طاقت حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بھی بنایا ہوا تھا۔

ان رپورٹوں کے بعد کے حالات بہت خراب ہو رہے ہیں۔ میں اور جنرل خادم حسین، جنرل ٹکا خان کے پاس گئے اور کہا کہ کچھ کیا جانا ضروری ہے کیونکہ سازشیں جنم لے رہی ہیں ہم لوگ مکمل لاعلمی میں تھے اور فوج کو بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا لائحہ عمل اختیار کیا جانے والا ہے۔

Marfat.com

تاہم ٹکا خان نے جواب دیا کہ جب کچھ کرنے کی ضرورت ہوگی تو آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ ہم نے ٹکا خان سے کئی ملاقاتیں کیں۔ آخر کار وہ ۲۲ مارچ کو پریذیڈنٹ ہاؤس ڈھاکہ گئے۔ واپس آکر انہوں نے ہمیں بتایا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ تم لوگ تیاریاں کر لو۔

ان حالات میں ہم اپنا لائحہ عمل طے کرنے بیٹھ گئے۔ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے مختلف کمانڈروں کو احکامات پہنچائے گئے کہ آئندہ چند روز میں کیا کچھ کیا جانا ہے۔ عملی اقدام کی کوئی تاریخ تو مقرر نہیں کی گئی تھی۔ مگر یہ بات واضح کر دی گئی تھی۔ عنقریب کچھ ہوگا۔ لہٰذا پوری تیاری رکھیں۔ ادھر مذاکرات جاری تھے اور ہماری عین خواہش تھی کہ یہ مذاکرات کامیاب ہوں۔ مذاکرات کے بارے میں مجھے اور جنرل خادم حسین کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ کیونکہ ہم دونوں کو اس سلسلے میں اچھوت سمجھ کر سب کام ہماری اطلاع کے بغیر ہو رہے تھے۔

نوائے وقت :۔ اس زمانے میں اصلی صورتِ حال کس طرح پیش آئی ؟

راؤ فرمان علی :۔ ۲۵ مارچ کی شام یحییٰ خان نے ٹکا خان سے ان کے گھر پر ملاقات کی۔ یہاں سے افتخار جنجوعہ اور جنرل مٹھا کو ڈھاکہ بھیج دیا گیا تھا۔ تاکہ اگر میں اور جنرل خادم حسین اپنا "رویہ درست نہ کریں" تو ہم سے وہ چارج لے لیں۔

آپ پوچھتے ہیں اس زمانے میں کیا کیا ہوا ؟ میرا جواب ہے کہ بہت کچھ ہوا۔ اس رات جنرل خداداد، جنرل عمر، جنرل حمید اور جنرل یحییٰ خان نے ٹکا خان کے گھر پر بہت سی باتیں کیں۔ ہم لوگ اس گفت وشنید میں بلائے نہیں گئے تھے اس لئے ہمیں علم نہیں ہے کہ کیا کیا باتیں اس رات ہوئیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ صدر صاحب مغربی پاکستان واپس جا رہے ہیں اور جب وہ کراچی سے چالیس میل کے فاصلے تک پہنچ جائیں تو آپریشن شروع کر دیا جائے گا۔ اس کام کے لئے ہمیں ہی کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔ درحقیقت میں ایک غیر فوجی عہدہ پر تھا اور کمانڈر نہیں تھا مگر اس کام کے لئے مجھے ڈھاکہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا اور اس لئے میں نے تمام متعلقہ لوگوں کو حرکت میں آنے کے احکام جاری کر دیئے۔ اس سلسلے میں منصوبہ موجود تھا۔

Marfat.com

اور کوڈ کے خفیہ الفاظ پہلے ہی پہنچا دیئے گئے تھے۔ یحییٰ خان خاموشی سے ایک چھوٹی سی کار میں ایئر پورٹ تک گئے تھے اور وہاں انہیں کسی شخص نے خدا حافظ نہیں کہا تھا۔ کمودور خوندکر وہاں موجود تھے اور انہوں نے کہا دل تو پہلے سے یہی اصرار کر رہا تھا یہ ملاقات میرے دل میں گھر کر گئی۔ لیکن اس ملاقات کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہم اپنے آپ ہی کو اجنبی لگنے لگے۔ پھر وہ موقع بھی نصیب ہوا کہ رحمان بھائی اور ان کی اہلیہ نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

شائق صاحب یہ دو دل آپس میں ضرور ملیں گے اگر ان دلوں کو محبت کا لہو ملا تو۔ شاید انسانیت بانجھ ہو گئی ہے۔ اے اللہ! تو...... !" یہ کہتے جا رہے تھے۔ میں دُور تک انہیں دیکھتا رہا اور پھر میں بے اختیار رو پڑا۔

ہمارے یہ اپنے تھوڑی سی دوری سے بالکل غیر ہو گئے وہ "اندر" سے آج بھی ہمارے اپنے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنا بنا کر اپنے ہی "ہاتھ" سے اپنے گھر میں انہیں غیر کر دیا ہے۔ جب "بنگلہ دیش" کا لفظ پہلی بار ریڈیو پر نشر ہوا تھا تو میں نے کئی دردمند دلوں کی حرکت بند ہوتی محسوس کی تھی۔ میرے نزدیک یہ عذاب الٰہی تھا ہمارے لئے۔

ہمارے محلے میں ایک بابا "ملنگی" رہتا تھا۔ اس نے تحریک پاکستان میں اپنے بیوی بچوں کا لہو چندے کے طور پہ دیا تھا۔ یہاں وہ تانگہ چلایا کرتا تھا۔ ایک تانگہ، سرکنڈوں کی جھگی اور ایک ٹوٹا ہوا ٹیپ ریکارڈر اس کی کل پونجی تھی۔ وہ اپنے ریکارڈر میں ایک ہی کیسٹ چلایا کرتا تھا جس میں اس نے ایک گانا چار دفعہ ریکارڈ کیا ہوا تھا وہ جب کبھی اکیلا ہوتا تو یہ گانا عموماً سنا کرتا تھا اس گانے کے بول آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ع

وہ دل اک دوجے کولوں دور ہو گئے

پھر ایک رات درد کی انہی سروں میں اس کی نبض بند ہو گئی لوگ اسے چرسی کہتے تھے لیکن وہ مجھے اپنا بیٹا کہتا تھا۔ میں صرف اسے سگریٹ سلگانے کے لئے ماچس دیا کرتا تھا

Marfat.com

لیکن اس آگ نے نئی جوانی کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ اب جب کبھی اس کی قبر پہ جاتا ہوں، تو بھیڑ بکریاں وہاں پہ چڑھ کر گھاس پھونس چر رہی ہوتی ہیں۔ ہماری قومی قبروں کا یہی حال ہے۔ مینارِ پاکستان اب تو جوتوں کے اشتہاروں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ قائداعظم کی قبر کو خدا ہمیشہ سلامت رکھے وہ، ان قبروں کا محافظ ہے۔

جس رات بنگلہ دیش کا اعلان ڈھاکہ ریڈیو سے ہوا تھا۔ آپ نے بھی غور فرمایا ہوگا کہ وہاں سے "اردو سروس" میں یہ اعلان ہوا کرتا تھا کہ "یہ ریڈیو بنگلہ دیش" ہے۔ اس کے بعد پنجابی گانا نشر ہوتا تھا جس کے بول آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں کہ ؏

دو دل اک دوجے کولوں دور ہو گئے

یہ گانا ہمارے اہلِ فہم و خرد نے بھی سنا ہوگا۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ ایک ڈائجسٹ میں ایک قاری کا خط ملاحظہ فرمائیں۔

"ویگن کے سفر میں مجھے ایک ڈائجسٹ کا مطالعہ کرتے دیکھ کر ایک بزرگ نے پوچھا "بیٹے کیا پڑھ رہے ہو؟" میں نے کہا کہ ڈائجسٹ، تو وہ بولے ــــ اگر پاکستان کو بچا سکتے ہو تو اسے جوڑ لو۔ ورنہ عمروں خوار ہوتے رہو گے۔ پھر ایک عصا کا سہارا لئے ہوئے بزرگ کہتے جا رہے تھے "شاید کوئی پاکستانی لہو دے سکے"۔

صدر نے جواب میں کہا کہ میں ایوب خان جیسی غلطی نہیں کروں گا۔ میں اس طرح سے جنگ شروع نہیں کروں گا۔ میں نے پھر پوچھا جناب اگر ایسا ہے تو پھر یہاں فوج کو کیوں محاذوں پہ متعین کیا گیا ہے۔ صدر نے جواب دیا یہ دفاعی کارروائی ہے اور ضروری ہے۔ لیکن اطمینان رکھو میرا ادھر سے جنگ شروع کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں اس وضاحت سے بہت خوش ہوا اور میں نے اپنے بچوں سے کہا کہ صدر نے میری بات مان لی۔ چھ نومبر کو ہماری ملاقات لاہور میں پھر ہوئی۔ بھٹو اس زمانے میں صدر کو مجبور کر رہے تھے کہ انہیں وزیراعظم بننے کے لئے ۲۵ ووٹ مشرقی پاکستان سے دلائے جائیں۔ میرا خیال تھا کہ مغربی پاکستان کو اگر وزیراعظم

Marfat.com

بنا دیا گیا تو ملک قائم نہیں رہے گا۔ اس ملاقات میں محمود علی قصوری اور مبشر حسن بھی موجود تھے۔ میں نے ان کی موجودگی میں یحییٰ خان سے کہا کہ سیاستدانوں کو اقتدار منتقل کر دیں۔ کیونکہ ہم فوجیوں سے جھوٹ نہیں بولا جاتا۔ یہ سیاستدان جہاز پر سوار ہوتے وقت ایک بیان دیتے ہیں اور اترتے وقت دوسرا بیان دے دیتے ہیں۔ موجودہ صورت حال میں سیاسی حل کی ضرورت ہے۔ مگر ہم سے سیاسی عمل مکمل نہیں کیا جا سکے گا۔ صدر نے کہا ایسا کیسے ہو سکتا ہے، محمود علی قصوری نے نے کہا کہ آپ ایک عبوری آئین دے کر ہمیں اقتدار منتقل کر دیں۔ صدر نے کہا کہ تمام معاملہ بیس تاریخ تک حل ہو جائے گا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔

ہم اس پس منظر میں مشرقی پاکستان واپس آئے۔ یہاں حالات ابتر ہو چکے تھے بھارتی افواج کا اجتماع بڑھ رہا تھا اور مکتی باہنی کے حملوں میں شدت آ چکی تھی۔ عید سے اگلے روز ۲۱ نومبر کو بھارتی افواج نے سرحد عبور کر لی اور یہاں اڈے قائم کرنا شروع کر دیئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم ان پر توپ خانہ سے حملہ کر رہے ہیں اور وہ توپ خانے کو دھکیلنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ ایک فرضی ڈرامہ تھا۔ ہمارے پاس توپ خانے کی صرف چار رجمنٹیں تھیں اور ظاہر ہے کہ ہم شیلنگ نہیں کر سکتے تھے۔ ۲۴ اور ۲۵ کو یہ ایڈوانس جاری رہا۔ مگر اس سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا وہ اپنے اور ہمارے درمیان مکتی باہنی والوں کو لگا دیتے تھے تاکہ مکتی باہنی کے زیادہ سے زیادہ لوگ مارے جائیں اور اس طرح مشرقی پاکستان پر قبضے کی صورت میں بھارتیوں کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ ہو۔ ہم نے یہ سب کچھ غیر ملکی نمائندوں کو دکھایا، اور انہوں نے بھارتی مداخلت کے بارے میں بہت اچھی رپورٹیں ارسال کیں۔ اس طرح غیر ملکی پریس نے بھارت کو جارح کے روپ میں پیش کیا۔ ۲۵ نومبر کو گورنر نے صدر پاکستان سے ملاقات کی غرض سے مغربی پاکستان کا سفر کیا۔ میں نے ان سے بھی کہا کہ صدر سے کہہ دیں کہ مغربی محاذ سے حملہ نہ کیا جائے۔

یہ میرا اندازہ تھا کہ مغربی محاذ سے حملہ نہیں ہونا چاہیئے۔ آرمی میڈیکل کالج میں بھٹو سے ہی

Marfat.com

بات میں نے قید سے واپسی پر کہی کہ ہمیں ہرگز مغربی محاذ سے حملہ نہیں کرنا چاہیئے تھا کیونکہ اس طرح بھارت کو دونوں محاذوں پر کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور اس نے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ کو انٹرنیشنل بنانے کے لیئے یہ ضروری تھا۔

یہ بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ میرا ان دنوں فوج یا فوجی حکمتِ عملی یا جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں تقریباً ایک سویلین تھا۔ جنرل نیازی سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ نیازی کور کمانڈر اور مارشل لاء کے منتظم تھے اور میں گورنر کا مشیر تھا۔ مجھے ان کے فوجی عمل اور حکمتِ عملی کا کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن اس سے قبل میں نے اور جنرل یعقوب نے ایک منصوبہ تیار کیا تھا جس کے تحت ہمیں پیچھے ہٹ کر دریاؤں کے کناروں پہ ڈیرے جمانے تھے۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اس منصوبے کا کیا ہوا۔ مشرقی محاذ پہ حملہ ہو گیا تھا اور اس حملے کی حالت میں گورنر صاحب مغربی پاکستان سے واپس آ گئے۔ ۲۹ نومبر کو میں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے صدر سے مغربی محاذ سے حملہ نہ کرنے کی بات کی ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ صدر نے بات نہیں مانی۔ انہوں نے کہا کہ جنرل حمید دو دسمبر کو آ رہے ہیں۔ تم اس سلسلے میں ان سے بات چیت کر لینا۔ دو دسمبر کو ہمیں بتایا گیا کہ جنرل حمید نہیں آ رہے ہیں۔ اس وقت تک مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا مگر میں سمجھ گیا تھا کہ اب مغربی محاذ سے حملہ ہونے والا ہے۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ ابھی جہاز آ جا رہے ہیں اس لئے قیدی بننے سے بہتر ہے کہ میں واپس مغربی پاکستان چلا جاؤں۔ میں دو کو آ سکتا تھا مگر میں نے دوستوں کو چھوڑنا پسند نہیں کیا اور ان کے ساتھ ہی قیدی بننے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اب مغربی پاکستان نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ قید ہو جائیں گے۔

پس میں جانتا تھا کہ حملہ ہونے والا ہے۔ مگر میں نے مغربی پاکستان کا رخ نہیں کیا ہماری قسمت ہمیں بھارت کے زندانوں کی طرف دھکیل رہی تھی۔ مجھے صدر یحییٰ خان کی طرف سے اجازت تھی کہ میں مغربی پاکستان آ سکتا تھا۔ لیکن میں نے اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑنا پسند نہ کیا۔

Marfat.com

۲ دسمبر کی شام کو بی بی سی کے ڈیوڈ ڈینگ اور گابن مجھ سے ملنے آئے۔ وہ اس سے پہلے صدر سے مل چکے تھے اور اب وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا مجیب کی رہائی ایک اچھا اقدام نہیں ہوگا؟ میرا جواب سننے سے پہلے انہوں نے جواب دیا کہ صدر کا خیال ہے کہ اس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہوگی۔ بی بی سی کے نمائندوں نے صدر سے پوچھا کہ کیا ملک کی سالمیت سے ایک فردِ واحد کی عزتِ نفس زیادہ اہم ہے؟ انہوں نے صدر سے یہ بھی کہا کہ انہیں مجیب سے مذاکرات کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مغربی پاکستان سے حملہ ہوگا اور کیا بھرپور جنگ چھڑ جائے گی؟ میں نے جواب میں کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ جنگ ہوگی۔ اب جنگ ہمیں شروع کرنی ہے مگر ایسا کرنا اب ہمارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ بھارت کی طرف سے اشتعال انگیزیوں کے باوجود جنگ نہیں ہوگی۔ بس یونہی سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں گی۔ میں ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے فون آگیا کہ مغربی محاذ سے حملہ کر دیا گیا ہے۔

اس طرح ہماری متعدد درخواستوں کے باوجود کہ جنگ مغربی محاذ پر شروع نہ کی جائے تین دسمبر کو جنگ چھیڑ دی گئی۔ ۴ تاریخ کو کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کیونکہ اس روز بھارتی افواج نے اپنی جگہیں از سر نو مرتب کیں۔ ۵ دسمبر کو صبح نو بجے انہوں نے ڈھاکہ کا ایک رن وے والا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا۔ ہماری فوج میں تین ڈویژن ۳۲ بٹالین اور ناکافی ساز و سامان تھا۔ فوج کو تقریباً ۲۶ سو میل لمبی سرحد پر پھیلایا گیا تھا۔ مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ جنرل نیازی نے فوج کو کس طرح متعین کیا ہے۔ ہمارے جوان مقامی شورشیوں سے نپٹ رہے تھے اور بھارتی حملوں سے ہماری فوج باہر کی طرف کھینچی جا رہی تھی۔ میں نے ۱۹۶۷ء میں ''سندر بن رن'' نامی ایک فوجی مشق کے دوران یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ ہمارے ملک کو پولینڈ جیسی صورت حال کا سامنا ہوگا۔ ہمارے تمام بڑے شہر سرحدوں پر واقع ہیں۔ جس کی وجہ سے جنگ کی صورت میں تمام فوج کو باہر کی جانب کھینچنا ہوگا۔ وارسا کی طرح ڈھاکہ پر سخت حملہ شمال کی جانب سے ہوگا۔ گوڈیرین بھی شمال کی جانب

Marfat.com

سے آئے تھے۔ تمام فوج باہر کی طرف چوس لی گئی تھی اور ایک خلاء پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے پیش گوئی کر دی تھی کہ ہماری فوج کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا اور تجویز پیش کی تھی کہ مشرقی محاذ پہ فوج کو انچ انچ زمین کے ڈیفنس کی بجائے اپنے آپ کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ یہ تجویز ڈیفنس پلین میں شامل کر لی گئی تھی۔ لیکن عمل نہیں کیا گیا۔

میں جب ۶ دسمبر کو ہیڈ کوارٹر گیا تو نقشہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ ہماری فوج چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پوری سرحدوں پہ تقسیم کر دی گئی ہے۔ میں نے جنرل نیازی سے عرض کیا کہ آپ پیچھے کیوں نہیں ہٹ جاتے۔ فوج کو میلا میں کیا کر رہی ہے۔ آپ کے فوجی رنگ پور اور سید پور میں کیا کر رہے ہیں۔ انہیں اندر کی طرف واپس بلا لیں۔ جنرل نیازی نے پنجابی میں مجھے جواب دیا "اوہناں تے تے حملہ ای ہویا۔ میں اوہناں نوں کیوں واپس بلا واں؟" ہمارے ہاں عقلمندی کو بعض اوقات بزدلی کہا جاتا ہے۔ اس وقت مجھے بزدل سمجھا جا رہا تھا۔ مگر میں بزدلی نہیں کر رہا تھا۔ فوجی حکمتِ عملی کی بات کر رہا تھا۔ اس کے بعد نیازی صاحب نے کہا کہ میں نے اپنے کمانڈروں سے پوچھ لیا ہے وہ سب خوش ہیں اور ان کا ارادہ اور رویہ ..مس نے تبلایا کہ اب وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے۔ کیونکہ دشمن عقبی جانب بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے نیازی اپنی حکمتِ عملی سے لڑ رہے تھے اور اس میں میری رائے کو کوئی دخل نہیں تھا۔

اصل صورت حال کا علم ہونے پر میں گورنر کے پاس گیا۔ جنہوں نے مجھے بتایا کہ دشمن ان کے آبائی گاؤں چواڈنگا تک آ گیا ہے۔ اگرچہ گورنر کو سول افسروں مثلاً ڈی سی اور کمشنر وغیرہ سے اطلاعات مل رہی تھیں مگر وہ اصل صورت حال جاننے کے خواہش مند تھے۔ میں نے مشورہ دیا کہ آپ نیازی سے اصل صورت حال معلوم کریں۔ گورنر نے چیف سیکرٹری مظفر اور ملٹری سیکرٹری کو ہمراہ لیا اور خود کو ر ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔ مجھے یہ تو علم نہیں ہو سکا کہ وہاں کیا ہوا۔ مگر اگلی صبح گورنر نے مجھے بلایا اور بولے کہ نیازی کی خواہش ہے کہ میں وزراء کو ان کے علاقوں میں بھیج دوں تاکہ عوام کا حوصلہ بلند کریں۔ اور نعرۂ تکبیر لگائیں۔ میں نے کہا کہ سڑکیں توڑ دی گئی ہیں اور پل تباہ کر دیے

Marfat.com

گئے ہیں۔ ایسے میں وزراء کس طرح مختلف شہروں کے دورے کریں گے۔ گورنر نے کہا کہ وزراء ہیلی کاپٹروں میں جا سکتے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ ہیلی کاپٹر تو فوج کے استعمال کے لئے بھی ناکافی ہیں اور وزراء کو کس طرح ... سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کمانڈر اپنے دفتر میں شیر ہوتا ہے مگر انہیں یہاں بلا لیا جائے تو وہ صحیح پوزیشن بتا سکیں گے۔ گورنر نے جنرل نیازی کو گورنر ہاؤس آنے کی دعوت دی۔

اسی دوران ۶، دسمبر کو جیسور ہم سے چھن گیا ہماری دو بٹالین فوج کو میلا سیکٹر میں محصور ہو گئی اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ طبی سہولتوں اور ایمبولینس کا فقدان تھا۔ ہر طرف مکھی اور مچھر کی عملداری تھی۔ صورت حال بے حد ابتر تھی۔ اس صورت حال میں جنرل نیازی گورنر ہاؤس آئے۔ گورنر نے کہا کہ بھئی جنگ میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ فتح ہو سکتی ہے۔ شکست ہو سکتی ہے اور ہتھیار ڈالے جا سکتے ہیں گورنر باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک زوردار ہچکی بلند ہوئی اور نیازی رونے لگے عین اس وقت چائے والا کمرے میں داخل ہوا۔ گورنر ہاؤس میں رسم تھی کہ ملاقاتی کے آتے ہی فوراً چائے پیش کر دی جاتی تھی۔ میں اور مظفر جلدی سے اٹھے اور میں نے چائے کی ٹرے لے کر چپڑاسی کو باہر دھکیل دیا۔ تاہم چند لمحے ہی میں یہ بات شہر میں پھیل گئی کہ گورنر کے کمرے میں کہرام مچا ہوا ہے۔ اور صاحب لوگ رو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے، گورنر ہاؤس کا کوئی آدمی نہیں رو رہا تھا۔ صرف نیازی صاحب رو رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں اور محض ملک کے مستقبل کی خاطر ان کی سسکی ہچکی نکل گئی ہو۔ تاہم جس فوج کا کمانڈر رو رہا ہو اس کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ اس وقت فیصلہ کیا گیا کہ حالات کی صحیح عکاسی کے لئے ایک ٹیلکس مغربی پاکستان روانہ کیا جائے۔ میں نے ٹیلکس کا مضمون بنایا اور کہا کہ صورتِ حال واقعی بہت خراب ہے اور ایسے میں سیاسی حل ضروری ہے اقوام متحدہ میں ہمارے نمائندے کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم شرائط عائد کر رہے ہیں۔ میری تجویز ہے کہ جنگ بندی کا اہتمام کیا جائے۔

Marfat.com

جنرل نیازی کا خیال تھا کہ یہ ٹیلکس گورنر ہاؤس سے جانا چاہیئے۔ مجھے اس وقت معمولی سا بھی گمان نہیں تھا کہ جنرل نیازی ایک جونیئر افسر کو پھنسا رہے ہیں۔ عام طور سے ایسا نہیں کیا جاتا۔ یہ ٹیلکس سات تاریخ کو روانہ کیا گیا اور اسی روز اسلام آباد سے جواب ملا کہ گھبراؤ نہیں ہم ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد خود اقوام متحدہ بھیج رہے ہیں۔ تم جنگ جاری رکھو۔ اب آپ اس لفظ "رش" یا فوری بھیجنے پر توجہ کیجئے۔ یہ وفد پہلے کابل کی جانب رش کیا گیا۔ جیسے کہ عالمی سیاسی عمل کابل میں انجام پا رہا ہو۔ کابل سے وفد نے فرینکفرٹ رش کیا۔ یہاں وفد نے ایک رات قیام کیا اور بھٹو صاحب نے چیف سیکرٹری مظفر کی بیگم سے ملاقات کر کے کہا۔ تمہارا شوہر واپس نہیں آ سکے گا۔ بیگم مظفر نے گھبرا کر اپنے شوہر سے بات کی۔ اب سوال یہ ہے کہ بھٹو کو پہلے سے انتظام کئے بغیر یہ کس طرح علم ہو گیا کہ مظفر واپس نہیں آ سکیں گے۔ دراصل انہیں شروع سے علم تھا کہ ڈھاکہ کا سقوط ہونے والا ہے۔ وہ شخص جو یہ کہہ چکا ہو کہ اس نے ۱۹۵۱ء میں سورج کو مشرق سے نکلتے دیکھ لیا تھا وہ کس طرح ڈھاکہ کے انجام سے بے خبر ہو سکتا تھا۔ بہر حال یہ وفد رش کرتا رہا اور تین روز کے بعد نیویارک میں وارد ہو گیا۔

سات یا آٹھ دسمبر تک حالات خراب ہوتے رہے بھارت نے سرحد عبور کر رکھی ہے کئی بار منی کے حملے بھی جاری ہیں۔ حالات کا دھارا ہمارے خلاف بہہ رہا تھا۔ اس صورت میں بہت خونریزی ہوئی۔ چاند پور بھی فتح کر لیا گیا۔ ڈھاکہ اور جیسور کے درمیان دو کمپنیاں تھیں۔ اور باقی بریگیڈ کھلنا کے دفاع کے لئے گیا تھا۔ بریگیڈیر منظور کے بریگیڈ نے راجشاہی میں جمنا عبور کر لی تھی اور ادھر جنرل انصاری پسپا ہو کر دھونتی آ چکے تھے۔ دشمن اور ڈھاکہ کے درمیان ہماری دو کمپنیاں ہیڈ کوارٹر میں موجود تھیں۔ کومیلا کا محاصرہ ہو چکا تھا اور کومیلا سے ڈھاکہ تک ہمارا کوئی فوجی نہ تھا۔ اس کے برعکس دشمن بہت بڑی قوت میں موجود تھا۔ اس گھپلے میں ہم کسی بھی قسم کے ہوائی تحفظ کے بغیر تھے اور ہمارے پاس توپ خانہ بھی نہیں تھا۔ ہمیں ہیڈ کوارٹر سے ایک ٹیلیگرام ملا جس میں تمام صورتِ حال واضح کی گئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ

Marfat.com

"صورت حال تمام سیکٹروں میں مخدوش ہے۔ نقل و حمل کا امکان عملی طور پر ختم ہو چکا ہے۔ فوجی بیس بیس دن سے جاگ رہے ہیں۔ ہم محض چند دن تک لڑ سکتے ہیں۔ راشن اور اسلحہ ختم ہو گیا ہے صرف تین دن تک مقابلہ کیا جا سکتا ہے" وغیرہ۔ ادھر ایڈمرل شریف کا خیال تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ سات روز چل سکتے تھے۔ یہ ان کا ذاتی خیال تھا۔ انہوں نے اس سے نیول ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا۔

قوموں کے لئے ایسی صورت حال اکثر پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ بھارت کو ایسی صورت حال کا سامنا کشمیر میں تھا۔ اور اس نے اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بندی حاصل کر لی تھی۔ مصری فوج ہتھیار ڈالنے والی تھی کہ سادات نے اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بندی حاصل کی۔ آپ کو جنگ بندی کی سہولت بہت ملتی ہے جب آپ بعض شرائط کو قبول کریں تاہم یہ آپ کی مرضی ہے کہ بعد میں بھی انہیں قبول کریں یا نہ کریں۔ بھارت نے اپنے وعدوں پر عمل نہیں کیا، سادات نے نہیں کیا، کوئی نہیں کرتا، یاد رکھیے جنگ بندی کے بعد دوبارہ جنگ شروع نہیں ہوا کرتی۔ مشرقی پاکستان میں جنگ بندی کے بعد ہم بھی جنگ بندی کی شرائط کو اپنے الفاظ میں پیش کرنا شروع کر دیتے۔ اس دوران ہم سیاسی حل کے ذریعے اپنی پوزیشن کو مضبوط بنا لیتے۔

ہم نے گورنر کی طرف سے ایک ٹیلکس ارسال کیا کہ از راہ کرم سیاسی تصفیہ کر لیجئے۔ اس کے جواب میں یہاں سے ایک ٹیلکس گیا جو بے حد واضح تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے بارے میں جو فیصلہ بہتر سمجھو خود ہی کر لو۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ جو مشرقی پاکستان کے بارے میں فیصلہ کر لو۔ اس طرح کا دوسرا پیغام جنرل حمید نے جنرل نیازی کو بھیجا۔ جس میں کہا گیا کہ جو بھی ضروری اقدام ہو کر لو۔ اس میں یہ جملہ زائد تھا کہ وقت آتے ہی تمام ساز و سامان ضائع کر دو۔ اس کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب تھا کہ ہتھیار ڈال دو۔ لیکن یہ تو ہمارا مقصد نہ تھا۔ یہ پیغام تو آدھی رات کو موصول ہوا۔

Marfat.com

ہم سب جمع ہوئے اور ہم نے کہا۔ بہتر حل کی بات کرتے ہیں۔ ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ اس زمانے میں پنجاب کے تمام سیکرٹری صاحبان گورنر ہاؤس میں رہتے تھے۔ میں بھی گورنر ہاؤس کی ایک عمارت میں اصل عمارت سے ذرا دور رہتا تھا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اس قسم کا پیغام آیا ہے۔ گورنر اور چیف سیکرٹری نے مل کر اقوام متحدہ کے لئے ایک پیغام تیار کیا۔ صبح کو چیف سیکرٹری مظفر مجھ سے ملنے میرے آفس میں آئے۔ مجھے وہ پیغام پڑھنے کو دیا۔ اتنے میں گورنر بھی آ گئے اور کہنے لگے کہ نیازی کو بھی یہ پیغام لکھا دو۔ اس وقت حملے اور ہوائی حملے جاری تھے۔ ہم لوگ نیازی کے آفس سے چھ سات میل دور تھے۔ ہم نے نیازی کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور پرائیویٹ کاروں میں وہاں پہنچ گئے۔ ایڈمرل شریف اور جنرل جمشید بھی وہاں موجود تھے۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے اور حمود کمیشن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے جنرل نیازی نے ٹیلیگرام پڑھا اور کہا تم کس حیثیت میں مجھ سے اس کی توثیق چاہتے ہو۔ مظفر نے جواب دیا کہ کور کمانڈر اور سپریم باڈی کے رکن کی حیثیت سے آپ کو اس کی توثیق کرنی ہے۔ جنرل نیازی نے اس کی توثیق کر دی اور ہم واپس گورنر ہاؤس آ گئے۔ یہاں اقوام متحدہ کا آدمی ہمارا منتظر تھا۔ اب یہ ایک ایسا ٹیلکس تھا جسے میں ہی فوجی حیثیت میں دستخط کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس پہ دستخط کر دیئے اور اس طرح یہ میری ذمہ داری بن گیا۔

نوائے وقت:۔ کیا آپ کو یہ تار بھیجنے کا اختیار تھا؟

راؤ فرمان علی:۔ لوگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ تار بھیجنے کا اختیار نہیں تھا۔ میں بھی یہی کہتا ہوں مگر میں نے ٹیلیگرام گورنر کی واضح ہدایت کے تحت بھیجا تھا جو صدر کی منظوری اور براہ راست نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ گورنر کو اختیار نہیں تھا۔

سب نے کہا کہ فرمان کو اختیار نہیں تھا۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میں سٹاف آفیسر تھا اور مجھے اختیار نہیں تھا۔ بہر حال ٹیلکس بھیج دیا گیا۔ اگلی صبح جنرل پیرزادہ نے ہم سے بات کی۔

Marfat.com

اس الیکشن میں کوئی قباحت نہ تھی۔ یہ بھارت اور روس دونوں کو منظور تھی۔ تاہم پولینڈ کی قرارداد کی شکل میں اسے سبوتاژ کیا گیا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ہمیں قیدی بنایا جائے۔ فوج کی شہرت داغدار کی جائے اور آمریت کے مقابلے کے لئے فوج کی اہمیت کو ختم کیا جائے۔ یہ ایک ماسٹر پلان تھا۔

نوائے وقت :۔ کیا آپ کے تار کی تردید کی گئی ؟

راؤ فرمان :۔ آپ نے میرے تار کی تردید کے بارے میں پوچھا ہے۔ انہوں نے دراصل اس کی تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ فرمان کو اس کی ترسیل کا حق نہیں تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چھٹا بیڑہ آرہا ہے اور چین بھی ہماری مدد کو آئے گا۔ ہم نے ڈھاکہ میں امریکیوں سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کافی سختی سے ہم سے سوال کیا کہ تمہیں جنگ شروع کرنے کو کس نے کہا تھا ؟ ہمیں پہلے تو جنگ بندی کی سہولت سے محروم کیا گیا اور پھر بتایا گیا کہ تم بہت اچھے لڑے ہو۔ تین روز کے بعد انہوں نے کہا کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہتھیار ڈالنے پر کیوں مجبور کیا گیا ؟ دیکھئے کوئی حکومت بھی ایک علاقہ دینے کے بعد ڈیگال کی طرح قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ علیحدگی کا فیصلہ کبھی بھی مذاکرات کی میز پر نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح غداری کا الزام لگ جاتا۔ اس طرح ۲، ہزار کروڑ کی رقم کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑتا۔ اور یہ وہ رقم ہے جو رحمان سبحان نے ایک مقدمے میں باقاعدہ طور سے حساب کتاب کے ذریعے مغربی پاکستان کے ذمے بتائی تھی، اور تمام بہاری مغربی پاکستان آجاتے۔ سب سے اہم بات فوج کی عزت کو ختم کرنا مقصود تھا تاکہ دوبارہ وہ اقتدار میں نہ آئے اور وہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ فوجی شکست ہو۔ فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا تاکہ یہ پھر کبھی اقتدار نہ سنبھالے۔

نوائے وقت :۔ آپ اس تمام صورت حال کا کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اس سے کیا سبق حاصل کرنا چاہیئے ؟

Marfat.com

راؤ فرمان: میرے خیال میں سب سے بڑا سبق تو یہی ہے کہ جب دلوں میں کچھ رنجشیں اور کدورتیں آ جائیں اور ماحول خراب ہو جائے تو پھر اسے درست کرنا ملٹری ایکشن سے ممکن نہیں۔ یہ صرف سیاسی عمل سے یا لوگوں کی آپس کی ملاقاتوں اور گفتگو کرنے سے حل ہو سکتا ہے۔ ایسے علاقے جہاں پہ مارشل لاء لگتا ہے۔ اور جب بھی مارشل لاء لگتا ہے تو ان علاقوں کے لوگ فوج میں نہیں ہوتے۔ جرنیل نہیں ہوتے، کرنیل نہیں ہوتے تو وہ علاقے اور وہاں کے لوگ علیحدگی محسوس کرتے ہیں۔ انہیں احساس محرومی ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کالونی بن گئے ہیں۔ اور ان پہ حکومت کوئی دوسرا کرتا ہے۔ ظاہر ہے، دوسروں کی حکومت اب کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انگریزوں کو ہم نے اس لئے نکالا کہ وہ دوسرے تھے اِس احساس کو بھی بہت فروغ حاصل ہوتا ہے۔ فوج کے عمل دخل سے تیسرے یہ کہ میرے خیال میں سیاسی عمل جاری رہنا چاہیئے اور سیاسی عمل کے ذریعے ہی سے ملکوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

گوشوارہ نمبر ۳

پاکستان کی مرکزی وزارتوں کی تفصیل ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک

۱۔ لیاقت علی خان کابینہ

نام	عرصہ	محکمے
وزیر اعظم لیاقت علی خان	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء	دفاع :- (۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء) خارجہ تعلقات و امور دولت مشترکہ (۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۷ء) امور کشمیر: (۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۹ء سے ۱۳ر اپریل ۱۹۵۰ء) سرحدی علاقوں کے امور (۱۲ر ستمبر ۱۹۴۸ء سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)
وزراء		
۱۔ مسٹر آئی آئی چندری گر	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۷ر مئی ۱۹۴۸ء	تجارت، صنعت اور تعمیرات (۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۷ر مئی ۱۹۴۸ء)

Marfat.com

۲۔ مسٹر غلام محمد	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	خزانہ (۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء) اقتصادی امور (۱۲ر مارچ ۱۹۴۸ء سے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)
۳۔ سردار عبدالرب نشتر	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۲ر اگست ۱۹۴۹ء تک	مواصلات
۴۔ راجہ غضنفر علی خاں	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۰ر جولائی ۱۹۴۸ء تک	خوراک و زراعت، صحت، مہاجرین و بحالیات
۵۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل (مشرقی پاکستان)	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۶ر ستمبر ۱۹۵۰ء تک	قانون، محنت، تعمیرات
۶۔ مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	امور داخلہ، اطلاعات و نشریات اور تعلیم
۷۔ سر محمد ظفر اللہ خاں	۲۷ر دسمبر ۱۹۴۷ء سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	خارجہ تعلقات اور امور دولت مشترکہ
۸۔ مسٹر عبدالستار پیرزادہ	۳۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	خوراک، زراعت، صحت، قانون اور محنت
۹۔ خواجہ شہاب الدین (مشرقی پاکستان)	۸ر مئی ۱۹۴۸ء سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	داخلہ، اطلاعات و نشریات، مہاجرین و بحالیات
۱۰۔ مسٹر ایم اے گورمانی	(i) ۳ر جنوری ۱۹۴۹ء سے ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۹ء تک (ii) ۱۳ر اپریل ۱۹۵۰ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	(i) بے محکمہ (ii) امور کشمیر
۱۱۔ سردار بہادر خان	۱۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	مواصلات، صحت و تعمیرات
۱۲۔ چوہدری نذیر احمد خان	۱۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	صنعت و حرفت
۱۳۔ ڈاکٹر اے ایم مالک	۲۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک	صحت و تعمیرات اور اقلیتی امور

Marfat.com

وزرائے مملکت

۱۴- ڈاکٹر محمد حسین	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء	ریاستیں اور سرحدی علاقے
۱۵- ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء	مہاجرین و بحالیات
۱۶- عزیز الدین احمد (مشرقی پاکستان)	۲۳ر اپریل ۱۹۵۱ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء	اقلیتی امور

نائب وزرار

۱- ڈاکٹر محمد حسین	۳ر فروری ۱۹۴۹ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء	دفاع ریاستیں اور سرحدی علاقے
۲- سردار بہادر خان	۱۷ فروری ۱۹۴۹ء تا ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء	امور خارجہ، دولت مشترکہ تعلقات اور مواصلات
۳- ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	۱۷ر فروری ۱۹۴۹ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء	امور داخلہ، اطلاعات و نشریات، مہاجرین و بحالیات
۴- سردار محمد نواز خان	۱۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء تا ۳۰ جون ۱۹۵۰ء	دفاع، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۵- مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۲۳ر اپریل ۱۹۵۱ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء	خزانہ

۲۔ الحاج خواجہ ناظم الدین کابینہ

وزیراعظم

خواجہ ناظم الدین (مشرقی پاکستان)	۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	دفاع

وزرا

۱۔ سر ظفر اللہ خاں	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	امور خارجہ و دولت مشترکہ
۲۔ مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	〃 〃 〃 〃 〃 〃	تجارت، تعلیم اور اقتصادی امور
۳۔ مسٹر محمد علی	〃 〃 〃 〃 〃 〃	خزانہ
۴۔ مسٹر اے ایس پیرزادہ	〃 〃 〃 〃 〃 〃	خوراک و زراعت و قانون
۵۔ خواجہ شہاب الدین (مشرقی پاکستان)	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۲۶ر نومبر ۱۹۵۱ء	داخلہ، اطلاعات و نشریات

Marfat.com

۶۔ مسٹر ایم اے گورمانی	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	امور کشمیر، داخلہ، ریاستیں و سرحدی علاقے
۷۔ سردار بہادر خان	" " " "	مواصلات
۸۔ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	" " " "	محنت، صحت و تعمیرات
۹۔ سردار عبدالرب نشتر	۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	صنعت
۱۰۔ ڈاکٹر محمد حسین	۲۶ر نومبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	امور کشمیر
۱۱۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	" " " "	مہاجرین، بحالیات، اطلاعات و نشریات

وزرائے مملکت

۱۔ ڈاکٹر محمد حسین	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۲۶ر نومبر ۱۹۵۱ء	دفاع، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۲۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	" " " "	مہاجرین و بحالیات
۳۔ مسٹر عزیز الدین احمد (مشرقی پاکستان)	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	اقلیتی امور
۴۔ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۱۹ر اگست ۱۹۵۲ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء	خزانہ اور پارلیمانی

Marfat.com

٥- سید خلیل الرحمٰن	١٩ر اگست ١٩٥٢ء تا ١٧ر اپریل ١٩٥٣ء	دفاع

نائب وزرار

١- مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	٢٤ر اکتوبر ١٩٥١ء تا ١٩ر اگست ١٩٥٢ء	خزانہ

٣- محمد علی بوگرہ کا بینہ

وزیر اعظم

محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان)	١٧ر اپریل ١٩٥٣ء تا ٢٤ر اکتوبر ١٩٥٤ء	تجارت، دفاع، اطلاعات و نشریات

وزرار

١- سر ظفر اللہ خان	١٧ر اپریل ١٩٥٣ء تا ٢٤ر اکتوبر ١٩٥٤ء	خارجہ امور - دولت مشترکہ تعلقات

Marfat.com

۲۔ مسٹر محمد علی	۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	خزانہ، اقتصادی امور
۳۔ مسٹر مشتاق احمد گورمانی	″ ″ ″ ″	امور داخلہ، ریاستیں اور سرحدی علاقے
۴۔ سردار بہادر خان	″ ″ ″ ″	مواصلات
۵۔ ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	″ ″ ″ ″	محنت، صحت اور تعمیرات
۶۔ ڈاکٹر آئی ایچ قریشی	″ ″ ″ ″	تعلیم
۷۔ مسٹر اے کے بروہی	. . . .	قانون، پارلیمانی امور، اقلیتی امور اور اطلاعات و نشریات
۸۔ خان اے کیو خان	۱۸ر اپریل ۱۹۵۳ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	خوراک و زراعت، صنعت و تجارت
۹۔ مسٹر شعیب قریشی	″ ″ ″ ″	اطلاعات و نشریات مہاجرین و بحالیات اور امور کشمیر
۱۰۔ مسٹر تفضل حسین (مشرقی پاکستان)	۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	تجارت

وزرائے مملکت

۱۔ مسٹر غیاث الدین پٹھان (مشرقی پاکستان)	۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	زراعت، اقلیتی امور و پارلیمانی امور

Marfat.com

۲- سردار امیر زمان خان	۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء تا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	دفاع
۳- مسٹر مرتضیٰ رضا چوہدری (مشرقی پاکستان)	〃 〃 〃 〃	خزانہ

۱۴- محمد علی بوگرہ (نئی تشکیل شدہ کابینہ)

وزیر اعظم

محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان)	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	خارجہ امور، دولت مشترکہ تعلقات، مواصلات و صحت

وزراء

۱- مسٹر محمد علی	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	خزانہ، اقتصادی امور، مہاجرین، بحالیات اور امور کشمیر
۲- ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	〃 〃 〃	محنت، صحت و تعمیرات

۳- مسٹر ایم اے ایچ اصفہانی (مشرقی پاکستان)	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	صنعت و تجارت
۴- میجر جنرل سکندر مرزا	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۷ر اگست ۱۹۵۵ء	داخلہ، ریاستیں سرحدی علاقے اور امور کشمیر
۵- جنرل محمد ایوب خان	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	دفاع
۶- مسٹر غیاث الدین پٹھان	" " "	خوراک، زراعت، اقلیتی امور و پارلیمانی امور
۷- میر غلام علی تالپور	" " ۱۸ر اگست ۱۹۵۵ء	اطلاعات و نشریات و تعلیم
۸- ڈاکٹر خان صاحب	" " ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	مواصلات
۹- مسٹر ایچ آئی رحمت اللہ	۲۰ر نومبر ۱۹۵۴ء تا " " "	تجارت
۱۰- مسٹر ایچ ایس سہروردی (مشرقی پاکستان)	۲۰ر نومبر ۱۹۵۴ء تا " " "	قانون
۱۱- سیّد عابد حسین	۱۱ر دسمبر ۱۹۵۴ء تا " " "	خوراک و تعلیم
۱۲- سردار ممتاز علی خان	۲۲ر دسمبر ۱۹۵۴ء تا " " "	اطلاعات و نشریات و امور کشمیر
۱۳- مسٹر ابو حسین سرکار (مشرقی پاکستان)	۴ر جنوری ۱۹۵۵ء تا ۶ر جون ۱۹۵۵ء	صحت

وزرائے مملکت

۱۔ سردار امیر اعظم خان	۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء تا ۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء	مہاجرین، بحالیات و دفاع
۲۔ مرتضیٰ رضا چوہدری (مشرقی پاکستان)	" " " " "	خزانہ

۵۔ چوہدری محمد علی کابینہ

وزیر اعظم

چوہدری محمد علی	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء	دفاع، امور خارجہ، دولت مشترکہ تعلقات خزانہ، اقتصادی امور۔ امور کشمیر اور ریاستیں و سرحدی علاقے۔

وزراء

۱۔ ڈاکٹر خان صاحب	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء	مواصلات، ریاستیں و سرحدی علاقے

Marfat.com

۲۔ مسٹر اے کے فضل الحق (مشرقی پاکستان)	۱۲ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۹ر اکتوبر ۱۹۵۶ء	داخلہ اور تعلیم
۳۔ مسٹر ایچ آئی رحمت اللہ	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	تجارت و صنعت
۴۔ ڈاکٹر عابد حسین	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	امور کشمیر و تعلیم
۵۔ مسٹر کمینی کمار دتا (مشرقی پاکستان)	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء	قانون و صحت
۶۔ پیر علی محمد راشدی	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۵۶ء	اطلاعات و نشریات
۷۔ مسٹر نور الحق چوہدری (مشرقی پاکستان)	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	محنت تعمیرات و اقلیتی امور
۸۔ مسٹر اے ایل بسواس (مشرقی پاکستان)	۱۱ر اگست ۱۹۵۶ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	خوراک و زراعت
۹۔ مسٹر آئی آئی چندری گر	۳۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۵۶ء	قانون
۱۰۔ مسٹر حمید الحق چوہدری (مشرقی پاکستان)	۲۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	امور داخلہ اور دولت مشترکہ تعلقات

Marfat.com

۱۱- سید امجد علی	۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۱۰ر ستمبر ۱۹۵۶ء	خزانہ، اقتصادی امور
۱۲- مسٹر ایم آر کیانی	" " " "	مواصلات
۱۳- مسٹر عبدالستار	۱۷ر مارچ ۱۹۵۶ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	داخلہ و تعلیم

وزرائے مملکت

۱- سردار امیر اعظم خان	۱۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	مہاجرین، بحالیات و پارلیمانی امور
۲- مسٹر لطف الرحمٰن خان (مشرقی پاکستان)	" " " "	خزانہ
۳- مسٹر آ کشئے کمار داس (مشرقی پاکستان)	۲۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء تا ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	اقتصادی امور

۶- ایچ ایس سہروردی کابینہ

وزیراعظم

مسٹر حسین شہید سہروردی (مشرقی پاکستان)	۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	دفاع، امور کشمیر، ریاستیں و سرحدی علاقے، اقتصادی امور قانون، مہاجرین و بحالیات، تعلیم اور صحت

Marfat.com

وزراء

۱۔ ملک فیروز خان نون	۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	امور خارجہ، دولت مشترکہ تعلقات
۲۔ مسٹر ابوالمنصور احمد (مشرقی پاکستان)	" " " " "	تجارت و صنعت
۳۔ سیّد امجد علی	" " " " "	خزانہ
۴۔ مسٹر ایم اے خلیق (مشرقی پاکستان)	" " " " "	محنت و تعمیرات
۵۔ مسٹر غلام علی تالپور	" " " " "	داخلہ
۶۔ مسٹر اے ایچ دلدار احمد (مشرقی پاکستان)	" " " " "	خوراک و زراعت
۷۔ سردار امیر اعظم خان	۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء	اطلاعات و نشریات، قانون و پارلیمانی امور
۸۔ میاں جعفر شاہ	۱۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	مواصلات
۹۔ مسٹر ظہیر الدین (مشرقی پاکستان)	" " " " "	تعلیم و صحت

Marfat.com

وزرائے مملکت

۱۔ مسٹر تی راج منڈل (مشرقی پاکستان)	۲۶ ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء	اقتصادی امور
۲۔ حاجی مولا بخش سومرو	۹ مارچ ۱۹۵۷ء تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء	بحالیات
۳۔ مسٹر عبد الحلیم (مشرقی پاکستان)	〃 〃 〃 〃	خزانہ
۴۔ مسٹر نور الرحمان (مشرقی پاکستان)	۱۳ مارچ ۱۹۵۷ء تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء	تجارت

۷۔ مسٹر آئی آئی چندریگر کابینہ

وزیر اعظم

مسٹر آئی آئی چندریگر	۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء	اقتصادی امور، محنت، تعمیرات و بحالیات

Marfat.com

وزراء

۱۔ ملک فیروز خان نون	۱۹ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء	خارجہ امور، دولت مشترکہ تعلقات
۲۔ مسٹر فضل الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء	تجارت و قانون
۳۔ سید امجد علی	" " " " " "	خزانہ
۴۔ میاں ممتاز احمد خاں دولتانہ	" " " " " "	دفاع
۵۔ مسٹر مظفر علی خان قزلباش	" " " " " "	صنعت
۶۔ مسٹر اے ایل بسواس (مشرقی پاکستان)	" " " " " "	خوراک و زراعت
۷۔ مسٹر غلام علی تالپور	" " " " " "	داخلہ
۸۔ مسٹر مصباح الدین حسین (مشرقی پاکستان)	" " " ۱۸ دسمبر ۱۹۵۷ء	مواصلات
۹۔ میاں جعفر شاہ	" " " ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء	ریاستیں اور سرحدی علاقے، اطلاعات و نشریات
۱۰۔ میاں عبدالعلیم (مشرقی پاکستان)	" " " " " "	بحالیات و تعمیرات

Marfat.com

۱۱۔ مسٹر یوسف اے ہارون	۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۷ء	امور کشمیر و پالیمانی امور
۱۲۔ مسٹر لطف الرحمن خان (مشرقی پاکستان)	" " " "	صحت و تعلیم
۱۳۔ مسٹر فرید احمد (مشرقی پاکستان)	۲۳؍اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۷ء	محنت

وزرائے مملکت

۱۔ حاجی مولا بخش سومرو	۲۴؍اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۷ء	بحالیات
۲۔ مسٹر آکشے کمار داس (مشرقی پاکستان)	۵؍نومبر ۱۹۵۷ء تا ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۷ء	تجارت

۸۔ مسٹر فیروز خان نون کابینہ

وزیراعظم

ملک فیروز خان نون	۱۶؍دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷؍اکتوبر ۱۹۵۸ء	امور خارجہ و دولت مشترکہ تعلقات، دفاع، اقتصادی امور، بحالیات۔ اطلاعات، نشریات، امور کشمیر، قانون اور پارلیمانی امور

Marfat.com

وزرار

۱۔ سید امجد علی	۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	خــزانہ
۲۔ مسٹر مظفر علی خان قزلباش	۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۱۸ر مارچ ۱۹۵۸ء	صنعت، تجارت و پارلیمانی امور
۳۔ میر غلام علی تالپور	۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۱۸ر مارچ ۱۹۵۸ء	داخلہ و سپلائی
	۸ر اپریل ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۴۔ میاں جعفر شاہ	۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	
۵۔ مسٹر عبدالعلیم (مشرقی پاکستان)	" " " " "	
۶۔ میاں رمیز الدین احمد (مشرقی پاکستان)	" " " " "	مواصلات
۷۔ مسٹر کمینی کمار دتا	" " " "	صحت، تعلیم اور قانون
۸۔ حاجی مولا بخش سومرو	۲۲ر جنوری ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	بحالیات
۹۔ مسٹر محفوظ الحق (مشرقی پاکستان)	۲۴ر جنوری ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	صحت، سماجی بہبود و کمیونٹی ڈیولپمنٹ ڈویژن
۱۰۔ مسٹر بسنت کمار داس (مشرقی پاکستان)	۷ر فروری ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	محنت اور تعلیم

Marfat.com

۱۱- سردار عبدالرشید خان	۲۹ر مارچ ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	تجارت وصنعت
۱۲- سردار امیر اعظم خاں	" " " " "	اقتصادی امور اور پارلیمانی امور
۱۳- مسٹر ایم اے کھوڑو	۸ر اپریل ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	تجارت وصنعت
۱۴- مسٹر حمید الحق چوہدری (مشرقی پاکستان)	۱۶ر ستمبر ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	خزانہ
۱۵- مسٹر ظہیر الدین (مشرقی پاکستان)	۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	- -
۱۶- مسٹر اے - ایچ دلدار احمد (مشرقی پاکستان)	" " " " "	- -
۱۷- مسٹر نور الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	" " " " "	- -

وزرائے مملکت

۱- حاجی مولا بخش سومرو	۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	دفاع، اقتصادی امور- بحالیات، اطلاعات ونشریات
		امور کشمیر، قانون اور پارلیمانی امور
۲- مسٹر آکشے کمار داس (مشرقی پاکستان)	" " " " " "	خزانہ

۳۔ خان محمد جلال الدین خان	۵ر اپریل ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	داخلہ اور خزانہ
۴۔ سید احمد نواز شاہ گردیزی	" " " "	خوراک و زراعت
۵۔ سردار محمد اکبر خان بگٹی	۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	داخلہ
۶۔ میاں عبدالسلام	" " " "	اطلاعات و نشریات
۷۔ عبدالرحمٰن خان	۲ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	۔ ۔
۸۔ مسٹر پیٹریال گوزمینز (مشرقی پاکستان)	" " " " "	۔ ۔
۹۔ مسٹر عدیل الدین (مشرقی پاکستان)	" " " " "	۔ ۔
۱۰۔ سید علمدار حسین شاہ گیلانی	" " " " "	۔ ۔

جنرل محمد ایوب خان۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

(۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۸ء)

صدر :

اسکندر مرزا مرکزی سیکرٹریوں پر مشتمل مشاورتی کونسل کے ساتھ

Marfat.com

وزیر اعظم

جنرل محمد ایوب خان	۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	دفاع اور امور کشمیر

وزراء

	" "	
۱۔ لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان	" "	بحالیات
۲۔ " " ڈبلیو اے برکی	" "	صحت اور سماجی بہبود (محنت)
۳۔ مسٹر محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	" "	قانون
۴۔ لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	" "	داخلہ
۵۔ مسٹر عبدالقاسم خان (مشرقی پاکستان)	" "	صنعت و تعمیرات، آبپاشی و بجلی
۶۔ خان ایف ایم خان	۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء	مواصلات
۷۔ مسٹر زیڈ اے بھٹو	" "	تجارت
۸۔ مسٹر محمد حفیظ الرحمٰن	" "	خوراک و زراعت

جنرل محمد ایوب خان ۔ صدر

پہلی کابینہ

صدر

جنرل محمد ایوب خان	۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	کیبنٹ ڈویژن، دفاع، امور کشمیر، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن

وزراء

۱- لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں	۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	بحالیات خوراک وزراعت - تعمیرات - آبپاشی و بجلی
۲- " " ڈبلیو اے برکی	" " " " "	صحت و سماجی بہبود
۳- مسٹر منظور قادر	۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	امور خارجہ و دولت مشترکہ تعلقات
۴- مسٹر محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ فروری ۱۹۶۰ء	قانون
۵- لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	" " " " "	داخلہ، ریاستیں و سرحدی علاقے اور اسٹیبلشمنٹ ڈویژن
۶- محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	۱۵ر نومبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	خزانہ
۷- مسٹر ابوالقاسم خان (مشرقی پاکستان)	۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	صنعت تعمیرات آبپاشی و بجلی
۸- مسٹر ایف ایم خان	" " " " "	ریلوے، مواصلات
۹- مسٹر حبیب الرحمٰن	۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	تعلیم، اطلاعات و نشریات اقلیتی امور
۱۰- مسٹر زید اے بھٹو	۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء	تجارت
۱۱- مسٹر حفیظ الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	" " " " "	خوراک وزراعت و تجارت

Marfat.com

دوسری کابینہ :

صدر

فیلڈمارشل محمد ایوب خان	۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء تا ۸ر جون ۱۹۶۲ء	امور کشمیر، دفاع، صدر کا سیکرٹریٹ، کیبنٹ ڈویژن - اسٹیبلشمنٹ ڈویژن - ایس اینڈ ایف آر - اقتصادی امور ڈویژن، قومی تعمیر نو اور اطلاعات و منصوبہ بندی

وزراء

۱- لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان	۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء تا ۱۵ر اپریل ۱۹۶۲ء	بحالیات، خوراک، زراعت، تعمیرات اور آبی وسائل
۲- مسٹر منظور قادر	" " " ۸ر جون ۱۹۶۲ء	امور خارجہ، دولت مشترکہ تعلقات، قانون و پالیمانی امور
۳- لیفٹیننٹ جنرل ڈبلیو اے برکی	" " " " "	صحت، سماجی بہبود، تعلیم، سائنسی تحقیق، امور کشمیر و اقلیتی امور
۴- محمد ابراہیم (مشرقی پاکستان)	" " " ۱۵ر اپریل ۱۹۶۲ء	قانون
۵- لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	" " " ۸ر جون ۱۹۶۲ء	امور داخلہ، بحالیات، خوراک، زراعت، تعمیرات، ہاؤسنگ آبی وسائل، ریاستیں و سرحدی علاقے اور اسٹیبلشمنٹ ڈویژن
۶- مسٹر محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	" " " " "	خزانہ، اقتصادی رابطہ
۷- مسٹر ابوالقاسم خان	" " " " "	صنعت

۸- خان الیف ایم خان	” ” ” ” ”	ریلوے اور مواصلات
۹- مسٹر محمد حبیب الرحمٰن	” ” ” ” ”	تعلیم، سائنسی تحقیق، اقلیتی امور، قومی تعمیرنو و اطلاعات
۱۰- مسٹر زیڈ اے بھٹو	” ” ” ” ”	قومی تعمیرنو، اطلاعات، اقلیتی امور۔ ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل۔ امور کشمیر و تعمیرات۔
۱۱- مسٹر حفیظ الرحمٰن (مشرقی پاکستان)	۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء تا ۲۸ مئی ۱۹۶۲ء	تجارت
۱۲- مسٹر اختر حسین	یکم جون ۱۹۶۰ء تا یکم مارچ ۱۹۶۲ء	قومی تعمیرنو، اطلاعات، امور کشمیر، اقلیتی امور تعلیم و سائنسی تحقیق۔
۱۳- مسٹر ذاکر حسین (مشرقی پاکستان)	۱۴ر جون ۱۹۶۰ء تا ۸ر جون ۱۹۶۲ء	داخلہ
۱۴- مسٹر عبدالقادر	۳۰ر جنوری ۱۹۶۲ء تا ۸ر جون ۱۹۶۲ء	خزانہ و تجارت
۱۵- مسٹر محمد منیر	۲۲ر مئی ۱۹۶۲ء تا ۸ر جون ۱۹۶۲ء	قانون و پارلیمانی امور

تیسری کابینہ

صدر

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۸ر جون ۱۹۶۲ء تا ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء	صدارتی سیکرٹریٹ، کیبنٹ ڈویژن، ریاستیں اور سرحدی علاقوں کا ڈویژن، امور کشمیر ڈویژن، منصوبہ بندی ڈویژن دفاع، اطلاعات و نشریات۔

Marfat.com

وزراء

۱۔ مسٹر محمد منیر	۸ رجون ۱۹۶۲ء	تا ۱۷ر دسمبر ۱۹۶۲ء	قانون و پارلیمانی امور
۲۔ مسٹر محمد علی (مشرقی پاکستان)	۱۳ رجون ۱۹۶۲ء	تا ۲۳ رجنوری ۱۹۶۳ء	خارجہ امور
۳۔ مسٹر عبدالقادر	۸ رجون ۱۹۶۲ء	تا ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء	خزانہ
۴۔ مسٹر عبدالمنعم خان (مشرقی پاکستان)	۱۳ رجون ۱۹۶۲ء	تا ۷ر نومبر ۱۹۶۲ء	صحت، محنت و سماجی بہبود
۵۔ مسٹر حبیب الرحمن خان	〃 〃	〃 ۲۳ر مارچ ۱۹۶۵ء	امور داخلہ و امور کشمیر
۶۔ مسٹر وحید الزمان (مشرقی پاکستان)	〃 〃	〃 ۲۰ 〃 〃	تجارت، صحت، محنت و سماجی بہبود
۷۔ مسٹر زیڈ اے بھٹو	〃 〃	〃 ۲۳ 〃 〃	صنعت، قدرتی وسائل، بحالیات، تعمیرات و خارجہ امور۔
۸۔ مسٹر عبدالصبور خان (مشرقی پاکستان)	〃 〃	〃 〃 〃 〃	مواصلات

Marfat.com

۹۔ مسٹر اے کے ایم فضل القادر چوہدری	" " ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۳ء	خوراک، زراعت، بحالیات و تعمیرات۔ تعلیم۔ اطلاعات و نشریات، محنت، سماجی بہبود و صحت
۱۰۔ شیخ خورشید احمد	۱۷ر دسمبر ۱۹۶۲ء تا ۲۲ر مارچ ۱۹۶۵ء	قانون و پارلیمانی امور
۱۱۔ رانا عبدالحمید	" " " " "	صحت، محنت، سماجی بہبود و بحالیات، تعمیرات و خوراک و زراعت۔
۱۲۔ مسٹر محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	۱۵ر دسمبر " " "	خزانہ
۱۳۔ مسٹر اے ٹی ایم مصطفٰی (مشرقی پاکستان)	۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء تا ۲۳ر مارچ ۱۹۶۵ء	تعلیم، اطلاعات و نشریات
۱۴۔ مسٹر عبداللہ المحمود (مشرقی پاکستان)	" " " ۲۰ر مارچ ۱۹۶۵ء	صنعت و قدرتی وسائل
۱۵۔ مسٹر عبدالوحید خان	۹ر جنوری ۱۹۶۴ء تا ۲۳ر مارچ ۱۹۶۵ء	اطلاعات و نشریات
۱۶۔ الحاج عبداللہ ظہیرالدین لال میاں (مشرقی پاکستان)	۲۰ر جنوری ۱۹۶۴ء تا ۲۲ر مارچ ۱۹۶۵ء	صحت، محنت و سماجی بہبود

چوتھی کابینہ

صدر

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	کیبنٹ ڈویژن، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن، ریاستوں و سرحدی علاقوں کا ڈویژن، اقتصادی امور ڈویژن، منصوبہ بندی ڈویژن۔ دفاع ڈویژن، سائنسی و تکنیکی تحقیق، داخلہ و امور کشمیر

وزراء

۱۔ خواجہ شہاب الدین	۲۴ مارچ ۱۹۶۵ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	اطلاعات و نشریات
۲۔ مسٹر محمد شعیب (مشرقی پاکستان)	" " ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء	خزانہ
۳۔ مسٹر عبدالصبور خان (مشرقی پاکستان)	" " ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	مواصلات
۴۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	" " ۳۱ اگست ۱۹۶۶ء	امور خارجہ
۵۔ مسٹر غلام فاروق	۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء	سائنس و تکنیکی تحقیق و تجارت

Marfat.com

۶۔ مسٹر الطاف حسین (مشرقی پاکستان)	۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء تا ۱۵ مئی ۱۹۶۸ء	صنعت و قدرتی وسائل
۷۔ مسٹر ایس ایم ظفر	" " " " "	قانون و پارلیمانی امور
۸۔ قاضی انوار الحق (مشرقی پاکستان)	" " تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	تعلیم صحت، محنت و سماجی بہبود
۹۔ چوہدری علی اکبر خان	۱۷ اگست ۱۹۶۵ء تا ۳۰ نومبر ۱۹۶۶ء	امور داخلہ و امور کشمیر۔
۱۰۔ اے ایچ ایم ایس دوہا (مشرقی پاکستان)	" " تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	خوراک و زراعت، بجالیات و تعمیرات
۱۱۔ سید شریف الدین پیرزادہ	۲۰ جولائی ۱۹۶۷ء تا یکم مئی ۱۹۶۸ء	امور خارجہ
۱۲۔ مسٹر این ایم عقیلی	۲۵ جولائی ۱۹۶۸ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء	خزانہ
۱۳۔ وائس ایڈمرل اے آر خان	۲۱ اکتوبر ۱۹۶۶ء تا " "	دفاع، امور داخلہ و امور کشمیر
۱۴۔ نواب زادہ عبد الغفور خان ہوتی	۵ جولائی ۱۹۶۷ء " " "	تجارت
۱۵۔ مسٹر ایم ارشد حسین	۷ مئی ۱۹۶۸ء " " "	امور خارجہ
۱۶۔ مسٹر اجمل علی چوہدری (مشرقی پاکستان)	۶ جولائی ۱۹۶۸ء " " "	صنعت و قدرتی وسائل

Marfat.com

جنرل اے ایم یحییٰ خان ۔ صدر

انتظامی کونسل

صدر

جنرل آغا محمد یحییٰ خاں	۲۶ ، مارچ ۱۹۶۹ء تا ۳ ، اگست ۱۹۶۹ء	
۱۔ وائس ایڈمرل اے آر خان	" " " تا ۵ ، اپریل ۱۹۶۹ء	دفاع
۲۔ میاں ارشد حسین	" " " تا ۴ ، اپریل ۱۹۶۹ء	امور خارجہ
۳۔ ایس فدا حسن	" " " تا ۳۱ ، مارچ ۱۹۶۹ء	عمومی انتظام و رابطہ

صدر و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

جنرل آغا محمد یحییٰ خان	۵ ، اپریل ۱۹۶۹ء تا ۳ ، اگست ۱۹۶۹ء	کیبنٹ ڈویژن ، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن ، قانون و پارلیمانی امور ۔ دفاع ، امور خارجہ ۔

Marfat.com

ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور مشیران (دوسرا مارشل لاء)

۱۔ لیفٹیننٹ جنرل عبدالحمید خان	۵راپریل ۱۹۶۹ء تا ۳راگست ۱۹۶۹ء	داخلہ، امور کشمیر، ریاستیں و سرحدی علاقے منصوبہ بندی کمیشن و بشمول منصوبہ بندی و اقتصادی ڈویژن خزانہ، تجارت، صنعت، قدرتی وسائل۔ خوراک و زراعت۔
۲۔ وائس ایڈمرل ایس ایم احسن	" " " "	
۳۔ ایئر مارشل نور خان	۵راپریل ۱۹۶۹ء تا ۳رستمبر ۱۹۶۹ء	مواصلات، صحت، محنت، سماجی بہبود، تعلیم، بحالیات تعمیرات، خاندانی منصوبہ بندی، سائنسی و تکنیکی تحقیق ڈویژن۔

صدارتی کابینہ

صدر

جنرل آغا محمد یحییٰ خان	۴راگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ردسمبر ۱۹۷۱ء	زراعت و تعمیرات، مواصلات (۱۴راگست ۱۹۶۹ء تا ۱۴راگست ۱۹۶۹ء) کیبنٹ ڈویژن (۴راگست ۱۹۶۹ء

تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) - دفاع (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) - اقتصادی امور (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) - اسٹیبلشمنٹ ڈویژن (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) قانون (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۱۶ر ستمبر ۶۹ء) امور خارجہ (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۷۱ء) پارلیمانی امور (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) منصوبہ بندی ڈویژن (۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء) وزارت اطلاعات و قومی امور (۱۵ر دسمبر ۱۹۷۰ء تا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء)

وزارتی کونسل

۱- ڈاکٹر اے ایم مالک (مشرقی پاکستان)	۴ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۱ء	صحت، محنت، خاندانی منصوبہ بندی، مواصلات (۱۵ر اگست ۱۹۶۹ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۶۹ء)
۲- سردار عبد الرشید	" " " " "	داخلہ، امور کشمیر، ریاستیں و سرحدی علاقے
۳- مسٹر ابو الخیر محمد حفیظ الدین (مشرقی پاکستان)	" " " " "	صنعت و قدرتی وسائل

Marfat.com

۴۔ نواب مظفر علی قزلباش	۴؍اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۲؍فروری ۱۹۷۱ء	خزانہ
۵۔ مسٹر محمد شمس الحق (مشرقی پاکستان)	〃 〃 〃 〃	تعلیم و سائنسی تحقیق
۶۔ نواب زادہ شیر علی خان	〃 〃 ۱۵؍دسمبر ۱۹۷۰ء	اطلاعات قومی امور
۷۔ مسٹر احسان الحق (مشرقی پاکستان)	〃 〃 ۲۲؍فروری ۱۹۷۱ء	تجارت
۸۔ مسٹر محمود اے ہارون	۱۵؍اگست ۱۹۶۹ء 〃 〃	زراعت
۹۔ مسٹر اے آر کارنیلیس	۱۷؍ستمبر ۱۹۶۹ء 〃 〃	قانون
۱۰۔ ڈاکٹر غلام وحید چوہدری (مشرقی پاکستان)	۸؍اگست ۱۹۶۹ء 〃 〃	مواصلات

صدارتی مشیر

۱۔ مسٹر ایم ایم احمد	۸؍ستمبر ۱۹۷۰ء تا ۲۰؍دسمبر ۱۹۷۱ء	اقتصادی رابطہ اور بیرونی امداد ڈویژن و مالیات ڈویژن
۲۔ مسٹر اے آر کارنیلیس	۲۲ فروری ۱۹۷۱ء تا 〃 〃	قانون و پارلیمانی امور
۳۔ مسٹر ایم ایچ صوفی	۱۳؍مارچ ۱۹۷۱ء تا ۲۹؍دسمبر ۱۹۷۱ء	زراعت تعمیرات امور کشمیر ڈویژن
۴۔ مسٹر ایس غیاث الدین احمد	۲؍ستمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۸؍دسمبر ۱۹۷۱ء	دفاع

Marfat.com

اِشاریات

آر۔سی۔ڈی ، ۹۶
آزاد بنگال ، ۵۹ ، ۱۴۹
آزاد کشمیر ، ۲۲۳
آسٹریلیا ، ۶۰
آسام ، ۱۸۷
آکشے کمار داس ، ۳۱۷ ، ۳۲۱ ، ۳۲۳
آل انڈیا ریڈیو ، ۱۸۲
آل انڈیا کانگرس ، ۱۷۶
آئی آئی چندری گر ، ۳۶ ، ۵۵ ، ۳۰۶ ، ۳۱۶ ، ۳۱۹
آئی ایچ قریشی ، ۳۰۸ ، ۳۱۰ ، ۳۱۲
ابوالخیر محمد حفیظ الدین ، ۳۳۶
ابوالقاسم خان ، ۳۲۵ ، ۳۲۷ ، ۳۲۸
ابوالمنصور احمد ، ۱۲ ، ۳۱۸
ابوحسین سرکار ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۱۴
اجمل علی چوہدری ، ۳۳۳
اچاریہ کرپلانی ، ۱۷۷
احسان الحق ، ۳۳۷
احسن، گورنر ، ۷۹ ، ۱۴۵ ، ۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۲۷۸ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۲۸۸ ، ۲۸۹ ، ۲۳۵
احمد سعید قریشی ، ۱۳۰ ، ۱۵۹
اختر حسین ، ۳۲۹
ارجنٹائن ، ۲۵۷
اُردن ، ۱۹۹
اسرائیل ، ۱۸۲ ، ۲۴۸
اسلام آباد ، ۱۴۴ ، ۲۴۰ ، ۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۶۶ ، ۲۷۱ ، ۲۷۲ ، ۲۸۱ ، ۲۸۹ ، ۳۰۰ ،
اسلامی جمہوریہ پاکستان ، ۸۲
اصغر خاں ایئر مارشل ، ۲۸۵ ،

Marfat.com

افغانستان ، ۲۰۳ ، ۲۰۴
اقوام متحدہ ، ۱۵۷ ، ۱۷۰ ، ۱۹۰ ، ۲۱۳ ،
۲۱۵ ، ۲۲۱ ، ۲۲۵ ، ۲۲۷ ، ۲۳۲ ، ۲۴۱ ،
۲۴۲ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۵۷ ، ۲۵۹ ،
۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۳۰۰ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ ، ۳۰۳ ،
اگرتلا سازش کیس ، ۶۶ ، ۶۷
الطاف حسن قریشی ، ۶۲ ، ۶۳
الطاف حسین ، ۳۳۳
الطاف گوہر ، ۴۵ ، ۷۱
امراؤ خاں ، جنرل ، ۳۵
امریکہ ، ۱۰۹ ، ۱۹۹ ، ۲۰۳ ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ ،
۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، ۲۱۵ ،
۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۵ ،
۲۲۶ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ،
امریکی ، ۲۶ ، ۵۸ ، ۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ،
۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۸ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۵ ،
۲۲۶ ، ۲۲۸ ، ۲۵۸ ، ۳۰۴ ،
امریکی بیڑا ، ۶۵ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۲۵
امیر محمد خاں ، ۴۲
انتھونی ماسکارنہاس ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ،
۲۶۷
انٹیلی جنس بیورو ، ۹۸
اندرا گاندھی ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۷۹ ،
۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۲۱۴ ،
۲۱۷ ، ۲۲۸ ، ۲۶۷ ،
انصاری ، جنرل ، ۳۰۱
انور اقبال قریشی ، ڈاکٹر ، ۱۰۴ ، ۲۶۸
انور السادات ، ۳۰۲
انور رضا ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۶۸
اُونتھان ، ۲۴۲
اوریانا فلاسی ، ۱۹۴
اے آر خاں ، وائس ایڈمیرل ، ۳۳۳ ،
۳۳۴ ،
اے ایچ ایم ایس ، دوہا ، ۳۳۳
اے ایچ دلدار احمد ، ۳۱۸
اے ایم چوہدری ، ۸۷
اے ایل لبسواس ، ۳۱۶ ، ۳۲۰
اے ایم رضا ، ۲۲۵
ایڈویل ، ڈونلڈ لوکھرٹ ، ۲۶۵
اے ٹی ایم مصطفےٰ ، ۳۳۱
ایچ آئی رحمت اللہ ، ۳۱۴ ، ۳۱۶
ایچ ایم حبیب اللہ ، ۱۸ ، ۲۸ ، ۴۵

Marfat.com

ایس اے رحمٰن جسٹس ، ۶۷
ایس ایم احسن ، ۱۴۹
ایس ایم ظفر ، ۷۰ ، ۲۶۹ ، ۳۳۳
ایس ایم یوسف ، ۲۰۷
ایس براتا ، ۱۹۵
ایسٹ بنگال رجمنٹ ، ۱۷۰ ، ۱۹۶
ایسٹ پاکستان رائفلز ، ۱۶۸ ، ۱۷۰ ،
۱۹۶ ،
ایس غیاث الدین احمد ، ۳۳۷
ایس فدا حسن ، ۳۳۴
ایشین کولیکٹو سیکورٹی ، ۲۰۸
ایفرو ایشین ممالک ، ۱۷۰
اے کے ایم فضل القادر چوہدری ، ۳۳۰
اے کے بروہی ، ۲۱۸ ، ۳۱۲
ایل ایف رشن بروک ولیمز ، ۱۷ ، ۲۶۹
ایلن کیمپبل جانسن ، ۲۶۵
ایم آئی کریم ، جنرل ، ۲۸۱
ایم ارشد حسین ، ۳۳۳ ، ۳۳۴
ایم اے خلیق ، ۳۱۸
ایم اے کھوڑو ، ۳۲۳
ایم ایم احمد ، ۲۸۶ ، ۳۳۷
ایم اے ایچ اصفہانی ، ۳۱۴
ایم اے مالک ، ڈاکٹر ، ۹۸ ، ۲۱۶ ، ۲۳۳ ،
۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۲۴۰ ، ۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ،
۳۰۷ ، ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۳ ، ۳۳۶
ایم اے منان ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۲۶۷
ایم رفیق افضل ، ۳۱ ، ۲۶۸
این اے رضوی ، ۹۸
این ایم عقیلی ، ۳۳۳
اینڈرسن جیک ، ۲۰۹ ، ۲۱۴
اینڈری گریشکو ، ۲۰۷
باریسال ، ۱۷۰
برطانیہ ، ۱۲
برک ایس ایم : ۲۶۶
برما ، ۱۸
بسنت کمار داس ، ۳۲۲
بلوچستان ، ۷۱ ، ۹۲ ، ۹۹ ، ۱۱۴ ،
۱۴۴ ،
بلگانن ، ۲۰۳
بنڈونگ کانفرنس ، ۲۲۵
بنگال ، ۷ ، ۱۵ ، ۱۹ ، ۲۷ ، ۴۲ ، ۴۴ ،
۴۷ ، ۵۳ ، ۷۹ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۲۶ ،

Marfat.com

۱۳۶ ، ۱۴۴ ، ۱۵۱ ، ۲۱۹
بنگال جمہوریہ ، ۱۲۶
بنگلہ دیش ، ۷ ، ۸ ، ۱۷ ، ۹۳ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۱۰۳ ،
۱۰۸ ، ۱۱۱ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۴۳ ،
۱۴۴ ، ۱۴۵ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۴ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ،
۱۶۱ ، ۱۶۳ ، ۱۶۷ ، ۱۶۸ ، ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۹ ،
۱۸۰ ، ۱۸۳ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ۱۸۷ ، ۱۸۹ ، ۱۹۱ ،
۱۹۲ ، ۱۹۵ ، ۲۰۱ ، ۲۰۸ ، ۲۱۰ ، ۲۱۳ ، ۲۱۷ ،
۲۲۵ ، ۲۴۲ ، ۲۴۴ ، ۲۴۹ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ،
۲۶۷ ، ۲۹۴ ، ۲۹۵ ،
بمبئی ، ۹۵ ، ۲۶۵ ، ۲۷۰ ، ۲۷۱
بنیادی جمہوریت ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۶۷
بوگرہ ، ضلع ، ۱۵۵
بی بی سی ، ۱۸۰ ، ۱۹۸
بینرجی ، ڈی این ، ۲۶۵
بہار ، ۱۶۸
بیسک پرنسپلز کمیٹی ، ۲۳
بیس سالہ دفاعی معاہدہ ۲۳۴ ، ۲۴۲
بھارت ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۶۱ ،
۶۲ ، ۶۳ ، ۶۹ ، ۸۷ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۶۸ ،
۱۷۵ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۶ ، ۱۸۷ ، ۱۸۹ ،
۱۹۱ ، ۱۹۲ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۶ ،
۱۹۷ ، ۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲۰۱ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ،
۲۰۵ ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۲ ، ۲۱۵ ،
۲۱۶ ، ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۳ ، ۲۲۵ ، ۲۲۶ ،
۲۲۷ ، ۲۲۸ ، ۲۳۱ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۳۹ ،
۲۴۱ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ ، ۲۴۷ ،
۲۴۸ ، ۲۵۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۸ ، ۲۶۰ ،
۳۰۱ ،
بھارت روس دوستی ، ۲۰۸
بھارت روس معاہدہ ، ۲۰۸ ، ۲۳۴ ،
۲۴۲ ،
بھارگوا ، جی ایس ، ۲۶۵
بھٹ نگار ، ۲۶۶
بھوٹان ، ۵۸
پاک امریکہ تعلقات ، ۲۱۳
پاک بھارت جنگ ، ۱۶ ، ۶۰ ، ۲۰۶ ،
۲۰۹ ، ۲۱۴ ، ۲۱۵ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ ، ۲۳۰ ،
۲۳۳ ، ۲۵۷
پاک چین تعلقات ، ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ،
پاک روس تعلقات ، ۲۰۲ ، ۲۰۴ ،
۲۰۵ ، ۲۰۶ ،

پاکستان ، ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵
۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۵ ، ۲۷ ،
۳۱ ، ۳۳ ، ۳۹ ، ۴۴ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۵۸ ، ۵۹ ،
۶۱ ، ۷۱ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۹۰ ، ۹۱ ،
۹۲ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۱۱۰ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ،
۱۱۶ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۲۵ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ،
۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۶ ، ۱۵۲ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ،
۱۶۰ ، ۱۶۶ ، ۱۶۷ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ،
۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۸
۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ۱۹۲ ، ۱۹۳ ، ۱۹۶ ، ۱۹۷
۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ ، ۲۰۴ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ،
۲۰۷ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴
۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۲۰ ، ۲۲۳ ، ۲۲۵ ،
۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۳۳ ، ۲۳۹ ،
۲۴۱ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ،
۲۵۰ ، ۱۵۱ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۶ ،
۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۱۶۱ ، ۲۶۵ ،
۲۶۶ ، ۲۶۷ ، ۲۷۰ ، ۲۷۲ ، ۲۷۵ ، ۲۷۸ ،
۲۸۰ ، ۲۸۲ ، ۲۸۳ ، ۲۸۴ ، ۲۸۸ ،
۲۹۴ ، ۲۹۶ ،
پاکستان پیپلز پارٹی ، ۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ،
۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۱۶ ، ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ،
۱۲۲ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۳ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ،
۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۳ ، ۱۴۶ ،
۱۴۷ ، ۱۵۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۲ ، ۱۶۴ ، ۲۳۶ ،
۲۳۷ ، ۲۴۰ ،
پاکستان جمہوری پارٹی ۹۹ ، ۱۱۳
پاکستان جمہوری تحریک (پی۔ڈی۔ایم) ۷۸
پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی ، ۹۸ ، ۲۴۰
پاکستان مسلم لیگ ، ۱۸
پاکستان نیشنل لیگ ، ۱۲۷
پٹنہ ، ۱۵۵
پٹیل ، ۱۷۷
پڈگورنی ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ ، ۲۲۷ ، ۲۴۱
پختونستان ، ۹۲ ، ۱۴۵ ، ۲۰۴ ، ۲۲۶
پشاور ، ۱۳۸
پنجاب ، ۱۵ ، ۲۰ ، ۲۴ ، ۱۱۴ ، ۱۴۴ ،
۱۵۹ ، ۳۰۳
پنجابی ، ۲۹۵ ، ۲۹۹
پولینڈ ، ۲۵۸ ، ۲۶۰ ، ۲۹۸ ، ۳۰۴
پیٹر پال گوزمیز ۳۲۴
پیرزادہ ، جنرل ، ۸۰ ، ۱۰۰ ، ۱۲۹ ، ۱۴۷ ،

Marfat.com

۱۸۰ ، ۲۸۳ ، ۲۸۴ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۳۰۳ ،
پیکنگ ، ۲۰۸
پیلٹ ، میجر جنرل ، ڈی کے ، ۲۶۸
پینٹاگون ، ۲۲۰
پینی رابرٹ ، ۲۶۸
تاج الدین احمد ، ۹۶ ، ۱۰۵ ، ۱۲۳ ، ۱۴۹ ، ۱۶۴ ، ۲۸۷
تاشقند ، ۶۱ ، ۶۸ ، ۲۲۶
تربیلا ، ۲۰۹
تفضل حسین ، ۴۲ ، ۳۱۲
تل ابیب ، ۱۸۲
تنزانیہ ، ۲۷۱
تھامس فینٹم ، ۲۳۱
ٹکاخاں ، جنرل ، ۱۵۱ ، ۱۷۳ ، ۱۸۳ ، ۲۱۶ ،
۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۲۹۱ ، ۲۹۳
ٹھاکر داس پرشاد ، ۱۷۸
جارج بش ، ۲۱۵
جام ساقی ، ۸۵
جعفر شاہ میاں ، ۳۱۸ ، ۳۲۰ ، ۳۲۱
جگجیت سنگھ اروڑا ، جنرل ، ۲۵۶
جماعت اسلامی ، ۹۷ ، ۹۸ ، ۱۵۱ ، ۱۵۹ ،
۱۶۱ ، ۲۳۶ ، ۲۴۰
جمشید ، جنرل ، ۳۰۳
جمعیت علمائے اسلام ، ۱۵۹
جمعیت علمائے پاکستان ، ۹۷ ، ۱۳۳ ، ۱۵۹
جمنا داس اختر ، ۴۱ ، ۲۶۵
جنگ ستمبر ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۴ ، ۸۷
جنوب ایشیا ، ۱۱ ، ۱۳ ، ۲۰۷ ، ۲۱۳
جنوب مشرقی ایشیا ، ۱۹۲ ، ۲۰۹ ، ۲۱۱
جنوبی ایشیا ، ۱۶۰ ، ۲۰۴ ، ۲۱۵
جوزف ایلسپ ، ۲۱۹
جوزف کاربل ، ۱۷۶
جوگندر ناتھ منڈل ، ۳۰۷
جے اے نائیک ، ۲۰۸
جے پی نرائن ، ۱۳۷ ، ۱۹۳
جی ۔ ڈبلیو ترائن ، ۶۰ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۱۰۷ ،
۱۰۸ ، ۱۲۵ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۶۰ ، ۱۶۴ ،
۱۸۰ ، ۲۰۲ ، ۲۰۶ ، ۲۱۳ ، ۲۱۶ ، ۲۲۹ ،
۲۶۶ ،
جیسور ، ۳۰۰ ، ۳۰۱
جیکب ، میجر جنرل ، ۲۴۸
چالنا ، ۱۹۷
چاندپور ، ۳۰۱

Marfat.com

چٹاگانگ، ۲۵، ۵۲، ۱۵۷، ۱۷۰،
۱۷۱، ۱۸۰،
چندرا پرابودھ، ۲۶۶
چن لنکن سی، ۲۶۶
چُواڈنگا ۲۹۹
چواین لائی، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۳
چوہدری علی اکبر خاں، ۳۳۳
چوہدری محمد علی، ۱۸، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۲۶۸، ۳۱۵
چوہڑا، پران، ۲۶۶
چی پنگ فی، ۲۳۰
چین، ۱۸، ۵۸، ۶۱، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹،
۲۱۳، ۲۱۵، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸،
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴،
۲۴۱، ۲۵۹، ۳۰۴
چین بھارت جنگ، ۲۰۵
چھ نکات، ۵، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۷،
۷۰، ۷۱، ۷۲، ۸۱، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹،
۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۰۲،
۱۰۷، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۳۸،
۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۵۷،
۱۵۸، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۸۵،

چھ نکاتی فارمولا، ۶۳، ۶۴، ۸۴، ۸۵،
۸۷، ۸۸، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۳۰، ۲۷۵،
حبیب الرحمٰن، ۳۲۷، ۳۳۰
حسن زماں، ڈاکٹر، ۱۵۷، ۲۶۹
حسن عسکری رضوی، ۴۹، ۲۶۹
حسن، کرنل ۲۸۶
حسین شہید سہروردی، ۱۹، ۳۰، ۳۳، ۳۴،
۳۵، ۳۶، ۵۴، ۵۵، ۵۹، ۶۰، ۱۲۶،
۳۱۴، ۳۱۷
حمود الرحمٰن، جسٹس، ۱۵۷، ۳۰۳
حمود الرحمٰن کمیشن، ۱۰۳، ۱۴۹،
۲۳۱، ۳۰۳،
حمید الحق چوہدری، ۳۱۶، ۳۲۳
حمید، جنرل، ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۸۰، ۲۸۶،
۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۳، ۲۹۷، ۳۰۲،
حیدرآباد، ۲۳۵
خادم حسین راجہ، جنرل، ۲۷۹، ۲۸۶،
۲۹۲، ۲۹۳
خالد بن سعید، ۱۶، ۳۸، ۴۶، ۴۷، ۲۶۷
خان اے ایف خاں، ۳۲۶، ۳۲۷
خان اے کیو خاں، ۳۱۲
خان سعد اللہ، ۲۶۷

Marfat.com

خان محمد جلال الدین خاں ، ۳۲۴

خداداد، جنرل ، ۲۸۶ ، ۲۹۳

خروشیف ، ۲۰۳

خورشید احمد، ۲۶۷ ، ۳۳۱

خلیج بنگال ، ۲۲۲

خلیل الرحمٰن، سید، ۳۱۱

خوندکر، ائرکموڈور ، ۲۹۴

خیبر ، ۱۴۲ ، ۱۴۶

دستور ساز اسمبلی، ۱۴ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۴

دہلی ، ۱۷۸ ، ۱۸۱ ، ۱۹۲ ، ۲۲۴ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ ، ۲۷۰ ، ۲۷۱ ،

دھربیندر ناتھ دت ، ۱۹ ،

دھومتی ، ۳۰۱

ذاکر حسین ، ۲۴ ، ۳۲۹

ذوالفقار علی، بھٹو ، ۸ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۷۱ ، ۷۲ ، ۸۰ ، ۸۴ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۱۰ ، ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۲۴ ، ۱۲۶ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۲ ، ۱۴۴ ، ۱۴۵ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۶ ، ۱۶۹ ، ۲۱۲ ، ۲۲۹ ، ۲۳۰ ، ۲۳۱ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶ ، ۲۳۷ ، ۲۳۸ ، ۲۵۲ ، ۲۵۸ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۸۰ ، ۲۸۱ ، ۲۸۲ ، ۲۸۵ ، ۲۸۷ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۲۹۱ ، ۲۹۲ ، ۲۹۶ ، ۳۰۱ ، ۳۲۶ ، ۳۲۸ ، ۳۳۰ ، ۳۳۲ ،

ڈاکٹر خان صاحب ، ۳۱۴ ، ۳۱۵

ڈبلیو اے برکی ، ۳۲۵ ، ۳۲۶ ، ۳۲۷

ڈیوڈ فراسٹ ، ۹۵

ڈیوڈ لوشاک ، ۹۱ ، ۱۱۰ ، ۱۱۶ ، ۱۵۶ ، ۱۶۳ ، ۲۶۷

ڈھاکہ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۴۴ ، ۴۸ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۲ ، ۶۹ ، ۱۱۲ ، ۱۲۸ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۳۷ ، ۱۴۱ ، ۱۴۴ ، ۱۴۵ ، ۱۴۶ ، ۱۴۹ ، ۱۵۲ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۵ ، ۱۶۸ ، ۱۷۳ ، ۱۸۰ ، ۱۸۳ ، ۱۸۵ ، ۱۸۸ ، ۱۹۴ ، ۱۹۷ ، ۲۱۰ ، ۲۱۹ ، ۲۳۳ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۲۵۶ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۳ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ ، ۲۷۰ ، ۲۷۱ ، ۲۷۲ ، ۲۸۰ ، ۲۸۱ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۱۹۱ ، ۲۹۳ ، ۲۹۸ ،

Marfat.com

٣٠١، ٣٠٤،

رابرٹ جیکسن، ١٤٢، ٢٠٧، ٢٠٨، ٢١٨، ٢٢٨،

٢٣٠، ٢٤٣، ٢٤٥، ٢٤٧، ٢٦٧،

راج شاہی، ١٨٥، ٣٠١

راجن، ایم ایس، ٢٦٨

راجیہ سبھا، ١٧٩

رالف برے بنتی، ٢٦٦

راناعبدالحمید، ٣٣١

راولپنڈی، ١٨، ١٩، ٨٥، ١١٢، ١٨٨، ١٩٥،

٢٣١، ٢٣٩، ٢٨٠، ٢٨٣، ٢٨٦، ٢٨٩

رحمان بھائی، ٢٩٤

رحمان سبحان، ٨٧، ١٢٩، ١٦٢، ١٦٣، ١٨٤، ٣٠٤

رحمان ظفر، رانا، ٢٦٨

رحیم خاں، ایئر مارشل، ٨٠، ١٠٠

رش بروک، ولیمز، ١٠٣، ١٠٥، ٢٦٩

رضا کاظم، ١٤٣

رمنا ریس کورس، ٩٦، ١٢٤، ١٢٥

رمیز الدین، میاں، ٣٢١

رُوس، ١٩٨، ٢٠١، ٢٠٣، ٢٠٤، ٢٠٥، ٢٠٧،

٢٠٨، ٢٠٩، ٢١٠، ٢١٢، ٢١٤، ٢١٩،

٢٢٢، ٢٢٥، ٢٤٢، ٢٤٣، ٢٥٧

رُوسی، ٥٨، ٢٠٣، ٢٠٧، ٢١٠، ٢٥٩،

رونق جہاں، ٢٣، ٢٤، ٣٢، ٤٢، ٥٢،

٥٣، ٦٣، ٦٧، ٢٦٩،

ری پبلکن پارٹی، ٣٧

ریڈ کراس، ٢٤٧

زیڈاے سلہری، ٢٩، ١٣٨

ساتواں بیڑہ، ٢٠٩، ٢١٠، ٢١٨، ٢١٩، ٢٢٠، ٢٢١،
٢٢٢، ٢٢٤،

سانتاہار، ١٥٥،

سپین، ١٣٩

سٹاک ہوم، ٢٧٠

سراج گنج، ١٥٥

سرحد، ١١٤

سرحدی سیکورٹی فورس، ١٤٢

سردار اکبر بگٹی،

سردار امیر اعظم خاں، ٣١٥، ٣١٧، ٣١٨، ٣٢٣

سردار امیر زمان خاں، ٣١٣

سردار بہادر خاں، ٣٠٧، ٣٠٨، ٣١٠،

٣١١،

سردار عبدالرشید خاں، ٣٢٣، ٣٣٦

سردار محمد نواز خاں، ٣٠٨

سردار ممتاز علی خاں، ٣١٤

Marfat.com

سعودی عرب ، ۱۹۹
سفارائے کھنڈہ ، ۲۷ ، ۵۲ ، ۸۶ ، ۲۶۵
سِکّم ، ۵۸
سکندر مرزا ، ۳۸ ، ۳۱۴ ، ۳۲۵
سلطان ایم خاں ، ۹۶
سلہٹ ، ۱۷۰
سندھ ، ۷۱ ، ۱۱۴
سنکیانگ ، ۲۰۹
سوامی کے سبرامینیم ، ۱۷۱ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۹۱ ، ۲۳۰ ، ۲۳۳ ، ۲۶۸
سورن سنگھ ، ۱۷۸
سیالکوٹ ، ۲۵۱ ، ۲۶۸
سیٹو ، ۲۰۴ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳
سید احمد نواز شاہ گردیزی ، ۳۲۴
سید امجد علی ، ۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۲۰ ، ۳۲۱
سید نور احمد ، ۳۰ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۵۶ ، ۳۷ ، ۲۶۸
سید ہمایوں ، ۸۸ ، ۲۶۷
سیکورٹی کونسل ، ۹۸ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۴۳ ، ۲۴۵ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸
سینٹو ، ۲۱۲ ، ۲۱۳
شاستری ، ۶۲
شام ، ۸۹
شاہ احمد نورانی ، ۱۳۳
شاہد علی ، ۳۷
شائق ، ۲۹۴
شریف الدین پیرزادہ ، ۳۳۳
شریف ، ایڈمرل ، ۳۰۲ ، ۳۰۳
شعیب بن عزیز ، ۹
شعیب قریشی ، ۳۱۲
شمس الحق ، ۳۳۷
شمس الدین کھنڈکر ، ۲۸
شوکلا ، ۱۷۸
شہاب الدین ، ۴۶ ، ۴۷
شہاب الدین خواجہ ، ۳۰۷ ، ۳۰۹ ، ۳۳۲
شہید مینار ، ۲۲ ، ۱۷۲
شیاما پرشاد مکرجی ، ۱۷
شیخ خورشید احمد ، ۳۳۱
شیخ رشید ، ۱۴۰
شیخ عبداللہ ، ۱۳۷
شیر علی خاں ، نوابزادہ ، ۳۳۷
صابر حسین ، سید ، ۲۶۹

Marfat.com

صیہونیت، صیہونی، ۱۸۲
ضیاء، میجر، ۱۷۱
ظفر اللہ خاں، سر، ۹۰، ۹۱، ۱۶۵، ۱۷۳، ۲۶۹، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱
ظہیر الدین، ۳۱۸، ۳۲۳
عابد حسین، سید، ۳۱۴، ۳۱۶
عبدالحفیظ پیرزادہ، ۲۴۰
عبدالحلیم، میاں، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱
عبدالحمید، ۲۵۲، ۳۳۵
عبدالستار پیرزادہ، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۷
عبدالسلام خاں، ۷۸
عبدالصبور خاں، ۳۳۰، ۳۳۲
عبدالغفور خاں ہوتی، نوابزادہ، ۳۳۳
عبدالقادر، ۳۲۹، ۳۳۰
عبدالقیوم خاں، ۱۴۹
عبداللہ المحمود، ۳۳۱
عبداللہ ظہیر الدین لال میاں، الحاج، ۳۳۱
عبدالمنصور، ۱۲۶
عثمانی، کرنل، ۱۷۱، ۲۹۲
عدیل الدین احمد، ۳۲۴
عرب، ۱۹۹، ۲۰۴
عرب اسرائیل جنگ، ۲۴۸
عزیز احمد، ۱۴
عزیز الدین احمد، ۳۰۸، ۳۱۰
عزیز الرحمٰن خاں، ۵۲
عطاء الرحمٰن، ۳۳، ۳۶
عطاء اللہ مینگل، ۸۵
علی محمد راشدی، پیر، ۳۱۶
عمر، جنرل، ۱۴۹، ۱۸۰، ۲۸۶
عوامی لیگ، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵،
۳۶، ۴۲، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۶، ۶۸،
۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴،
۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵،
۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴،
۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱،
۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱،
۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۲،
۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۴،
۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۱،
۱۸۳، ۱۸۶، ۱۹۲، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸،
۲۳۹، ۲۴۴، ۲۷۵، ۲۸۷،
غلام اعظم، پروفیسر، ۶۴، ۶۷، ۷۲، ۷۶، ۷۹،
۱۰۷، ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۶۹، ۱۷۳، ۲۳۶

Marfat.com

غلام فاروق، ۳۳۲
غلام محمد، ۳۲، ۳۰۷
غلام وحید چوہدری، ڈاکٹر، ۳۳۷
غضنفر علی، راجہ، ۳۰۷
غیاث الدین پٹھان، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۴
فرانسیسی، ۶۴
فرمان علی، جنرل، راؤ، ۱، ۹۸، ۱۲۹، ۲۲۱،
۲۳۹، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱
۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۱،
۲۹۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵
فضل الحق، اے، کے، ۳۱۶
فضل الرحمٰن، ۲۱۱، ۳۰۷، ۳۲۰
فضل حق، ۳۱، ۳۶، ۶۰
فضل مقیم، جنرل، ۲۳۲، ۲۴۵، ۲۴۶،
۲۴۷، ۱۵۱، ۲۵۶، ۲۶۶
فیض محمد، ۱۰۳
فیلڈ مین، ہربرٹ، ۴۲، ۴۳، ۵۲، ۸۲،
۸۴، ۸۷، ۸۸، ۹۴، ۹۹، ۱۰۳، ۱۶۱،
۲۴۷، ۲۶۶، ۲۶۷
قاضی انوار الحق، ۳۳۳
قرارداد لاہور، ۶۰، ۲۷۵
قطب الدین عزیز، ۱۶، ۲۶۵
قمر الدین احمد، ۲۱، ۲۵، ۲۷، ۲۹،
۳۳، ۲۶۷
قمر الزماں، ۸۵، ۹۲، ۹۳
قومی اسمبلی، ۵۱، ۵۳، ۶۰، ۸۲، ۸۳،
۹۷، ۱۲۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷،
۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۶، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۳۹، ۲۷۰، ۲۸۱، ۲۸۳،
۲۸۵، ۱۹۱،
قیوم خاں، ۹۸، ۱۰۵، ۱۴۹
قیوم مسلم لیگ، ۹۸، ۱۴۱، ۱۴۳
۲۴۰
کابل، ۹۱، ۹۲
کارنیلیس جسٹس، ۱۸۰، ۲۸۶، ۳۳۷
کالا باغ، ۴۲
کالارڈ، کیتھ، ۲۶۶
کراچی، ۱۷، ۲۶، ۸۵، ۱۴۱، ۱۴۶،
۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۶۲،
۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۸۷،
۲۹۰، ۲۹۳،

Marfat.com

کرشک سرامک پارٹی، ۳۰، ۳۶، ۳۸،

کشتیا، ۱۹۷

کشمیر، ۱۶، ۶۵، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۲،
۲۱۳، ۲۲۶، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۳،
۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۲۳،
۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۲،
۳۳۳، ۳۳۶،

کلدیپ نیر، ۹۶، ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۸۱،
۱۹۳، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۳۱، ۲۴۵، ۲۴۹،
۲۶۸،

کلکتہ، ۱۸، ۲۰، ۲۵، ۵۸، ۶۵، ۱۸۶،
۱۸۸، ۲۱۸،

کمال حسین، ڈاکٹر، ۲۳۹

کمیونسٹ پارٹی بنگلہ دیش، ۱۹۶

کنونشن مسلم لیگ، ۹۷، ۲۴۰

کوثر نیازی، مولانا، ۱۰۰

کوسیجن، ۲۰۷

کولمبیا براڈ کاسٹنگ کارپوریشن، ۱۶۸، ۲۳۱

کونسل مسلم لیگ، ۹۷

کومیلا، ۱۷۰، ۱۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰

کمینی کمار دتا، ۳۱۶، ۳۲۲

کے.ایم شیخ، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۸

کینڈی، ۲۱۲

کھلنا، ۱۷۰، ۱۹۷

گاندھی، ۱۸، ۱۹، ۱۷۶

گرفن کتھ، ۲۶۷

گریشم لار، ۸۹

گرینڈ نیشنل کنونشن، ۸۶

گل حسن، جنرل، ۱۰۰، ۱۴۹

گلگت، ۲۲۳

گنگا، ۲۳۱

گورکھا، ۲۳۳

گول میز کانفرنس، ۷۱، ۷۲، ۸۱، ۱۰۱،
۱۵۲

لارڈ برڈ وڈ، ۱۶، ۱۷، ۲۰، ۲۶۶

لارنس زائرنگ، ۵۰، ۲۶۹

لاڑکانہ، ۱۲۸، ۱۲۹، ۲۸۰

لاہور، ۱۰۰، ۱۲۰، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۶،
۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳

لطف الرحمٰن، ۳۱۷، ۳۲۱

لوک سبھا، ۱۷۹

لندن، ۶۲، ۹۵، ۱۵۷، ۱۹۳، ۱۹۵،

Marfat.com

۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳

لیاقت علی خاں، ۱۱، ۳۰، ۵۵، ۲۰۲،
۲۰۳، ۳۰۶

لیگل فریم آرڈر، ۱۴۲

ماجد، میجر جنرل، ۱۶۸

مارشل لا، ۴۱، ۷۰، ۷۲، ۷۶، ۷۷، ۷۸،
۷۹، ۸۴، ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۶۱،
۱۶۲، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۳، ۲۸۶، ۲۹۲،
۳۰۵، ۳۲۵، ۳۳۵،

مارواڑی، ۱۹

ماسکو، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۲۴

مائیکل نکلسن، ۱۱۲

مبشر حسن، ۲۹۶

متحدہ بنگال، ۵۸

متحدہ پاکستان، ۸۹، ۹۰، ۹۳، ۹۵، ۱۰۸،
۱۴۰، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۴، ۲۱۶

مٹھا، جنرل، ۲۸۶، ۲۹۳

مجیب الرحمٰن، شیخ، ۵، ۸، ۱۷، ۳۵، ۴۲،
۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷،
۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۴،
۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۳،
۹۴، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴،
۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۶،
۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵،
۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵،
۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱،
۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸،
۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴،
۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۴،
۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۱۶،
۲۱۸، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹،
۲۴۳، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳،
۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۱، ۲۹۲،

محبوب الحق، ڈاکٹر، ۲۵

محفوظ الحق، ۳۲۲

محمد ابراہیم، ۳۲۷، ۳۲۸

محمد اعظم خاں، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۸

محمد ایوب خاں، جنرل، ۳۶، ۳۸، ۴۱،
۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۵۱، ۵۲،
۵۳، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۲،
۶۳، ۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱،

Marfat.com

۷۲، ۷۳، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۸۶، ۸۷، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۹۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۲، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۵۰، ۲۶۵، ۲۹۵، ۳۱۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۲،

محمد حسین، ڈاکٹر، ۳۰۸، ۳۱۰

محمد حفیظ الرحمٰن، ۳۲۶، ۳۲۹

محمد شعیب، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۲

محمد عباس علی، ۵۸، ۶۳، ۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷

محمد علی، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۲۹

محمد علی بوگرہ، ۲۹، ۳۲، ۳۵، ۲۲۵، ۳۱۱، ۳۱۳

محمد علی جناح، قائداعظم، ۱۱، ۱۲، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۰۲

محمد منیر، ۳۲۹

محمود حسین، ڈاکٹر، ۵۷

محمود علی، ۱۰۷

محمود علی قصوری، ۲۹۶

محمود ہارون، ۱۰۰، ۳۳۷

مداری پور، ۱۹۵

مدراس، ۲۷۰

مدھومتی، ۲۵۶

مُرارجی ڈیسائی، ۱۹۴

مرتضیٰ رضا چوہدری، ۳۱۳، ۳۱۵

مسعود مفتی، ۱۵۲، ۱۸۵، ۲۶۸

مسلم لیگ، ۱۱، ۲۰، ۲۲، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۵۲

مشتاق احمد گھنڈکر، ۱۲۹، ۲۸۷

مشتاق احمد گورمانی، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۱

مشرقی بنگال، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۲۱، ۲۳، ۲۸، ۱۷۹، ۱۹۳، ۲۱۸

مشرقی بھارت، ۲۵۳

مشرقی پاکستان، ۷، ۸، ۹، ۱۲، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۲، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳،

Marfat.com

۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۱، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۶، ۳۰۲، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۳۷،

مشرقی پاکستان کانگرس پارٹی، ۳۵

مشرقی پاکستان، ۵۷، ۶۷

مصباح الدین حسین، ۳۲۰

مصر، ۸۹

مظفر احمد، ڈاکٹر، ۳۴، ۸۷، ۱۵۰

مظفر حسین، ایڈمرل، ۲۹، ۲۵۲، ۳۰۰، ۳۰۱

مظفر علی قزلباش، ۱۰۰، ۳۲۰، ۳۲۱

مظہر علی خاں، ۱۶۵

مغربی بنگال، ۱۵، ۱۸، ۵۸، ۱۸۷

مغربی بھارت، ۲۵۳

مغربی پاکستان، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۸۱، ۸۵، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰،

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com